www.Pklibrary.com
www.Pklibrary.com
www.pklibrary.com
www.pklibrary.com
پی - کے لائبریری
ڈاٹ کام

بہنوں کا اپنا ماہنامہ

شعاع

واٹس ایپ
03172266944

بانی — محمود ریاض
مدیرِ منتظم — آذر ریاض
مدیرہ — رضیہ جمیل
مدیرِ خصوصی — امت الصبور
قلم ٹیلی وژن — شاہین رشید
قانونی مشیر — نورالدین سرکی اینڈ کمپنی
ایڈووکیٹس اینڈ لیگل کونسلرز

فروری 2025
جلد 38 شمارہ 06
قیمت 150 روپے

پہلی شعاع 8
حمد، تنویر پھول 9
نعت، خالد محمود 9
نبی ﷺ کی باتیں، ادارہ 10

سروے

اترانتے سال کا سورج، ادارہ 19

انٹرویو

جب تجھ سے ناتا، ش۔س 15
دستک، شاہین رشید 200
دیارِ حسن سے ملاقات، شاہین رشید 24

ناول

دھوپ دریچہ، مریم عزیز 34

مکمل ناول

ماءالملوک، نگہت سیما 126
سنجات دل کا عالم، بشریٰ احمد 88
شفا، عیشہ حسین 160

ناولٹ

ماہی، سمیرا حمید 67

افسانے

ان کہی، ان سنی، آسیہ حجہ 60
اصلی نقلی، عقیلہ ہاشمی 81
ناشکری عورت، قرۃ العین خرم ہاشمی 123
بدلہ، قرۃ العین سکندر 156

pklibrary.com

خط و کتابت کا پتہ
ماہنامہ شعاع
37 - اُردو بازار کراچی

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
پاکستان (سالانہ) ——— 1,800 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، یورپ — 25000 روپے
سالانہ خریداری کے لیے ای میل کریں
subscriptions@khawateendigest.com

MEMBER APNS CPNE
رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

نظمیں غزلیں

نظم — قابل اجمیری — 195
غزل — زبیر علی تابش — 195

مستقل سلسلے

خط آپ کے — ادارہ — 30
باتوں سے خوشبو آئے — شگفتہ جاہ — 196
مسکراہٹیں — ادارہ — 198
کھلتا کسی پہ — حبیبہ خان — 199
موسم کے پکوان — واصفہ سہیل — 209
تاریخ کے جھروکے — امت الصبور — 206
خوبصورت بنیے — ادارہ — 210

پہلی شعاع

شعاع فروری کا شمارہ لیے حاضر ہیں

سال کا آغاز ہی ہوا تھا کہ پلک جھپکتے دوسرا مہینہ آپہنچا۔ ہر نیا سورج اپنے ساتھ نئے امکانات لیے طلوع ہوتا ہے۔ نئے سال کا دوسرا مہینہ ایک بہت اچھی خبر کے ساتھ آیا ہے۔ غزہ میں پندرہ ماہ بعد امن کی نوید ملی۔ خواتین اور بچوں سمیت 47 ہزار شہادتوں کے بعد غزہ کے شہریوں کو سکون کا سانس لینا نصیب ہوا ہے۔ اب ان تک امدادی سامان کی رسائی بھی ممکن ہو سکی ہے۔

غزہ اگرچہ مکمل تباہ ہو چکا ہے لیکن اسرائیل بھی اپنے اہداف میں کامیاب نہیں ہو سکا ہے۔ اس طویل جنگ کے پورے دورانیہ میں اہل غزہ نے جس بہادری اور استقامت کا مظاہرہ کیا ہے۔ وہ بلاشبہ حیران کن ہے۔ اگرچہ فی الحال جنگ بندی ہو چکی ہے لیکن اسرائیل جیسے سفاک اور مکار دشمن پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ پر یہ بھی حقیقت ہے کہ سارے اختیار و معاملات اسی خالق و معبود کے ہاتھ میں ہیں جب کوئی اپنی حد سے نکل کر خدا بننے کی کوشش کرتا ہے دست قدرت حرکت میں آتا ہے اور اسے مزہ چکھا دیتا ہے۔ اہل غزہ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

اس شمارے میں

☆ بشریٰ احمد کا مکمل ناول...... نجات دل کا عالم

☆ حبیبہ حسین کا مکمل ناول...... شفاء

☆ نگہت سیما کا مکمل ناول...... ماء السلوک

☆ ماہی...... سمیرا احمید کا ناولٹ

☆ آسیہ بجہ، عقیلہ ہاشمی، قرۃ العین خرم ہاشمی اور قرۃ العین سکندر کے افسانے

☆ ٹی وی اور ریڈیو کی فنکارہ دیا رحمن سے ملاقات

☆ معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ...... دستک

☆ اترا نئے سال کا سورج...... قارئین سے سروے

☆ جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے...... قارئین کے تجربات

☆ خط آپ کے...... آپ کے خط اور ہمارے جواب

☆ پیارے نبی کی پیاری باتیں، احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

شعاع پڑھ کر اپنی رائے سے ضرور آگاہ کریں۔ آپ کے خطوط کے منتظر ہیں۔

pklibrary.com

حمد باری تعالیٰ

ہر اک سو حکمرانی ہے، تو حاکم بحر میں بر میں
گہر میں آب ہے تیری، چمک تیری ہے اختر میں

ملی قوت ہے اہلِ حق کو، لرزاں ہو گیا باطل
عجب تاثیر پنہاں نعرۂ اللہ اکبر میں

سحر کے نور میں تو ہے، گلوں میں ہے تری نکہت
ترا جلوہ ستاروں میں، قمر میں مہر انور میں

ہے تیری آرزو دل میں، جبیں کو جستجو تیری
فنا فی القرب ہو جاؤں یہ سودا ہے مرے سر میں

جو چھوٹا آستانِ ملتزم سے یوں لگا مجھ کو
کہ جیسے کوئی بچہ آ گیا آغوشِ مادر میں

تری رافت پہ ہے قربان ستر ماؤں کی شفقت
نہیں ہے شبہ کوئی دل کو اس قولِ پیمبرؐ میں

یہ کہتا پھول ہے تجھ سے چھپا لے سارے عیبوں کو
کہ تو ستار ہے مولا، نہ رسوا ہو یہ محشر میں

تنویر پھول

نعت رسولِ مقبولؐ

کرم آج بالائے بام آ گیا ہے
زباں پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آ گیا ہے

درودوں کی بارش ہے کون و مکاں پر
کہ آج انبیاء کا امام آ گیا ہے

مجھے مل گئی دونوں عالم کی شاہی
مرا اُن کے منگتوں میں نام آ گیا ہے

مزا جب ہے سرکارؐ محشر میں کہہ دیں
وہ دیکھو ہمارا غلام آ گیا ہے

چراغاں ہوا بزمِ ہستی میں خالد
نگاہوں میں حسنِ تمام آ گیا ہے

خالد محمود

اداره

پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں

ظاہری حسن

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''عورتوں سے ان کے حسن کی وجہ سے نکاح نہ کرو، ممکن ہے ان کا حسن انہیں (تکبر میں مبتلا کر کے) تباہ کردے۔ ان سے ان کے مال کی وجہ سے نکاح نہ کرو، ممکن ہے ان کا مال انہیں سرکش بنا (کر گناہوں میں مبتلا کر) دے۔ البتہ ان کے دین کو پیش نظر رکھتے ہوئے نکاح کیا کرو۔ ایک سیاہ فام، ناک کٹی، دین دار، لونڈی (خوب صورت، بے دین آزاد عورت سے) افضل ہے۔''

کنواری لڑکی سے نکاح کرنا

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں، میں نے ایک خاتون سے نکاح کیا (اس کے بعد جب) میری ملاقات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''جابر! کیا آپ نے شادی کرلی؟'' میں نے کہا۔

''جی ہاں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''کنواری سے یا بیوہ سے؟''

میں نے کہا۔ ''بیوہ سے۔''

فرمایا۔ ''کنواری سے کیوں نہ کی، جس سے تم دل بہلاتے؟''

میں نے کہا۔ ''میری کئی بہنیں تھی، مجھے ڈر محسوس ہوا کہ وہ میرے اور ان کے درمیان حائل نہ ہوجائیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''تب یہ بات (درست ہے۔'')

فوائد و مسائل

1۔ نکاح کے وقت دوستوں اور رشتے داروں کا اجتماع ضروری نہیں۔

2۔ اپنے ساتھیوں اور ماتحتوں کے حالات معلوم کرنا اور ان کی ضرورتیں ممکن حد تک پوری کرنا اچھی عادت ہے۔

3۔ بیوہ یا مطلقہ سے نکاح کرنا عیب نہیں۔ حدیث میں (ثیب) لفظ ہے جو بیوہ اور طلاق یافتہ عورت دونوں کے لیے بولا جاتا ہے۔

4۔ جوان آدمی کے لیے جوان عورت سے شادی کرنا بہتر ہے کیونکہ اس میں زیادہ ذہنی ہم آہنگی ہونے کی امید ہوتی ہے۔

5۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہنوں کی تربیت کو مدنظر رکھتے ہوئے بڑی عمر کی خاتون سے نکاح کیا، اس لیے دوسروں کے فائدے کو سامنے رکھ کر اپنی پسند سے کم تر چیز پر اکتفا کرنا بہت اچھی خوبی ہے۔

6۔ کنبے کے سربراہ کو گھر کے افراد کا مفاد مقدم رکھنا چاہیے۔

آزاد عورت سے نکاح کرنا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم

pklibrary.com

فرمار ہے تھے۔

”جو شخص پاک صاف ہو کر اللہ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے۔“

کثرت اولاد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”نکاح کرو، میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔“

فوائد و مسائل

1۔ نکاح اسلام کے اہم احکام میں سے ہے، اس لیے بلاوجہ کنوارا رہنا درست نہیں۔

2۔ کثرت اولاد شرعاً مطلوب ہے کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خوشی کا باعث ہے۔ اس مفہوم کی ایک حدیث حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں ”خوب محبت کرنے والی، زیادہ بچے جننے والی سے نکاح کرو، میں دوسری امتوں سے تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔“

3۔ کسی عورت کی ماں اور بہنوں وغیرہ کے حالات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے اور امید کی جاسکتی ہے کہ اس عورت کی اولاد زیادہ ہوگی۔

نکاح سے پہلے ایک نظر دیکھ لینا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک خاتون سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔

”جا کر اسے دیکھ لو، امید ہے کہ تم دونوں میں موافقت پیدا ہو جائے گی۔“ انہوں نے ایسے ہی کیا، پھر اس سے شادی کرلی۔ اس کے بعد انہوں نے اس سے موافقت کا ذکر فرمایا۔

فوائد و مسائل

1۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کرنے میں بڑی برکت ہے۔

2۔ نکاح سے پہلے جائز حدود میں رہتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھ لینے سے ایک دوسرے کی طرف میلان ہو جاتا ہے، جس کے نتیجے میں نکاح کے بعد باہم ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے۔

3۔ جواز صرف ایک نظر دیکھ لینے کا ہے۔ تنہائی میں ایک دوسرے سے ملاقات کرنا اور طویل بات چیت، یا اکٹھے سیر کو جانا وغیرہ یہ سب کام دین کے صریحاً خلاف ہیں۔ اس حدیث سے ایسے کاموں کا جواز نہیں نکلتا۔

تعمیل حکم

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک خاتون کا ذکر کیا کہ میں اس سے نکاح کے لیے پیغام بھیجنے والا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”جا کر اسے دیکھ لو، امید ہے تمہارے درمیان محبت پیدا ہو جائے گی۔“

چنانچہ میں انصاری خاتون کے ہاں گیا اور اس کے والدین سے اس کا رشتہ طلب کیا اور انہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی سنایا۔ یوں محسوس ہوا کہ اس کے والدین نے اس چیز کو پسند نہیں کیا (کہ یہ مرد اس لڑکی کو دیکھے) لڑکی پردے میں تھی۔ اس نے یہ بات چیت سن لی چنانچہ اس نے کہا۔

”اگر تجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھنے کا حکم دیا ہے تو دیکھ لے، ورنہ میں تجھے قسم دیتی ہوں۔“ (کہ جھوٹا بہانا بنا کر مجھے نہ دیکھنا)

اس نے گویا اس بات کو بہت بڑا سمجھا (سنتے ہی اعتبار نہ آیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوگا)

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (میں سچ کہہ رہا تھا، اس لیے) میں نے اسے دیکھ لیا پھر میں نے اس سے شادی کرلی۔ پھر حضرت مغیرہ رضی اللہ

pklibrary.com

عنہ نے اس سے ہم آہنگی پیدا ہوجانے کا ذکر فرمایا۔(ترمذی)

فوائد ومسائل

1۔والدین نے حدیث نبوی کو ناپسند نہیں کیا بلکہ انہیں یہ بات پسند نہ آئی کہ ایک اجنبی مرد ان کی جوان بچی پر نگاہ ڈالے۔

2۔کنواری جوان بچی کو پردے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

3۔لڑکے کو چاہیے کہ صرف اسی لڑکی کو دیکھے جس سے وہ واقعی نکاح کرنے کا خواہش مند ہے۔ اس بہانے سے لوگوں کی بچیوں کو دیکھتے پھرنا بہت بری بات ہے۔اللہ تعالیٰ دلوں کے خیالات سے باخبر ہے،اس سے کسی کی خیانت پوشیدہ نہیں۔

بلکہ صحابہ اور صحابیات کے دل میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام بہت زیادہ ہے، چنانچہ لڑکی کو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بتایا گیا تو وہ فوراً راضی ہوگئی، حالانکہ طبعی طور پر یہ چیز اس کے لیے ناپسندیدہ تھی۔

5۔اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذہنوں میں فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی زیادہ اہمیت تھی۔

پیغام نکاح پر پیغام نکاح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”کوئی آدمی اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر نکاح کا پیغام نہ بھیجے۔“

فوائد ومسائل

1۔جب کسی عورت کے لیے اس کے گھر والوں سے بات چیت ہورہی ہے اور رشتہ طے پاجانے کی امید ہو تو دوسرے آدمی کو اس عورت کے لیے بات چیت شروع نہیں کرنی چاہیے۔

2۔اگر محسوس ہو کہ ابھی عورت نے اس مرد کو قبول کرنے کا فیصلہ نہیں کیا اور اس کی طرف واضح میلان نہیں تو دوسرا آدمی بھی پیغام بھیج سکتا ہے تاکہ عورت فیصلہ کرسکے کہ اس کے لیے ان دونوں میں سے کون سا مرد زیادہ مناسب ہے اور اس کے سرپرست بھی معاملے پر بہتر انداز سے غور کرسکیں۔

3۔اس ممانعت میں یہ حکمت ہے کہ مسلمانوں کے باہمی معاملات میں بگاڑ پیدا نہ ہو اور آپس میں ناراضی پیدا نہ ہو۔

اطاعت

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے،انہوں نے کہا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”جب تیری عدت ختم ہوجائے تو مجھے بتانا۔“

عدت ختم ہونے پر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔انہیں حضرت معاویہ،ابوجہم بن صخیر اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے نکاح کے لیے پیغام بھیجے تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”معاویہ تو مفلس آدمی ہیں،ان کے پاس مال نہیں۔ابوجہم عورتوں کو بہت مارتے ہیں لیکن اسامہ بہترین ہیں۔“

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کرکے کہا۔”اسامہ اسامہ!“

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت تیرے لیے بہتر ہے۔“

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا، میں نے ان سے نکاح کرلیا پھر مجھ پر رشک کیا گیا۔(مسلم)

فوائد ومسائل

1۔عورت کے کسی مرد کو قبول کرنے کا فیصلہ

pklibrary.com

کر لینے سے پہلے دوسرا آدمی پیغام بھیج سکتا ہے۔

2۔ اگر کسی کا عیب چھپانے سے کسی مسلمان کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ عیب ظاہر کر دیا جائے۔ یہ صورت ممنوعہ غیبت میں شمار نہیں ہوتی۔ حدیث کے راویوں پر جرح کرنے میں بھی یہی حکمت ہے کہ جو حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، اسے غلطی سے شرعی حکم نہ سمجھ لیا جائے، اس لیے یہ بھی جائز ہے۔

3۔ جب کوئی غلام آزاد ہو جائے تو اسلامی معاشرے میں اس کا مقام و مرتبہ دوسرے آزاد افراد سے کم تر نہیں ہوتا۔

4۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننے میں فائدہ ہے اگرچہ بظاہر ناگوار محسوس ہو۔

5۔ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے اشارے کا مطلب عدم رضامندی کا اظہار تھا کیونکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے والد محترم حضرت زید رضی اللہ عنہ کچھ عرصہ غلام رہ چکے تھے۔

کنواری اور شوہر دیدہ سے اجازت لینا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''شوہر دیدہ اپنی ذات پر اپنے والی (سرپرست) سے زیادہ اختیار رکھتی ہے اور کنواری سے اس کی ذات کے بارے میں اجازت لی جائے۔''

عرض کیا گیا ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کنواری بات کرتے ہوئے شرماتی ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''اس کی خاموشی ہی اس کی اجازت ہے۔''

فوائد و مسائل

1۔ یہاں مراد وہ عورت ہے جس کا پہلے نکاح ہوا تھا، پھر خاوند سے جدائی ہو گئی، خواہ خاوند کی وفات کی وجہ سے ہو یا طلاق کی وجہ سے، یعنی اس لفظ سے بیوہ اور طلاق یافتہ دونوں مراد ہیں۔ دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

2۔ نکاح میں لڑکی کی رضامندی بھی ملحوظ رکھی جائے اور سرپرست کی اجازت بھی ضروری ہے۔

3۔ کنواری لڑکی اگر شرم و حیا کی وجہ سے بول کر رضامندی ظاہر نہ کر سکے تو اس کی خاموشی کو رضامندی تصور کر لیا جائے گا، بشرطیکہ دوسرے قرائن سے یہ محسوس نہ ہو کہ یہ خاموشی ناراضگی کی وجہ سے ہے۔

4۔ بیوہ یا مطلقہ کی اجازت واضح طور پر کلام کے ذریعے سے ہونا ضروری ہے۔ اس کی خاموشی کو رضا سمجھ لینا کافی نہیں۔

5۔ بیوہ یا طلاق یافتہ عورت کو چاہیے کہ عدت گزرنے کے بعد دوبارہ کسی مناسب جگہ نکاح کر لے۔ اس کے سرپرست کو بھی چاہیے کہ دوسرا نکاح کرنے میں اس سے تعاون کرے۔ بے نکاح بیٹھا رہنا درست نہیں، الا یہ کہ عمر اتنی زیادہ ہو گئی ہو کہ دوسرا نکاح کرنا مشکل ہو...... یا کوئی اور رکاوٹ ہو۔

بیٹی کی ناراضی کے باوجود اس کا نکاح کر دینا

حضرت عبدالرحمٰن بن یزید انصاری اور حضرت مجمع بن یزید انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے خاندان کے ایک شخص حضرات خدام رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ اس نے اپنے والد کے کیے ہوئے نکاح کو پسند نہ کیا، چنانچہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے والد کا کیا ہوا نکاح کالعدم قرار دے دیا۔ تب اس نے حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا۔

حضرت یحییٰ بن سعید رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ یہ لڑکی ثیب (بیوہ یا طلاق یافتہ) تھی۔

فوائد و مسائل

1۔ ثیب کا نکاح اگر اس کی مرضی کے خلاف کر دیا جائے، تب بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے، تاہم

وہ عدالت کے ذریعے سے یہ نکاح ختم کرا سکتی ہے۔

2۔ اس ناخوش گوار نتیجے سے بچنے کے لیے پہلے ہی افہام و تفہیم سے کسی متفقہ رائے پر پہنچ جانا بہتر ہے، یعنی نکاح وہاں کیا جائے جہاں عورت بھی راضی ہو اور سرپرست کو بھی اعتراض نہ ہو۔

عورت کی مرضی

حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا۔ ”ایک نوجوان لڑکی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔

”میرے والد نے میرا نکاح اپنے بھتیجے سے کر دیا ہے تاکہ میرے ذریعے سے اس کا مقام بلند ہو جائے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکی کو (نکاح فسخ کرنے کا) اختیار دے دیا۔ اس نے کہا۔

”میں اپنے والد کے کیے ہوئے نکاح کو قبول کرتی ہوں لیکن میں چاہتی تھی کہ عورتوں کو معلوم ہو جائے کہ ان کے باپوں کو کوئی اختیار حاصل نہیں۔“

فوائد و مسائل

1۔ ”تاکہ میرے ذریعے سے اس کا مقام بلند ہو جائے۔“ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ میرے والد نادار ہیں اور ان کا بھتیجا خوش حال ہے، وہ چاہتے ہیں کہ اس رشتے کی وجہ سے انہیں بھی مالی فوائد حاصل ہو جائیں اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ بھتیجا نادار ہے، والد صاحب میرا رشتہ دے کر اس کا مقام بلند کرنا چاہتے ہیں تاکہ لوگ سمجھ کر اس کی عزت کریں کہ یہ فلاں صاحب کا داماد ہے۔

2۔ والدین کو بھی لڑکی کی رضامندی کے بغیر بالجبر ایسی جگہ نکاح کر دینے کی اجازت نہیں ہے جو اسے پسند نہ ہو۔

3۔ ایسی صورت میں لڑکی کو نکاح فسخ کرانے کی اجازت ہے۔

سرپرست کی اجازت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”جس عورت کا نکاح سرپرست نے نہیں کیا، اس کا نکاح باطل ہے۔ اس کا نکاح باطل ہے۔ اس کا نکاح باطل (کالعدم) ہے۔ اگر مرد اس سے مقاربت کرلے تو اس کی مقاربت کی وجہ سے اس عورت کو حق مہر ادا کیا جائے گا۔ اگر ان (سرپرستوں) میں باہم اختلاف ہو جائے تو جس کا کوئی ولی (سرپرست) نہ ہو بادشاہ اس کا ولی (سرپرست) ہے۔“ (ابوداؤد)

فوائد و مسائل

1۔ نکاح میں جس طرح لڑکی کی رضامندی ضروری ہے، اسی طرح اس کے سرپرست کی اجازت بھی ضروری ہے۔

2۔ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح شرعاً غیر قانونی ہے، لہٰذا اگر سرپرست اجازت دینے سے انکار کر دے تو میاں بیوی میں جدائی کرا دی جائے گی۔

3۔ مقاربت کے بعد جدائی ہونے کی صورت میں مرد کے ذمے پورا حق مہر ادا کرنا لازمی ہو گا۔

4۔ اسلامی سلطنت میں بادشاہ کو نکاح کے معاملات میں مداخلت کا حق حاصل ہے۔ اسی طرح بادشاہ کے نائب مقامی حکام بھی یہ حق رکھتے ہیں موجودہ حالات میں اس قسم کے فیصلے عدالتیں کرتی ہیں۔ پنچائیت میں بھی یہ معاملہ حل کیا جا سکتا ہے۔

5۔ اگر کوئی بچی لاوارث ہو اور اس کا کوئی قریبی رشتہ دار نہ ہو جو سرپرست کے طور پر اس کے مفادات کا خیال کر سکے تو اس صورت میں بھی اسلامی سلطنت کو سرپرست کا کردار ادا کرنا چاہیے۔

☆☆

جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے

ش۔ س...... کراچی

س: شادی کب ہوئی؟

ج: بائیس جولائی 1983 کو ہوئی۔

س: شادی سے پہلے کیا مشاغل تھے؟

ج: بہت ہی خوب صورت دنیا تھی، صبح میں کالج جاتے۔ سیکنڈ شفٹ میں اسکول میں پڑھایا کرتے، بہترین نعت خواں تھے تو کالج کی طرف سے نعت خوانی کے مقابلوں میں حصہ لیا اور بہت زیادہ انعامات جیتے، گھر کی کوئی ذمہ داری نہ تھی، عیش بھری زندگی تھی۔

س: شادی میں مرضی شامل تھی؟

ج: جی، ہم دونوں کی رضامندی سے شادی طے پائی تھی حالانکہ نہ میرے والدین کی مرضی تھی اور نہ میرے شوہر کے والدین کی مرضی تھی، وجہ یہ تھی کہ ان کی والدہ کو میں پسند نہیں آئی تھی اور میری والدہ کو ان کی والدہ کا رویہ پسند نہیں آیا تھا تو بہت کچھ ساری ناراضیاں مول لے کر ہم نے یہ شادی کی تھی۔

س: شادی سے پہلے سسرال والوں کے متعلق خیالات؟

ج: ہر لڑکی کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ اس کا شوہر محبت کرنے والا ہو اور سسرالی رشتہ دار اس کی قدر کریں تو میرے ذہن میں بھی یہ تھا کیونکہ ملٹی ٹیلنٹڈ تھی تو اپنے اوپر اعتماد بھی تھا کہ شوہر پسند سے شادی کر رہے ہیں، محبت سے شادی کر رہے ہیں تو ان شاء اللہ ساری زندگی خیال رکھے گے کیرنگ ہوں گے۔ اور کسی بھی قسم کی پریشانی میں میرا ساتھ دیں گے تو شوہر میں ایک بھی ایسی خوبی نہ تھی جس کی مجھے تمنا تھی۔ انتہا سے زیادہ لاپروا اور بس شادی کی حد تک محبت کرنے والے انسان تھے۔

س: منگنی کتنے عرصے رہی؟ اس دوران بات چیت ہوتی تھی؟

ج: باقاعدہ منگنی تو نہیں ہوئی تھی بس بڑوں کے بیچ بات طے ہو گئی تھی۔ بڑے بھی ان کے بھائی اور بہن تھے، بھائی غیر شادی شدہ اور بہن شادی شدہ تھیں اور میرے والدین تھے، منگنی نہیں ہوئی بس بات طے ہوئی تھی اور وہ بھی منہ بنا بنا کر اور بات چیت کا یہ کہ کوئی خاص محبت والی بات نہیں ہوتی تھی۔ سیل فون تو تھا نہیں اس زمانے میں، لہٰذا سب گھر والوں کے ساتھ ہی ہوتے تھے تو اس طرح کچھ بات ہو جاتی تھی کیونکہ گھروں میں ٹیلی فون ہوا کرتے تھے بس اب اسی طرح ادھر ادھر کی بات ہو جاتی تھی کبھی ہوئی کبھی نہیں ہوئی۔

س: شادی سے پہلے سسرال والوں کے متعلق خیالات؟

ج: زیادہ تر تو یہی دیکھنے میں آیا ہے لڑکیاں بہت کم ہی سسرال میں خوش مطمئن رہتی ہیں۔ پسند نہیں کرتیں۔ کچھ دکھاوا کرتی ہیں خوشی کا، تو بس میرے خیالات بھی کچھ ایسے ہی تھے اور مجھے پتا بھی چل گیا تھا کہ ساس مجھے پسند نہیں کرتیں تو نند سے اچھی دوستی تھی اور زندگی بھر جب تک وہ زندہ رہیں تو دوستی نبھائی، بس شوہر سے ہی یہ امید تھی کہ یہ اچھے ہیں تو زندگی بھی اچھی ہی گزر جائے گی۔

س: رسموں کے لین دین پر جھگڑا؟

ج: رسموں کے معاملے میں تو نہیں، دراصل یہ شادی ہی بڑی ہنگامہ خیز رہی، جولائی کا مہینہ تھا بارش شدید تو بہت سارے کام مینج نہیں ہو سکے اور کام گڑ بڑ ہو گئے۔ رسموں کے حوالے سے کوئی تو تو میں میں نہیں ہوئی اس لیے کہ ان کی والدہ نے تو کوئی رسم کی ہی نہیں، ہاں ان کی رشتے کی پھوپھی اور کزن وغیرہ نے کچھ رسمیں کیں۔ وہ بھی چلتے چلتے باقاعدہ نہیں کیں اور ہمارے ہاں سے ایک دو رسمیں تھیں وہ کیں

لہٰذا آسانی سے شادی ہوگئی۔

س: شادی کے بعد شوہر نے دیکھ کر کیا کہا؟

ج: شادی کیونکہ ہم دونوں کی مرضی سے ہوئی تھی اور ہم دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا ہوا تھا تو کوئی نئی بات تو تھی نہیں، لہٰذا کمرے میں داخل ہوتے ہی جو پہلی بات انہوں نے کی تھی وہ یہ کہ میں نے امی کو شادی کے لیے بڑی مشکل سے راضی کیا تھا لہٰذا آنے والے حالات تم نے ہی فیس کرنا ہے میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ یعنی پہلا جملہ یہ تھا، باقی وہ ہی روایتی سے جملے جو عام طور پر شوہر کرتے ہیں کہ امی کو کوئی تکلیف نہ ہو کوئی شکایت نہ ہو، میں نے امی کو بڑی مشکل سے منایا ہے اور والدہ کے خیالات یہ تھے کہ جو لڑکیاں پسند سے شادی کرتی ہیں، وہ سسرال والوں کو منہ نہیں لگاتیں تمہیں یہ بات غلط ثابت کرنا ہے اور والدہ صاحبہ کے نادر خیالات یہ تھے کہ جاب کرنے والی لڑکیاں لڑکوں کو گھیرنے کے لیے جاب کرتی ہیں تو یہ بات بھی غلط ثابت کرنی ہے، یعنی آدھی رات ہماری ان ہی باتوں کو سمجھنے سمجھانے میں گزر گئی۔ یعنی ہر حالت میں مجھے ہی سرینڈر کرنا ہے۔

س: شادی کے بعد کام کب شروع کیا؟

ج: چونکہ پہلے میری شادی ہوئی تھی، پھر ان کے بڑے بھائی کی شادی ہوئی تھی تو شادی سے پہلے گھر کے سارے کام ان کی والدہ ہی کرتی تھیں تو شادی کے دس دن بعد، انہوں نے سب کچھ میرے سپرد کردیا کہ اب مجھ سے کام نہیں ہوتا، اب تم سنبھالو تو بس دس دن بعد ہی سارا کام میں نے سنبھال لیا تھا ان کے گھر سات افراد تھے تو سارا میں ہی دیکھتی تھی اور ساس نے کہہ دیا تھا کہ اب تم جاب کو تو بھول ہی جاؤ، نہ کہیں آنا نہ جانا بس گھر ہی دیکھنا ہے تو اللہ کا شکر ہے کہ اپنے گھر میں بے پروائی تو تھی، شادی سے پہلے لیکن گھر کے کام آتے تھے تو بعد میں بھی شکر ہے میرے رب کا کہ کوئی مشکل نہیں ہوئی۔

س: سسرال میں تنقید ہوئی یا تعریف؟

ج: سسرال میں تعریف کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، خیر کسی بات پر تعریف نہیں ہوئی اور تنقید کا تو پوچھیں ہی نہ۔ قدم قدم پر تنقید بے شمار اور چونکہ اپنے گھر میں ابا کی بہت لاڈلی تھی تو بہت تکلیف دیتی تھی تنقید اپنے کمرے میں بیٹھ کر روتی تھی تو میاں ساتھ دینے کے بجائے غصہ کرتے تھے، کہتے میں نے تو تمہیں پہلے ہی سارے حالات بتادیے تھے نظر انداز کیا کرو اور رونا دھونا بند کرو۔ بس شروع کے سال تو بہت کٹھن گزرے۔

س: سسرال میں جو مقام ملنا چاہیے تھا، وہ ملا؟

ج: سسرال میں مقام ملنا تو دور کی بات، کبھی انہوں نے اپنا سمجھ کر اچھی طرح دعا سلام بھی نہ کی ذرا ذرا سی بات پر ہنگامہ کھڑا کردیتیں۔ لیکن ان کے دیگر سسرال والے جیسے پھوپھی زاد بہن، تایا زاد بہن، خالہ زاد بہن اور سگی بہن انہوں نے مجھے بہت عزت دی بہت قدر کی انہوں نے جو دیکھا کہ میں کس طرح گھر سنبھال رہی ہوں، کبھی کسی بات کا جواب نہ دینا، کسی سے بدتمیزی نہ کرنا، بس اپنے ساتھ جو کچھ بھی ہوتا خود ہی رو پیٹ کے خاموش ہوجاتی گھر کے اندر کے علاوہ دیگر سسرال والوں نے بہت عزت کی، مقام دیا۔

بات طے ہونے کے چھ ماہ بعد ہی جو رابطے رہے سسرال والوں کے رویے سے اندازہ ہوگیا تھا کہ کیا ہیں اور سسرال میں بھی کون تھا ساس ہی تھیں جن کا بہت ہولڈ تھا، گھر پر بیٹے تو چوں بھی نہیں کرسکتے تھے۔ باقی جیٹھ اور نند کے رویے اچھے تھے اور ساس کا رویہ اتنا خراب تھا کہ توقع رکھنا تو فضول کی بات تھی توقع تھی ہی نہیں جو پوری ہوتی۔ ایک بات ضرور کہوں گی نئی جنریشن کی بچیوں سے کہ اگر خود سے فیصلہ کرنا ہے اپنا جیون ساتھی خود پسند کرنا ہے تو بہت سوچ سمجھ کر کریں اچھی طرح پرکھنے کے بعد، ورنہ والدین کی پسند کو ترجیح دیں کیونکہ والدین بہت سوچ سمجھ کر اپنے بچوں کے لیے فیصلہ کرتے ہیں۔

کیونکہ اگر ہم اپنی پسند سے فیصلہ کرتے ہیں تو

pklibrary.com

ہم اکیلے ہوتے ہیں، کوئی بھی کسی بھی تکلیف میں ہمارے ساتھ نہیں ہوتا حالانکہ والدین اپنی اولاد کو بھی نہیں چھوڑتے، کسی بھی حالت میں مگر ہم کو خود شرم آتی ہے ان سے کچھ کہتے۔

والدین کی پسند کو ترجیح دیں گے تو ان کا سایہ ہمارے سر پر رہے گا۔ ہم اپنے ہر دکھ تکلیف میں ان کو اپنے ساتھ کھڑا کر سکتے ہیں۔ جو دکھ سکھ ہوتے ہیں۔ وہ تو ہر حال میں انسان کے نصیب میں آتے ہیں۔ عورت ہر دکھ سکھ کا مقابلہ کر سکتی ہے اگر اس کا جیون ساتھی اس کے ساتھ کھڑا ہو۔

س: پہلے بچے کی پیدائش؟

ج: پہلے بچہ کی پیدائش تمام ہی خواتین کے لیے بہت خاص ہوتی ہے۔ پہلا بچہ انوکھی سی فیلنگ ہوتی ہے خوشی بھی ہوتی ہے۔ ڈر بھی ہوتا ہے۔ سب کی طرح میری بھی خواہش تھی اللہ تعالیٰ صحت مند اولاد عطا کرے۔ میرے میکے میں بیٹیوں کو پسند کیا جاتا ہے۔ بیٹوں کو بھی کیا جاتا ہے یعنی کوئی تخلیص نہیں تھی لیکن بیٹیوں سے لگاؤ ہوتا ہے لہٰذا یہ سوچ ہی نہ تھی اور شادی کے گیارہویں مہینے میں، اللہ تعالیٰ نے مجھے بیٹی دے دی اور ساس کو کیونکہ لڑکے پسند تھے تو میرے نامہ اعمال میں ایک اور جرم لکھا گیا کہ اللہ نے مجھے بیٹی دی۔

خوب صورت اور صحت مند بیٹی دی تو ساس نے اسپتال میں ہی منہ بنالیا اور شوہر کو بھی نہ جانے کیا کہا کہ وہ اس دن ہاسپٹل ہی نہیں آئے۔

جس دن میری بیٹی پیدا ہوئی۔ دوسرے دن آئے تو ان کا موڈ آف تھا، نہ ڈھنگ سے بات کی بس بیٹی کو گود میں لیا اور باہر چلے گئے وہاں نندتھیں ان سے بات کی اور اس کے بعد اسے میرے پاس رکھ کر چلے گئے، نہ خوشی، نہ کوئی خیال۔ میں تین دن بعد گھر واپس آئی نارمل ڈلیوری تھی تو یہ ہوا کہ مٹھائی بانٹیں تو ساس نے کہا کہ بیٹی پر کیسی مٹھائی باٹنا، پھر اس پر بھی اتنا جھگڑا ہوا میری نند بھی موجود تھیں۔ لے دے کر بات مجھ پر ہی پہنچ گئی کہ یہ بیٹا نہیں دے سکتی چھوڑ دو اسے بات طلاق تک پہنچ گئی۔ کسی کو بھی کسی بات کا پتا

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

دل ایک گلشن
چلمن

رضیہ جمیل
نادرہ خاتون

بڑی دیر
دستِ کوزہ گر

نسیم سحر قریشی
فوزیہ یاسمین

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

نہ تھا اور میری ساس نے ایسا رویہ رکھا تھا کہ میری والدہ گھنٹے دو گھنٹے میں مجھے کھلا پلا کر چلی جاتیں ہاسپٹل سے، نہ گھر لے جانے کی کوئی بات کرتیں نہ کچھ۔ حالانکہ ہمارے گھر میں تو سب بہت خوش تھے بیٹی کی پیدائش پر، اللہ تعالیٰ میری نند کو جنت الفردوس میں اعلا مقام عطا فرمائے، انہوں نے بیچ میں پڑ کر اپنے بھائی کو ڈانٹ ڈپٹ کی اور معاملہ رفع دفع کروایا تو پہلا تجربہ بہت برا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے جلد ہی دوسری بیٹی کی نعمت سے نوازا، پھر اللہ نے آٹھ سال بعد مجھے بیٹا بھی دیا، لیکن سچ ہے کہ بیٹیاں ہی ساری زندگی والدین کے کام آتی ہیں۔

س: جوائنٹ فیملی سسٹم پسند ہے یا علیحدہ؟

ج: مجھے شروع سے ہی جوائنٹ فیملی سسٹم پسند ہے۔ ہم چھ بہن بھائی ساتھ رہتے تھے ہنسی خوشی رہتے تھے۔ ہلا گلا کرتے تھے جیسا کہ گھروں میں ہوتا ہے تو مجھے بھی اسی لیے جوائنٹ فیملی سسٹم پسند تھا کہ جب گھر میں بزرگ ہوتے ہیں تو بچوں کی تربیت اچھی ہو جاتی ہے۔

لیکن یہاں معاملہ الٹ تھا، دادی نے کبھی بچوں کو منہ ہی نہ لگایا، کبھی بچوں کو گود میں بھی نہیں بٹھایا۔ آج تک میری بیٹیاں اس بات کا احساس کرتی ہیں تو یہاں تو جوائنٹ فیملی سسٹم فیل ہی ہو گیا۔

لیکن میں اپنے رب کے سامنے سرخرو ہوں کہ میں نے تمام رشتے بخوبی نبھائے، یہ الگ بات کہ میرے حصے میں بدگمانی ہی آئی۔ میں نے کبھی کسی کی حق تلفی نہیں کی کسی کے لیے غلط بیانی نہیں کی۔ اللہ لوگوں کو ہدایت دے اور محبت اور خلوص کو سمجھنے کی توفیق دے۔

بہر حال جوائنٹ فیملی کے الگ مسائل ہیں اور علیحدہ کے الگ آج کل کے بچے الگ رہنا پسند کرتے ہیں کہ کوئی، ان کے معاملات میں دخل اندازی نہ کرے پر ہمیں تو جوائنٹ فیملی سسٹم پسند تھا، اس لیے اتنی پریشانیاں، مصیبتیں برداشت کیں۔

س: سسرال کے ماحول کو بہتر بنانے کی کوشش کی؟

ج: سسرال کے ماحول کو جب بدلا جاتا ہے جب کسی کی سنی جائے، یہاں تو مقابلے کا سا سماں تھا۔ میری شادی کے پانچ مہینے بعد، اپنے بڑے بیٹے کی شادی کی اپنی پسند سے اور زندگی بھر مقابلے کا سماں رہا زندگی بھر وہ اپنی بہو سے میرے سامنے لاڈ پیار کرتیں۔ رسمیں کرتیں پھر ان کو اللہ نے پہلا بیٹا دیا تو انہیں مسند پر بٹھا دیا گیا۔ بہت آؤ بھگت کی گئی۔ ان کے میکے والوں کو سراہا گیا اور بس وہ دونوں ساس بہو ایک طرف اور میں ایک طرف، وجہ یہ تھی کہ میرے شوہر نے بھی میرا ساتھ نہیں دیا اور میری جیٹھانی کے شوہر ان کے ساتھ کھڑے تھے تو وہاں تو سوال ہی نہ تھا۔

ہاں یہ کہ کبھی کبھی کوئی بات سنی جاتی تھی، مانی نہیں جاتی تھی۔ یعنی سب بیٹھے ہیں تو ہم نے بھی اپنا مشورہ دے دیا اور یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے مجھے اس طرح سرخرو کیا کہ میرے جیٹھ اپنا مکان بیچ کے چلے گئے ہم دونوں کے مکان برابر تھے اور ساس کو میرے پاس چھوڑ کر چلے گئے۔ وہ بیڈ پر تھیں۔ انہیں دکھ بھی تھا کہ ان کی لاڈلی بہو نے انہیں چھوڑ دیا جس کی خاطر انہوں نے پورے خاندان میں اتنا کھڑاک پھیلایا۔ انہیں شرمندگی بھی ہوئی تھی۔

پورے ایک مہینہ وہ میرے پاس رہیں اور میں نے ان کی بہت خدمت کی انہیں ہلکا پھلکا بنا کر کھلاتی۔ ان کے پیمپر زبدلتی، میں ان کو ہی دیکھتی نہ کہیں آنا جانا تو مرنے سے ایک دن پہلے انہوں نے ہاتھ اٹھا کر مجھے، بہت دعائیں دیں اور آج وہ دعائیں میرے کام آ رہی ہیں میرے تینوں بچے ماشاء اللہ بہت خوش زندگی گزار رہے ہیں۔ میں بہت خوش ہوں اپنے بچوں کے ساتھ، ہاں میاں ہمارے کل بھی میرے نہ تھے اور آج بھی میرے نہیں ہیں وہ اپنے آپ میں مگن، بہر حال ان کے لیے بھی بہت دعائیں اللہ نے بہت اچھا وقت گزار دیا اور آگے بھی ان شاء اللہ اچھا ہی ہوگا۔

اُترا نئے سال کا سورج

ادارہ

تسلسل خوب صورت ہے، روانی خوب صورت ہے
بدلتے وقت کی ساری کہانی خوب صورت ہے

وقت بدلتا رہتا ہے۔ زندگی کی ساری خوب صورتیاں وقت کے تغیر ہی سے وابستہ ہیں۔ موسموں کی تبدیلی ہو یا انسان کی زندگی کا اتار چڑھاؤ تغیر ہی اس میں رنگ بھرتا ہے۔ خزاں کے بعد بہار، رات کے بعد سویرا اور ناامیدی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں جھلملاتی امید کی کرنیں یہ سب زندگی کے مختلف روپ اور رنگ ہیں۔

ہماری قارئین ہمارے ساتھ دکھ سکھ کے رشتوں میں بندھی ہیں۔ ہم خاص موقعوں پر اپنی قارئین سے ان کی ذاتی زندگی کے حوالے سے سروے کرتے ہیں تاکہ ان کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں اور غموں میں شریک ہو سکیں۔ ان کے خواب جان سکیں۔

حسب روایت نئے سال کے موقع پر ہم نے اپنی قارئین سے سروے کیا ہے۔ سوالات یہ ہیں۔

1۔ بھاگتے دوڑتے یہ سال بھی بیت گیا، خواب کون نہیں دیکھتا مگر زندگی کی برق رفتاری میں بہت سے خواب پورے نہیں ہو پاتے۔ آپ کا کوئی ایسا خواب جو اب بھی ادھورا ہے۔ کیا نئے سال میں اس کی تکمیل کا ارادہ ہے؟

2۔ زندگی میں بہت سے لوگ ملتے ہیں کچھ ہماری زندگی میں ٹھہر جاتے ہیں۔ کچھ آگے بڑھ جاتے ہیں کچھ ایسے خوب صورت دن جو ایک خوش گوار یاد بن کر ہماری زندگی کا حصہ ہوتے ہیں کہتے ہیں اداس شاموں اور سرد راتوں میں بیتے دن اور بچھڑے لوگ یاد آتے ہیں۔ آپ کو کیا یاد آتا ہے؟

3۔ گزرے سال کا کوئی تلخ تجربہ کوئی زخم، کوئی ایسی تکلیف دہ بات جسے آپ بھول جانا چاہتی ہیں۔

آیئے دیکھتے ہیں ہماری قارئین نے ان سوالات کے کیا جواب دیے ہیں۔

نوال افضل گھمن...... کراچی

1۔ وقت کا پرندہ اڑتا جا رہا ہے! زندگی کی دوڑ میں ہم شب و روز کے میلے میں اپنا اپنا بوجھ اٹھائے ذمہ داریوں کی چکی میں پستے ہوئے، بالوں میں چاندی اترتی دیکھ رہے ہیں؟

2۔ بچوں کے بڑھتے قد، ماں باپ کے لیے الارم ہیں۔ گزرتا وقت ہم روک نہیں سکتے۔ جی خواب اور حقیقت سامنے ہے...... پہلی دفعہ 2018 میں عمرہ کی سعادت اور اب اسی مہینہ دسمبر 2024 آخری تاریخوں میں کعبۃ اللہ کی زیارت...... میری بند مٹھیوں میں صرف شکر گزاری قید ہے۔

زندگی کے عملی 24 سال 2000 سے لے کر...... گجرات...... ملتان...... فیصل آباد...... پشاور کراچی...... بہت سے لوگ تو نہیں چند ایک ملے اور پھر کچھ بچھڑے اور کچھ آج تک ہاتھوں کے ساتھ سے

pklibrary.com

لے کر دل کی دھڑکنوں کے راز تک ساتھ ساتھ ہیں ویسے بھی عمر رواں کے اس حصہ میں جہاں چالیس کا ہندسہ آتا ہے۔ انسان کی عمر کی عصر ہو جاتی ہے...... وقت کم ہے اور آگے کی تیاری بھی کم...... اللہ کریم خیر و عافیت رکھے۔ آمین

3۔ گزرے سال میرے بہت اچھے جاننے والوں میں بالکل نوجوان لڑکی کی موت مجھے نہیں بھولتی نہ اس کا چہرہ، نہ آخری بات، نہ آخری ملاقات!

کتنے چپ چاپ چلے جاتے ہیں جانے والے
کتنی بے کیف سی رہ جاتی ہے دل کی بستی!

رضوانہ وقاص...... کرلاں ہری پور

آپ نے سوال پوچھے میرا دل بھی مچل گیا کہ میں بھی جواب لکھوں، جگہ دینی ہے شکریہ۔

1۔ خواب کون نہیں دیکھتا۔ لیکن میں خوابوں میں نہیں جیتی۔ جو گزر گیا وہ گزر گیا۔ لیکن اب میرے خواب ہیں کہ میرے بچے پڑھ لکھ کر اچھے بچے بن جائیں۔ ماشاء اللہ میرے پانچ بچے ہیں۔ اللہ سے ہر ٹائم دعا کرتی رہتی ہوں، اللہ جی انہیں صحت وتندرستی والی زندگی دینا۔ (آمین) احمد آٹھویں میں پڑھ رہا ہے۔ دعا ہے ہر کلاس میں اچھے نمبروں سے کامیاب ہو۔ بہت ہی سادہ، بھولا بھالا، دوسرے نمبر پر عباس۔ تھوڑا سا تیز۔

اب ماشاء اللہ ہائی اسکول میں گیا چھٹی کلاس میں۔ باتیں ایسی کرتا ہے۔ روتے ہوئے کو ہنسا دے۔ غصہ بھی جلدی آجاتا ہے اسے جلدی پھر راضی بھی نہیں ہوتا۔ میری دعا ہے یہ ڈاکٹر یا انجینئر بن جائے۔ تیسرے نمبر عالیان وہ بھی سادہ سا لیکن سب کی بات سننے ماننے والا۔ اس کو عمرے پر بھی جانے کا بہت شوق ہے۔ اور اللہ سے دعا ہے کہ حافظ قرآن بن جائے۔ پانچویں کلاس میں پڑھتا ہے۔ چوتھے نمبر پر ارسلان عباس کی کاپی ایسا لگتا ہے جیسے دونوں جڑواں ہیں۔

اور سب سے آخری نمبر پر موذن، گھر والوں کا لاڈلا تو ہے ہی لیکن اپنی نانو کے گھر اور ان کے محلے کا لاڈلا بے حد سب بہت پیار لاڈ کرتے ہیں تین سال کا ہوا ہے اکتوبر میں۔ بچے زیادہ نانو کے پاس ہوتے ہیں ان کا بچپن ادھر ہی گزر رہا ہے۔

2۔ کیا سوال پوچھا ہے۔ یہ باتیں لکھنے لگ جاؤں آپ پھر جگہ نہیں دیں گے۔ کہ اتنا لمبا جواب۔ چلیے مختصر بتا ہی دیتے ہیں۔ کہ میری زندگی شادی سے پہلے بھی اچھی گزری لیکن جو زندگی اپنے شوہر کے ساتھ گزاری۔ یادگار بن گئی اس طرح سے کہ اب چل نہیں سکتی۔ جو ٹائم ان کے ساتھ بچوں کے ساتھ گزارا بہت اچھا گزرا۔

2016 میں ناران، کاغان گئے تھے۔ مری۔ ادھر ہوٹل میں کمرے لیے تھے۔ بہت ہی مزہ آیا۔ بچوں نے بھی خوب انجوائے کیا۔

اب چارپائی پر اپنی پچھلی زندگی کو یاد کرتی رہتی ہوں کہ کیا ہوا مجھے۔ اللہ پاک پہلے جیسی کر دیں 2019 سے چارپائی پر ہوں پاؤں کا ٹوٹنا بہانہ بن گیا ہے، درد رہتا تھا ٹانگ میں لیکن بشارت بھائی کی مہندی والے دن گر کر پاؤں ٹوٹ گیا پھر میں خود سے چل نہیں سکی۔ اللہ پاک میری امی کو صحت وتندرستی دے اور شوہر کو خوش رکھے باقی گھر والوں سمیت۔ مجھے امی اور شوہر زیادہ سنبھالتے ہیں۔

سردیوں میں بشارت کا آنا اچھا لگتا تھا۔ مہینے کی چھٹی کرتا امی کے گھر میں رونق لگ جاتی اس دفعہ نہیں آیا کیونکہ بھابھی اور بھتیجے عدنان کو اپنے پاس کراچی بلا لیا۔ یہ بات بہت یاد کرتی ہوں۔

3۔ وہ بات کیوں پوچھتے ہو جو بتانے کے قابل نہیں ہے بس بہت تکلیف وہ بات ہوئی۔ اللہ کرے سب بھول جائیں، ناراضی ختم ہو جائے ہم سب پھر اکٹھے ہو جائیں۔ سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے سب نے دعا کرنی ہے۔ (آمین) اور خاص کر وہ زخم، وہ تکلیف میرے شوہر بھول جائیں۔ ان کو ان کے جو کسی خاص اپنے نے دی۔ بھول جائیں۔

عینا عمر خان...... کراچی

ایک مہینہ گاؤں میں گزار کر ہم واپس آگئے ہیں۔ ایک ماہ تک بند رہنے والے گھر کا آپ کو پتا ہے، کیا حال ہوا ہوگا۔ کام کام اور کام ایسے میں ملنے کے لیے بھی کوئی

pklibrary.com

نہ کوئی آجاتا ہے عزیز کا اسقاط گاؤں میں ٹھنڈ زیادہ ہونے کی وجہ سے بگڑ گیا، اسے التمش ہاسپٹل میں ایڈمٹ کرنا پڑا۔ ایسے میں میرا خط لکھنے کا بالکل ارادہ نہیں تھا مگر سروے کے سوال دیکھے تو میرا دل چاہا کہ میں بھی لکھوں۔

1۔ میرا جاگتی آنکھوں کا خواب کہ میں رائٹر بنوں ،اللہ کا شکر ہے کہ میرا یہ خواب پورا ہوا۔ اب ایک خواب یہ ہے کہ ڈرامہ لکھنا ہے اور اس خواب کی تکمیل تک میں زندہ رہنا چاہتی ہوں، ایک خواب یہ ہے کہ میں عمرہ کروں اگلے سال یہ خواب بھی پورا ہوجائے گا ان شاء اللہ۔

2۔ میری زندگی کی وہ خوب صورت رات جسے میں بھلا نہیں سکتی یہ تب کی بات ہے جب ہم پی اے ایف بیس مسرور میں رہتے تھے اس رات میں پھوپھو کے گھر گئی تھی۔ رات رکنے کے لیے۔ پھوپھو کی بیٹی سے میری بہت دوستی تھی۔ یہ دسمبر کے آخری دنوں کی ایک سرد ترین رات تھی۔

رات کا کھانا کھا کر ہم دونوں باہر آگئیں۔ پھوپھو کے گھر کے سامنے ایک طویل سڑک تھی جو آگے جا کر قطار میں بنے بنگلوں کے ساتھ مل جاتی تھی۔

رات کے ساڑھے دس یا گیارہ بجے کا ٹائم تھا، ہم نے دکان سے کون آئس کریم لی اور سڑک پر واک کرنے لگے۔ ٹھنڈی یخ ہوا جسم کے آر پار ہورہی تھی۔ اور ہوا بھی بہت تیز چل رہی تھی دور دور تک نہ بندہ نہ بندے کی ذات، ایسے میں ہم دونوں سڑک پر باتیں کرتی ہوئی اور آئس کریم کھاتی ہوئی چلتی جارہی تھیں ۔اس سرد رات میں جب لوگ لحافوں میں دبکے ہوئے تھے ہم دونوں پاگل سڑک پر چلتی جارہی تھیں نہ آئس کریم ختم ہورہی تھی نہ باتیں۔ ہوا سے اڑتے بال اور سردی سے بجتے دانت، اگر کوئی ہمیں دیکھ لیتا تو ہماری عقل پر ماتم کرتا۔ اوپر تاروں سے بھرا آسمان تھا۔ جا بجا لگے کیکر اور نیم کے درخت۔ تھوڑا خوف بھی محسوس ہورہا تھا۔ میری کزن پلس دوست شائلہ عرف موی جو اس رات میرے ساتھ تھی، وہ اکثر کہتی۔

ہم دونوں ایک ہی گھر میں شادی کریں گی۔ تاکہ ایک ہی گھر میں دیورانی، جٹھانی بن کر رہیں مگر قسمت دیکھیں اس کی شادی الگ خاندان میں ہوئی میری الگ خاندان میں۔ اب ہماری سالوں بعد ملاقات ہوتی ہے خاندان میں کسی خوشی غمی کے موقع پر ملاقات ہو۔ وہ مجھ سے ضرور پوچھتی ہے کہ وہ رات یاد ہے اور میں سر ہلا کر کہتی ہوں کہ بالکل یاد ہے۔ میں وہ رات کبھی بھی نہیں بھلا سکتی۔

میری شادی کیا ہوئی میرا سارا خاندان مجھ سے چھوٹ گیا حالانکہ کیماڑی سے ماڑی پور کا فاصلہ اتنا زیادہ بھی نہیں ہے اصل میں جب میری شادی ہوئی تو زبیر مجھے کہیں آنے جانے نہیں دیتے تھے، اس وجہ سے میں سب سے کٹ کر رہ گئی۔

بہنوں کی شادیاں دوسرے شہروں میں ہوئی ہیں۔ ایک امی تھیں جو میرے پاس آتی تھیں۔ اب وہ بھی کامراں بیس شفٹ ہوگئی ہیں۔ ان تنہائیوں میں میرا واحد غم گسار اور دوست یہ ڈائجسٹ ہے۔

3۔ گزرے سال سے اگر آپ کی مراد پچھلا سال ہے تو اللہ کا شکر ہے کہ اس گزرے سال میں کوئی ایسا زخم یا تکلیف نہیں ملی مگر بیتے کچھ سالوں میں بہت زیادہ تکلیفیں اور زخم ملے ہیں۔ بہت پیارے رشتے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہمیں چھوڑ کر چلے گئے اس تکلیف کا کوئی مداوا ہی نہیں ہے۔

گزرے چند سالوں میں ہمارے خاندان کے بہت سارے لوگ اللہ کو پیارے ہوگئے پہلے دادا پھر دادی پھر جوان خالہ اچانک فوت ہوگئیں ماموں کو راستے میں ڈاکو نے لوٹنے کی کوشش میں گولی ماردی جس سے ماموں موقع پر ہی شہید ہوگئے پھر پھوپھو جو سب سے چھوٹی تھیں، کینسر سے چل بسیں۔ چاچی اور چاچا آگے پیچھے اس دنیا سے رخصت ہوئے اور میرا پیارا بھانجا چینا کا بیٹا مزمل جو ابھی سات سال کا پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ موت کی بے رحم آغوش میں چلا گیا۔

مزمل چینا کا پہلا بیٹا تھا جب وہ دنیا سے گیا تب چینا کی دو بیٹیاں تھیں اب چار بیٹیاں ہیں بہت دعاؤں منتوں مرادوں کے بعد اللہ نے چینا کو ایک اور بیٹا دیا جو ابھی ڈھائی سال کا ہے اس کا نام بھی مزمل ہے۔ آپ سب سے گزارش ہے کہ مزمل کی صحت وعافیت والی لمبی

pklibrary.com

زندگی کی دعا کریں۔ اب میں اس تکلیف کا ذکر کروں جسے میں بھلانا بھی نہیں چاہتی۔

14 جنوری 2021 کی وہ رات جس نے ہمیشہ کے لیے ہماری آنکھوں میں آنسو بھر دیے۔ 14 جنوری کی وہ اذیت ناک رات جب ہم یتیم ہو گئے۔

ابو بالکل ٹھیک تھے۔ ابو مغرب کی نماز پڑھ کر آئے جمعرات کا دن تھا ہزار دانوں والی تسبیح ابو نے پڑھی اس پر جو بھی پڑھا، وہ ابو کو پتا ہوگا یا اللہ کو۔ تسبیح پڑھ کر ابو امی سے باتیں کرنے لگے۔ پانی پینے کے لیے اٹھے تو جھٹکا سا لگا واپس بیٹھ گئے امی نے پانی دیا پانی پی کر پھر جھٹکا لگا۔ بچے کو بھیج کر ڈاکٹر کو بلوایا ڈاکٹر ونود نے ابو کو چیک کیا اور کہا کہ بلڈ پریشر بہت ہائی ہے ان کو ہاسپٹل لے کر جائیں، بھائی آئے ابو کو اٹھا کر گاڑی میں ڈالا۔

رات تقریباً ساڑھے آٹھ کا ٹائم تھا جب امی نے مجھے فون کیا۔ کہنے لگیں ”ابو کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے۔ فراز ابو کو ہاسپٹل لے کر گیا ہے تم دعا کرو!“

میرا رواں رواں دعا بن گیا۔ مگر ساری دعائیں مستجاب نہیں ہوتیں۔ میرے پاس موبائل تو تھا مگر بیلنس نہیں تھا۔ میں جلے پیر کی بلی کی طرح کمرے سے برآمدے تک چکر کاٹتی رہی۔ سخت سردی تھی بچے سو چکے تھے اللہ اللہ کر کے گیارہ بجے زبیر گھر آئے میں نے کھانا ان کے سامنے رکھا اور ان سے موبائل لے کر بھائی کا نمبر ملانے لگی۔

اتنے میں بھابھی کا فون آ گیا وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھیں آپ آ جاؤ گڑیا چینا بھی یہاں نہیں ہیں امی بہت رو رہی ہیں آپ آ جاؤ تو انہیں حوصلہ ملے گا۔

زبیر بھی اٹھ گئے کہنے لگے۔

”تم تیاری کرو میں ماں جی کو بلا کر لاتا ہوں وہ بچوں کے پاس سو جائیں گی۔“

ایک گھر چھوڑ کر ساس کا گھر ہے زبیر ماں جی کو بلا کر لے آئے اور بائیک لینے چلے گئے۔ زبیر کی بائیک میری نند کا بیٹا لے کر جاتا ہے، وہ نائٹ شفٹ میں کام کرتا ہے۔ جب زبیر دوست سے بائیک لینے جا رہے تھے تو راستے میں فون آیا، فراز نے بتایا کہ ابو فوت ہو چکے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

زبیر گھر آئے، میں جانے کے لیے تیار تھی کہنے لگے ایک کپڑوں کا جوڑا بھی ساتھ رکھ لو۔

”میں نے کہا، کپڑوں کیا ضرورت ہے میں صبح واپس آؤں گی، کہنے لگے کپڑے ساتھ رکھ لو۔ کل تمہاری بہنیں بھی آ جائیں گی ایک دو دن رک جانا وہاں۔“

میں الماری سے کپڑے لینے گئی تو زبیر نے ماں جی سے کہا کہ اس کے ابو فوت ہو گئے ہیں مگر ابھی اس کو مت بتانا۔

میں اس بات پر ساری زندگی زبیر کی احسان مند رہوں گی کہ اس وقت یہ جان لیوا خبر مجھے نہیں بتائی تھی۔ رات ساڑھے بارہ بجے ہم امی کے گھر پہنچے وہاں صرف آنسو تھے۔ 14 جنوری کی وہ سرد ترین رات جب گیارہ بج کر پچپن منٹ پر ابو اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ 14 جنوری پھر آنے والی ہے ابو کو ہم سے بچھڑے پورے چار سال ہو جائیں گے۔

سب لوگ بھائی سے کہہ رہے تھے آپ کے ابو کو اللہ نے اتنا اچھا دن دیا ہے۔ آپ جمعہ کی نماز کے بعد تدفین کرا دیں مگر وہ بیٹی جو دور تھی وہ باپ کا دیدار نہ کر پائی۔

فرحت ہاشمی...... گوجرانوالہ

خواب سفر کی دھوپ کے تیشے
خواب ادھوری رات کا دوزخ
خواب خیالوں کا پچھتاوا
خوابوں کی منزل رسوائی
خوابوں کا حاصل تنہائی
اندیشوں کی ریت نا پھانکو
پیاس کی اوٹ سراب نا دیکھو
اتنے مہنگے خواب نا دیکھو
تھک جاؤ گی
پاگل آنکھیں والی لڑکی

1۔ زندگی مہربان بھی ہو تب بھی اتنی مہربان کبھی نہیں ہوتی کہ سب خواب مکمل کر کے آپ کو تحفے میں دان کر جائے۔ سو بھاگتے دوڑتے یہ سال بھی

گزشتہ کئی سالوں کی طرح گزر گیا۔ کہیں سہانی رتوں کی مہربانیاں دیکھیں اور کہیں تلخ موسموں کی سختیاں برداشت کیں اور وقت کی یہی ادا تو بھا جانے والی ہے کہ جیسا بھی ہو گزر ہی جاتا ہے۔

رہے خواب! تو خوابوں کا تعلق شاید عمر کے ادوار سے بھی ہوتا ہے، بچپن کے خواب کچھ اور تھے لڑکپن کے کچھ اور، جوانی کے خواب کچھ الگ ہی۔

سو خواب پورے ہوں نہ ہوں خواب دیکھنے نہیں چھوڑنے چاہئیں۔

2۔ بارہ مہینے، باون ہفتے تین سو پینسٹھ دن اور ان میں ریت کی مانند پھسلتی ہزاروں گھڑیاں۔ وقت کے ریلوے ٹریک پر، زندگی کی گاڑی میں سوار، مختلف ادوار کے اسٹیشنوں پر چڑھتے اترتے کئی چہروں سے شناسائی ہو جاتی ہے، کچھ ہی ساتھ دائمی ہوتے ہیں باقی عارضی تعلقات تو بنتے ٹوٹتے رہتے ہیں۔ پیچھے رہ جانے والے سب منظر وقت کی گرد میں دھندلا جاتے ہیں لیکن کچھ منظر ایسے بھی ہوتے ہیں جو آنکھ میں بینائی کی طرح ٹھہر جاتے ہیں کبھی نہیں دھندلاتے۔

جیسے میرے کالج کے دن۔ ایسا ہی ایک یادگار دن ہے جسے میں اکثر ہی دسمبر میں یاد کر کے مسکراتی ہوں۔

تھرڈ ایر کی بات ہے کالج پہ ہمارا راج چل رہا تھا وہ اس طرح کہ ایف اے، بی اے والوں کے داخلے جا چکے تھے اور ان کو فری کر دیا گیا تھا اور ہم تھرڈ ایر ٹھہرے جو تین میں نہ تیرہ میں۔

وہ دسمبر کا ایک شدید سرد دن تھا کہ اچانک شاید بادلوں کو سردی میں کسی قسم کی کمی محسوس ہوئی اور ان نے اس کو پورا کرنے کی ٹھان لی۔ اب باہر برسات ہو رہی تھی سو سب لڑکیاں کاریڈور سے برسات انجوائے کر رہی تھیں جن کو زیادہ سردی لگ رہی تھی وہ کلاس میں ہی تھیں۔ میں بھی ایک کلاس میں گھس گئی کہ میری فرینڈز آ گئیں۔ بھئی تم ادھر کدھر؟ باہر آؤ بارش میں نہاتیں۔

"اتنی سردی میں؟ یہ پوچھتے ہوئے یقیناً میری آنکھوں کا سائز نارمل نہیں رہا ہوگا۔ (ہاہا)

"ہاں ناں باہر نکل کر تو دیکھو۔ منزہ، حنا، ثنا، راحت سب نہا رہی ہیں۔"

یقین نہ کرنے والی تو بات ہی نہیں تھی۔ پتا تھا کہ ہر الٹا کام کرنا ہمارے گروپ نے خود پر فرض کیا ہوا تھا۔ ——— جو انکار کرے اسے ——— پانی میں پھینک رہی ہیں۔ جہاں بارش کی مہربانی سے اتنا پانی کھڑا ہو چکا تھا کہ گھٹنوں کو چھو رہا تھا۔ میرے انکار پر افلاطونوں نے مجھے بازو سے کھینچنا شروع کیا اور باقی کمک بھی بلا لی۔ میں چیختی رہ گئی۔ واللہ وہ تماشا لگا کہ آتے جاتے سب ہنس رہے تھے۔ آخر مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق میں نے گڑھے سے چند انچ دوری پر ہی بارش کو گلے لگانے کے لیے رضامندی دے دی پھر جیکٹس، سوئیٹرز سب اتار کے بارش میں خوب نہائے۔ لان میں چہل قدمی کرتے ہوئے کارنیٹو کھائی اور کاریڈور سے لڑکیاں ہمیں یوں دیکھ رہی تھیں جیسے ہمارا تعلق کسی اور سیارے سے ہو۔

مجھے تو ابھی تک وہ ہنسی یاد کر کے ہنسی آ جاتی ہے اور حیرانی بھی ہوتی ہے کہ کہاں سے آئی تھی وہ بے فکری، پاگلوں جیسی ہنسی پھر خیال آتا ہے کہ وہ زندگی کا وہ دور تھا جب "نہ کوئی ضرورت تھی نہ کوئی ضروری تھا۔"

کالج کے دنوں کی اتنی خوش گوار یادیں ہیں کہ میں ان پر پورا ناول بھی لکھ سکتی ہوں۔

3۔ خوشیوں کا یہ چلن عام ہے اور بہت مصروف ہے کہ یہ ہمیشہ ساتھ نہیں دیتی۔ میں نے ایک ناول میں ایک جملہ پڑھا تھا۔ غالباً "عمیرہ احمد" کا ناول تھا۔ "تھوڑا سا آسمان"

"کہ میں جب آسمانوں میں اڑ رہی تھی تب تم نے میرے پیروں کے نیچے سے وہ زمین بھی کھینچ ڈالی جس پر قدم جما کر میں کھڑی تھی۔"

آپ سال گزشتہ کی بات کرتی ہیں۔ میرے ساتھ گزرے کئی سالوں سے یہی ہو رہا ہے لیکن وہ کیا ہے ناں کہ "اس طرح کی باتوں پر ہم دل چھوڑا نہیں کرتے۔" سب تکلیفوں پر بھاری ایک ہی غم ہے کہ اب دنیا کی دی تکلیفوں سے چھپنے کے لیے باپ کے کاندھے میسر نہیں جن کی بلندی سے دیکھنے پر یہ دنیا بہت چھوٹی لگتی تھی۔ نہ ہی رونے کے لیے ماں کی گود میسر ہے۔ پر کیا کیجیے کہ یہ بھی نظام قدرت ہے۔

"رہے نام اللہ کا باقی سب فنا۔"

☆☆

pklibrary.com

ریڈیو اور ٹی وی کی فنکارہ

دیا رحمن سے ملاقات

شاہین رشید

''دیا رحمٰن ریڈیو سامعین کے لیے جانا پہچانا نام ہے جبکہ ٹی وی ناظرین کے لیے یہ نیا نام ہے۔

دیا کو ریڈیو سے وابستہ ہوئے پندرہ سال ہو گئے ہیں جبکہ ٹی وی سے وابستہ ہوئے ابھی صرف دو سال ہوئے ہیں اور ناظرین کی ایک بڑی تعداد ان سے واقف ہو گئی ہے۔ مطلب یہ کہ اب ریڈیو محدود لوگ ہی سنتے ہیں اور ٹی وی جو کہ ڈرائینگ روم میڈیم کہلاتا ہے ہر کوئی دیکھتا ہے۔

کچھ عرصہ قبل ان کا ڈرامہ ''میسنی'' اور ''زرد پتوں کا بن'' کافی مقبول ہوئے تو سوچا کہ کچھ باتیں ہو جائیں ان سے۔

''کیسے مزاج ہیں؟''

''الحمدللہ۔''

''ریڈیو پہ تو آپ نے کافی انٹرویو کیے معروف شخصیات کے سوچا کہ کیوں نہ آج آپ کا انٹرویو ہو جائے؟''

''میں نے ہمیشہ لوگوں کے انٹرویوز کیے ہیں تقریباً 1500 سو انٹرویوز تو میرے کریڈٹ میں ہیں لیکن اپنا انٹرویو دینے کا مجھے کوئی تجربہ نہیں ہے لینے کا بہت ہے......

میرا ریڈیو کا کیریئر کافی طویل ہے جبکہ ٹی وی کا کافی چھوٹا ہے اور مجھے خوشی ہے کہ لوگ ٹی وی کے حوالے سے بھی مجھے جاننے اور پہچاننے لگے ہیں۔''

''آپ کی اداکاری میں جو بے ساختہ پن ہے اسی نے لوگوں کو آپ کی طرف متوجہ کیا اور پھر نام بھی یونیک ہے تو نام کا کیا بیک گراؤنڈ ہے؟''

''میرے نام کا بیک گراؤنڈ بڑا دلچسپ ہے۔

میرا اصلی نام ''فہادیہ'' ہے یہ فہد کا مونث ہے اور ''دیا'' میرا نک نیم ہے۔ دیا بہت سوفٹ نام ہے جبکہ فہادیہ کا مطلب ''خون خوار شیرنی'' ہے اور میں تو بچپن سے ہی بہت اگریسو تھی۔ غصہ تیز تھا میرا......

فہادیہ بگڑنے والا نام تھا تو میری دوستیں اور دیگر لوگ مجھے ''دی'' اور ''دیا'' کے نام سے پکارتے ہیں فہادیہ اور دیا دونوں یونیک نام ہیں تو جب میں نے میڈیا میں اپنا براڈ کاسٹنگ کا کیریئر شروع کیا تو ''دیا'' کے نام سے شروع کیا۔ اگر اصلی نام سے بھی شروع کرتی تب بھی جلدی پہچانی جاتی اور ''دیا'' کے نام بھی شروع کیا تو جلدی پہچان بن گئی۔ اور آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ میرے علاوہ کوئی اس فیلڈ میں نہیں ہے۔ ''رحمٰن'' میرے دادا کا نام ہے اور میں اپنے دادا کا نام اپنے نام کے ساتھ لگاتی ہوں۔

دیا کا مطلب ''روشنی'' دینا ہے اور میں نے ہمیشہ یہ کوشش کی میں زندگی میں جو کام کروں اس سے لوگوں کی زندگی میں بہتری آئے۔''

''فیلڈ میں کیسے آئیں ریڈیو کی فیلڈ میں آنے کی کیا وجہ تھی؟''

''براڈ کاسٹنگ کی طرف بالکل اچانک اور حادثاتی طور پر آئی۔ جن دنوں میں نے آنے کا ارادہ کیا ان دنوں کرنے کو کچھ تھا نہیں ''ایف ایم'' کا نیا نیا دور تھا ان دنوں ایک ایف ایم کو براڈ کاسٹر کی ضرورت تھی تو ہم آڈیشن دینے چلے گئے۔ آڈیشن دیا اور اسی وقت سلیکٹ بھی ہو گئی پرائیویٹ ایف ایم تھا اسلام آباد میں ''پاور 99'' کے نام سے اگلے دن مجھے وقت بھی بہت اچھی طرح یاد ہے 24 دسمبر 2006ء جب میں نے پہلی بار نیوز رپورٹ پڑھی اور وہ رپورٹ تھی ''کرسمس'' کے حوالے سے جو کہ

pklibrary.com

24 دسمبر کی شام کو میں نے ریکارڈ کروائی تھی......

یوں یہ سلسلہ چلتا رہا۔ "پاور 99" ایف ایم میں، میں نے تین سال براڈ کاسٹنگ کی۔ اس کے بعد 2009ء، 2010ء میں، میں نے ریڈیو پاکستان اسلام آباد جوائن کیا اور 2023ء تک میں باقاعدہ طور پر ریڈیو سے وابستہ رہی، ریڈیو میں شارٹ ویوز میڈیم ویوز، ایف ایم، ریڈیو پاکستان سے ہر طرح کے پروگرام کیے۔ صداکاری کی میرے کریڈٹ میں تقریباً ساڑھے تین سو ڈرامے ہیں جن میں، میں نے صداکاری کی۔ 2023ء میں ریڈیو کو خیر باد کہا اور ٹی وی کی طرف آ گئی۔ کچھ عرصہ اسلام آباد ٹی وی سے کام کیا ——— پھر جب میں کراچی شفٹ ہوئی تب سے کراچی ٹی وی سے ہی کام کر رہی ہوں مختلف ڈراموں میں۔"

"ڈراموں کے حوالے سے آج کل کیا مصروفیات ہیں انڈر پروڈکشن اور آن ایر؟"

"ابھی کچھ ہی عرصہ پہلے جیو ٹی وی سے ڈرامہ سیریل "گرہیں" ختم ہوا ہے۔ دو پروجیکٹ انڈر پروڈکشن ہیں ایک گرین ٹی وی کا "بہروپیا" اور جیو کے لیے "بہکاوے" چند مہینوں کے بعد آپ انہیں آن ایئر دیکھیں گے۔"

"ریڈیو کی کون سی کشش آپ کو ریڈیو کی طرف لے کر آئی؟"

"میں نے جب 2006ء میں ریڈیو جوائن کیا تو اس وقت ایف ایم کا نیا زمانہ تھا اور نوجوان ریڈیو بہت زیادہ سنتے تھے۔ اردو میری ہمیشہ سے اچھی تھی کیونکہ اخبارات و رسائل بہت پڑھتی تھی۔ فیملی کو میڈیا سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ سب پڑھنے پڑھانے والے لوگ تھے اور ہیں، میں اپنی فیملی میں واحد ہوں جو اس فیلڈ سے ہوں......

ہاں اپنی اردو کے بارے میں آپ کو بتاؤں کہ میری دادی مجھ سے کہا کرتی تھیں کہ مجھے اخبار کی خبریں پڑھ کر سناؤ وہ ہیڈ لائن پڑھ لیتی تھیں اور خلاصہ مجھ

سے پڑھوایا کرتی تھیں اور مجھے خود بھی پڑھنے کا شوق تھا تو اردو اچھی تھی۔ تلفظ بہتر تھا۔ آواز میں کشش تھی اتار چڑھاؤ تھا شاید اسی وجہ سے ریڈیو پہ میرا انتخاب ہو گیا۔

جوائن تو میں نے کر لیا تھا ریڈیو مگر اس کے لیے اتنی سنجیدہ نہیں تھی۔ لیکن جب میں نے ریڈیو پاکستان جوائن کیا اور بہت سے پروگرام کیے۔ کچھ تجربات بھی کیے پروگرامنگ میں، تب مجھے اندازہ ہوا کہ یہ تو بہت سیریس کام ہے ریڈیو پاکستان ایک بہت بڑا نشریاتی ادارہ ہے یہاں بڑے بڑے اور تجربہ کار لوگ کام کرتے ہیں تو جب ریڈیو پاکستان جوائن کیا تو باقاعدہ ٹریننگ بھی شروع ہوئی۔ ہمارے یہاں باقاعدہ کوئی براڈ کاسٹنگ ٹریننگ سینٹر یا ادارہ تو ہے نہیں کہ جو آرٹسٹ کو یا براڈ کاسٹر کو ٹرینڈ کرے۔ تو وہاں پی بی سی اکیڈمی سے شارٹ کورسز کیے وہاں براڈ کاسٹر کو جو لوگ ٹریننگ دیتے ہیں ان میں آغا ناصر صاحب سے مجھے سیکھنے کا موقع ملا۔ وہ ہمارے ٹرینر تھے جب ریڈیو اسٹارٹ کیا تو ڈی جی ریڈیو مرتضیٰ سولنگی تھے وہ خود بھی براڈ کاسٹر تھے بعد میں وہ میرا خیال ہے کہ انفارمیشن منسٹر بھی بنے ان سے میں نے بہت کچھ سیکھا، اعجاز وقار اسٹیشن ڈائریکٹر تھے، راحیلہ

pklibrary.com

تسنیم پروگرام منیجر بہت ہی قابل خاتون بہت ہی محنتی خاتون انہوں نے بہت کچھ سکھایا ہمیں، یہ وہ لوگ تھے کہ جن سے سیکھ سیکھ کر ہم آگے آئے۔ اور اس قابل ہوئے کہ دوسروں کو سکھا سکیں۔

میں آپ کو بتاؤں کہ میں نے براڈ کاسٹنگ کا آغاز تو پاور 99 ایف ایم سے کیا...... جب ریڈیو پاکستان جوائن کیا تو میں نے براڈ کاسٹنگ شروع کی میڈیم ویوز سے اور میڈیم ویوز بالکل الگ چیز ہے اس میں بیک وقت پورا پاکستان آپ کو سن سکتا ہے۔ قومی نشریاتی رابطے کے پروگرام ہوتے تھے اور تب مجھے جو فیڈ بیک ملا وہ صرف شہر کے لوگوں کا نہیں تھا بلکہ دور دراز کے گاؤں اور دیہاتوں کے رہنے والوں کا بھی ملا...... یہ فیڈ بیک میرے لیے بہت ہی دلچسپ اور حیران کن تھا کہ آپ ریڈیو کے مائیک کے سامنے بیٹھے ہیں اور آپ کی آواز پورا پاکستان سن رہا ہے۔

اس کے علاوہ میں نے "شارٹ ویو" کی نشریات بھی کیں۔ جو ریڈیو پاکستان یورپ، یوکے اور مڈل ایسٹ کے لیے کرتا ہے اور ابھی بھی ایسا ہی ہے تو شارٹ ویوز کے ذریعے" اوورسیز پاکستانیوں سے بھی بات کرنے کا موقع ملا۔ ریڈیو پاکستان کا ہی "ایف ایم دھنک 94" وہ میں نے کچھ عرصہ کیا وہ میوزک ایف ایم تھا تو جناب میں نے ریڈیو پاکستان کے ہی زیادہ تر اسٹیشنز کے لیے کام کیا تو مسلسل تیرہ سال ریڈیو کے مختلف یونٹس کے لیے میں نے کام کیا ...... آپ کو یہ بھی بتاتی چلوں کہ 2023ء میں مجھے چودہ اگست کے موقع پر ریڈیو پاکستان کی طرف سے لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ بھی ملا ہے جو کہ میرے لیے ایک اعزاز کی بات ہے کہ مجھے ینگ ایج میں یہ ایوارڈ ملا ہے۔

مجھے یاد آ رہا ہے کہ جب میں ریڈیو پروگرام کرتی تھی تو 2011ء۔2012ء میں ٹی وی پر اینکر بھی رہی ہوں خیبر ٹی وی کے ایک چینل "K2" جو کہ نیا نیا لاونچ ہوا تھا وہ لائیو پروگرام کرتے تھے تو اس پر اینکر تھی جو پروگرام میں کرتی تھی اس کا نام "بیتے دنوں کی یادیں" تھا پاکستانی پرانے گانوں کی ریسرچ بیس پروگرام تھا۔

ہفتے میں تین دن میں یہ پروگرام کرتی تھی اور لوگ بہت شوق سے یہ پروگرام دیکھتے تھے۔ ریڈیو پہ بھی لائیو پروگرام کرتی تھی بڑا اچھا لگتا تھا لائیو پروگرام کرنا۔ فیڈ بیک فوراً مل جاتا تھا، اس طرح ٹی وی پہ پروگرام کیے تو اس کا بھی بڑا اچھا رسپانس آیا اور ٹی وی ڈراموں کی طرف بالکل بھی رجحان نہیں تھا جبکہ ریڈیو کے بہت ڈرامے کیے۔

کووڈ کا زمانہ تھا تو میرے ساتھ ریڈیو براڈ کاسٹر بہت ہی سینئر، بہت ہی مصروف اداکار انجم حبیبی وہ ہمارے ساتھ ریڈیو ڈرامہ کرتے تھے وہ ہمارے بہت اچھے دوست بھی ہیں وہ ایک ڈرامہ کر رہے تھے "جیو ٹی وی کا" اور ڈرامے کا نام تھا "بے ادب" شوٹ شروع ہو گیا۔ شہزاد کاشمیری اس کے ڈائریکٹر تھے۔ انجم صاحب کے ساتھ جو خاتون کام کر رہی تھیں انہوں نے شوٹ سے پہلے منع کر دیا کہ میں کام نہیں کر رہی۔ کووڈ تھا سب ڈرتے تھے ایک ساتھ کام کرنے سے......

انجم حبیبی صاحب کا مجھے فون آیا کہ......

"دیا، یہ کریکٹر ہے میں پھنسا ہوا ہوں ڈیٹ دی ہوئی ہے اور سب چیزیں ریڈی ہیں تو یہ کردار تم کر لو......" تو میں نے کہا کہ "ٹھیک ہے میں آڈیشن دے دیتی ہوں پھر ڈائریکٹر کو جو سمجھ میں آئے کریں گے۔ میں گئی آڈیشن دیا انہوں نے کہا ٹھیک ہے آپ کل شوٹ پر آ جائیں اور ماں کا رول ہے۔ آپ کی بیٹی کا رول ہاجرہ یامین کریں گی۔ ہاجرہ کے ساتھ میں میزبانی کر چکی تھی تو میں نے سوچا کہ دونوں ایسے لوگ ہیں جن کو میں جانتی ہوں اور تین چار دن کا کام ہے جلدی جلدی ہو جائے گا اور مجھے بھی پریشانی نہیں ہوگی۔ تو جناب ہامی بھرنے کے بعد پہلی بار پتا چلا کہ صبح دس بجے ٹی وی کی گاڑی آپ کو پک کرے گی اور رات کے دس بجے ڈراپ ...... مجھے بڑا عجیب سا لگا

pklibrary.com

کہ اتنا لمبا اور کنگ ٹائم دوں۔

خیر تین دن کا کام تھا ہوا اور ختم ہو گیا۔ آن ایئر بھی ہو گیا۔ لوگوں کو پسند بھی آ گیا۔ بات آئی گئی ہو گئی اس کے بعد میں نے ٹی وی کے لیے کام نہیں کیا۔ آفرز بھی آئیں تو میں نے انکار کر دیا کہ بہت لمبا ٹائم ہوتا ہے اور میں اتنا لمبا ٹائم نہیں نکال سکتی۔ میرے لیے ریڈیو بہترین ہے۔ لیکن انجم جیبی مجھے مسلسل کہتے رہے کہ مجھے ٹی وی میں کام کرنا چاہیے۔ قوی صاحب جنہیں میں استادوں میں شمار کرتی ہوں تو ان کا بھی اصرار تھا کہ میں ٹی وی میں کام کروں ......تو ایک سیریل تھا جو اسلام آباد میں شوٹ ہو رہا تھا ''میری شہزادی'' ہم ٹی وی کا......تو جب میرے بارے میں ڈسکشن ہوا تو انجم صاحب نے کہا کہ وہ ٹی وی نہیں کرتی۔ تو قوی صاحب نے کہا کہ بلاؤ اسے ......تو جب میں ان سے ملنے گئی تو انہوں نے مجھے ایک لمبا لیکچر دیا اور سمجھایا کہ ٹی وی کے لیے ضرور کام کرو پھر انہوں نے مجھ سے ایک وعدہ لیا کہ جب بھی ٹی وی والے بلائیں تم نے انکار نہیں کرنا......

میں نے وعدہ کیا، ان کے ساتھ کام کرنے کی خواہش خواہش ہی رہی کہ کچھ ہی عرصے کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ تو یہ دو لوگ تھے کہ جنہوں نے مجھے ٹی وی پہ کام کرنے کے لیے اکسایا۔ پھر مجھے ہم ٹی وی کے لیے ''میسنی'' آفر ہوا اس سے پہلے ''رفتہ رفتہ'' کیا جو کہ بعد میں ریلیز ہوا۔ 2023ء میں ''میسنی'' آن ایئر ہوا اور اس کے بعد تو چل سو چل آفرز شروع ہو گئیں۔''

''اب اپنی شہرت دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ میں دیر سے کیوں آئی ٹی وی پر؟''

''نہیں مجھے اس بات کا بالکل افسوس نہیں۔ میں بہت پہلے آ جاتی تو زیادہ کامیاب نہ ہوتی یا جلدی چھوڑ دیتی فیلڈ کو......تو ــــ میرے لیے یہی وقت تھا اور میں اس دوران سیکھ کر آئی پڑھ کر آئی اور اب میں بہتر طریقے سے پرفارم کر سکتی ہوں، ٹی وی کا

میڈیا بظاہر بہت آسان میڈیم لگتا ہے مگر پرفارم کرنے میں بہت مشکل ہے۔ کردار کو سمجھنا اس کی گہرائی کو سمجھنا، پرفارم کیسے کرنا ہے ...... اور میری کوشش ہوتی ہے کہ میں اسکرین پر اپنی عام زندگی سے الگ نظر آؤں ...... آپ کے سوال کے مطابق میرا عام لہجہ اور ڈراموں میں بولنے کا لہجہ مختلف ہوتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ میں نے جو کچھ سیکھا ریڈیو سے سیکھا ہے۔ تقریباً ساڑھے تین سو کے قریب میں نے ڈرامہ سیریز کیے، ایک پروگرام ہے ''بات سے بات'' طاہر صدیقی صاحب اس کے رائٹر ہیں یہ ایک کافی طویل سلسلہ ہے جو کہ 2015ء سے شروع ہوا تھا اور ابھی تک چل رہا ہے میں نے اس کی کافی سیریز کی ہیں...... ریڈیو آپ کو بہت کچھ سکھاتا ہے اگر آپ میں سیکھنے کی چاہ ہو تو۔ بات دو آتشہ ہو جاتی ہے۔ بنیادی باتیں ریڈیو سے سیکھیں ٹی وی کا طریقہ کار ذرا مختلف سا ہے مگر مشکل نہیں ہوئی......

ڈرامہ کے بارے میں، میں یہ کہوں گی کہ اب ڈرامہ اسی کی دہائی کا یا نوے کی دہائی کا ڈرامہ نہیں ہے جو ہم پی ٹی وی میں دیکھا کرتے تھے وہ تیرہ اقساط

pklibrary.com

کا ڈرامہ ہوتا تھا روزانہ کا ایک ڈرامہ اور ہفتے کے ساتھ ڈرامے ہوتے تھے اور ایک ٹی وی چینل ہوتا تھا۔ اب چینل زیادہ ہیں اور ڈراموں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے تو پروڈکشن کاسٹ اور ڈائریکشن کاسٹ زیادہ ہوگئی ہے۔ اب ڈرامہ ایک طرح سے بزنس بن گیا ہے تو بزنس میں نفع ونقصان کا بہت خیال رکھا جاتا ہے۔ چونکہ ڈراموں کی تعداد زیادہ ہوگئی ہے تو کوالٹی ورک تھوڑا کم ہوگیا ہے...... میرے خیال میں تو ہر ڈرامے سے کچھ نہ کچھ سیکھنے کو بھی ملتا ہے۔ خاص طور پر خواتین کو۔ جس طرح وہ ڈائجسٹ کی کہانیاں پڑھ کر خود سے ریلیٹ کرتی ہیں اسی طرح ڈراموں سے بھی اپنے آپ کو ریلیٹ کرتی ہیں۔ اور بہت سی چیزوں سے آگاہی بھی ہوتی ہے۔"

"اب تک کتنے ڈرامے کر چکی ہیں؟"

"ڈرامہ سیریل میسنی سے میں نے شروعات کی تھی۔ اس کے بعد "رفتہ رفتہ۔ محبت گمشدہ میری۔ جھوک سرکار۔ سلطنت، ام عائشہ" یہ رمضان سیریل تھا جیو کا۔ "قرض جان۔ دل پہ دستک" کیا ہے۔ قرض جان آن ایر ہے اور عنقریب "کٹ پتلی" آن ایر ہونے والا ہے۔ ٹیلی فلمز بھی کی ہیں۔ دو سال میں میں نے تقریباً پندرہ سیریلز کیے ہیں۔"

"چلیں اب کچھ نجی سوال ہو جائیں۔ کچھ اپنے بارے میں تفصیل بتائیں۔ اپنا فیملی بیک گراؤنڈ بھی؟"

"ہمارا تعلق راولپنڈی سے ہے اور میرے دادا امرتسر سے مائیگریٹ کر کے راولپنڈی آئے اور 1947ء سے قیام پذیر ہیں راولپنڈی کرتار پورہ میں..... ہم تین بہنیں اور ایک بھائی ہیں۔ مادری زبان پنجابی ہے ساری فیملی کا پڑھائی لکھائی سے تعلق ہے میرے دادا اور نانا دونوں تدریس کے شعبے سے وابستہ تھے اور اس شعبے سے ریٹائر بھی ہوئے۔ بڑے تایا نے "سی ایس ایس" کیا تھا۔ میں نے حال ہی میں ایم فل کے پیپر دیئے ہیں اور اب "پی ایچ ڈی" کرنے کا ارادہ ہے کمیونیکیشن میں، ان شاء اللہ کروں گی۔ بس چھوٹی سی فیملی ہے اور سب اپنی اپنی زندگی میں خوش وخرم ہیں۔ والدین حیات نہیں ہیں میں جب سے کراچی آئی ہوں۔ راولپنڈی کرتار پورہ کو بہت مس کرتی ہوں۔ بچپن میں، میں بہت لڑاکا اور بہت غصیلی تھی مگر وقت نے جہاں اور بہت کچھ سکھایا وہاں تحمل سے رہنا بھی سکھایا لہٰذا اب مزاج میں غصہ بہت کم ہے۔ فضول خرچ بہت ہوں، یوں سمجھ لیں کہ میں حاتم طائی ہوں میرے ہاتھوں میں سوراخ ہیں پیسے خرچ ہو جاتے ہیں۔ ارد گرد کے لوگوں کی ضرورتوں کا مجھے بہت خیال رہتا ہے میں ایک بہت اچھی راز دار ہوں۔ کسی نے اگر مجھے کوئی بات بتائی ہے تو مجھ سے آگے نہیں جائے گی۔ مجھے گوسپ کرنے کا بالکل شوق نہیں ہے۔ سیاحت کا مجھے بالکل شوق نہیں ہے کام کے سلسلے میں ہی گھر سے باہر جاتی ہوں۔ پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ ہر ایک کو دوست نہیں بناتی...... سیاست سے بہت دلچسپی ہے میں نے خود بھی حصہ لیا ہے کام بھی کیا۔ اس کے بارے میں ان شاء اللہ کسی اور انٹرویو میں بتاؤں گی۔ سگھڑ ہوں میری دادی اور میری پھوپھو نے مجھے بہت کچھ سکھایا ہے آتا سب کچھ ہے مگر کرتی کچھ نہیں ہوں۔ کیونکہ کبھی کرنے کا موقع نہیں ملا کہ زندگی

pklibrary.com

اتنی مصروف رہتی ہے۔ عرصہ ہوا کبھی کھانا نہیں بنایا۔ چائے کافی کبھی اپنے لیے بنا لیتی ہوں مگر کھانا پکائے ہوئے سالوں گزر گئے ہیں۔

میری سائیکالوجی یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ ساری خواتین ہر وقت کچن میں کھانا پکاتی رہیں اور بہت سے لوگ ہیں، آپ کے اردگرد جو آپ کے لیے کھانا پکا سکتے ہیں بس پیسے ہونے چاہئیں خریدنے کے لیے۔ میری یہ باتیں بہت سے لوگوں کو عجیب لگیں گی۔ مگر میری سوچ یہ ہے کہ کھانا زندگی نہیں ہے، کھانا اتنا کھانا چاہیے جس سے آپ زندہ رہ سکیں۔

باہر کھانا کھانے کا اور گھومنے پھرنے کا بالکل بھی شوق نہیں ہے۔ گھر میں جو روٹی سالن بنتا ہے کھا لیتی ہوں۔ سبزیاں مجھے بہت پسند ہیں۔ اسپورٹس سے لگاؤ ہے۔ اسکول کالج میں باقاعدہ کھیلوں میں حصہ لیتی تھی۔ ہماری اسپورٹس کی ٹیچر گل فرین فزیکل ہیلتھ کی ٹیچر تھیں، ان کے انڈر انٹر کالجیٹ کھیلوں میں حصہ لیا۔ پنجاب لیول پہ بھی حصہ لیا۔ اور اب کھیلوں میں تو حصہ نہیں لیتی لیکن شام کے وقت اگر شوٹ نہیں ہے تو "واک" ضرور کرتی ہوں ایک گھنٹہ......"

"اور اس کے ساتھ ہی ہم نے دیا سے اجازت چاہی شکریہ کے ساتھ تو دیا نے کہا؟"

"شکریہ آپ کا کہ آپ نے ہمیں موقع دیا ہمارا انٹرویو کیا، ورنہ ہم تو صرف ڈائجسٹ پڑھا کرتے تھے اور میں ایک دن میں ایک ڈائجسٹ پڑھا کرتی تھی اور خط بھی لکھا کرتی تھی اور حیرت کی بات ہے کہ "شعاع" میں میرے خط چھپ بھی جاتے تھے۔ اور بڑی خوشی ہوتی تھی کہ ہمارا خط چھپ گیا ہے اور اب انٹرویو چھپے گا تو اور بھی زیادہ خوشی ہوگی۔ میں بہت فخر محسوس کر رہی کہ میں نے زندگی میں ایسا کچھ کیا ہے کہ میرا انٹرویو شائع ہو رہا ہے۔ بہت شکریہ آپ کا۔"

☆☆

الف لیلہ
ہزار داستانیں

دلچسپ اور خوبصورت داستانیں جنھیں پڑھ کر
بچے ہیری پوٹر کو بھول جائیں گے، ایسی داستانیں
جنھیں بڑے بھی پڑھ کر لطف اندوز ہونگے

کتاب بذریعہ رجسٹری منگوائیں
300/ روپے کا ڈسکاؤنٹ حاصل کریں

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 ...زار، کراچی۔ فون: 32216361

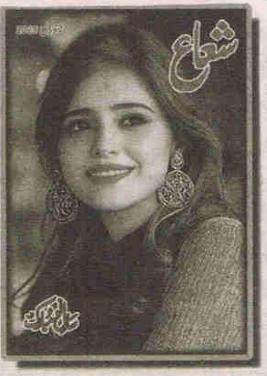

آپ کے خط

خط بھجوانے کے لیے پتا۔
ماہنامہ شعاع۔ 37۔ اردو بازار کراچی۔
Email:shuaa@khawateendigest.com

عارفہ فضل شاہ لکھتی ہیں

شازیہ جمال طارق کے نام

گاؤں میں سردی اپنے عروج پہ ہے۔ سرشام ہی کچن سے فارغ ہو کر اپنے کمرے کی راہ لیتی ہوں۔ آج نہ جانے کیا جی میں سمائی کہ مغرب کی نماز کے بعد کچن میں بیٹھ کر ہی شعاع کھول لیا۔

اداریہ پڑھا تو کئی بار پڑھا۔ حرف حرف سطر سطر لیکن یقین ہی نہیں آ رہا کہ شازیہ جمال طارق اس جہان فانی سے رخصت ہو چکی ہیں۔ زندگی کی بے ثباتی پہ از حد رونا آیا۔

شازیہ کی تحریریں ضرور پڑھی ہوں گی لیکن اس وقت ذہن ایسا سن ہو رہا ہے کہ کچھ یاد نہیں آ رہا البتہ ان کے انٹرویو کے کئی جملے کانوں میں ایسے گونج رہے ہیں گویا سامنے بیٹھ کر بات کی ہو۔ ہاتھ خالی ہیں شازیہ کیونکہ تمہارے سنہری ہاتھ جو سونے جیسے الفاظ لکھتے تھے مٹی کے نیچے جا چکے ہیں۔

شاید زندگی میں پہلی دفعہ شعاع کا اداریہ پڑھ کر پرچا بند کر دیا ورنہ جب تک ورق گردانی نہ کرلوں نہیں رکھتی تھی۔ آج دل خاموش ہے پیاری شازیہ! کیونکہ تم شہر خموشاں کی باسی بن چکی ہو۔ تمہارے کاغذ قلم اور قارئین تمہیں بہت یاد کریں گے۔ بھیگی جنوری کی شام ہے اور لکھتے ہوئے آنکھیں بھیگ رہی ہیں۔ میرا تم سے کوئی خونی رشتہ نہیں تھا پیاری! لیکن احساس کا رشتہ ہے۔ محبت کا ہے۔ قدر روانی کا ہے۔ رائٹر اور قاری کا ہے رائٹر سے رائٹر کا ہے کہ میرا تعلق بھی مصنفین کے قبیلے سے ہے۔ اس قبیلے سے جس کا ایک اور جگمگاتا ستارہ خاک کی چادر اوڑھ چکا ہے۔ ہاتھ خالی ہیں شازیہ! کاش۔ کاش تم پہ پھول نچھاور کر سکتی کہ آتی بہار تمہارے بغیر گزرے گی۔ تمہارے خوب صورت الفاظ کھو چکے۔ آہ ...... کیا لکھوں میری شہزادی میری ہمت تمام شد۔

اللہ کریم سے دعا ہے کہ تمہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب ہو آمین۔

ج: پیاری عارفہ! شازیہ جمال طارق ہمیں بھی بہت عزیز تھیں۔ ان کی صاف ستھری موتیوں کی طرح لکھائی۔ ان کا سلجھا ہوا لکھنے کا انداز، مسودے کو پڑھنے میں ذرا بھی دشواری ہوئی نہ ہی کبھی ایڈٹ کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ افسوس کہ شادی کے بعد انہوں نے کافی عرصہ گیپ دیا۔ اس دوران ان سے رابطہ نہ ہو سکا۔ اب دوبارہ لکھنا شروع کیا تھا۔ اجل نے مہلت نہ دی۔ ان کی اس طرح اچانک وفات ہمارے قارئین کے لیے ہی نہیں ہمارے لیے بھی بہت بڑا صدمہ ہے۔

فرحانہ ناز ملک کے شوہر اب شازیہ کی بہن نازیہ جمال کے شوہر ہیں۔

صادق آباد سے حمیرا شفیع شریک محفل ہیں

اس بار کا شعاع جلدی مل گیا تھا تو تمام کاموں کو پس پشت ڈال کر دو تین دن میں پڑھ بھی لیا اور پھر چھت پر بیٹھ کر مزے سے سرما کی نرم گرم دھوپ سینکتے ہوئے تبصرہ لکھنا شروع کیا۔

تو سب سے پہلے نئے سال کی مبارک باد قبول فرمائیے۔ اللہ کرے کہ یہ سال ہم سب کے لیے خوشیوں اور امن و آشتی کا پیام لے کر آئے۔ (آمین)

اس بار کا شعاع شازیہ جمال طارق کی وفات کی

pklibrary.com

دل خراش خبر لے کر آیا۔ بڑی ہی پیاری مصنفہ تھیں۔ کتنی جلدی چلی گئیں۔ اللہ مرحومہ کے درجات بلند کرے۔ آمین۔

اس کے ساتھ ہی راحت آپی کے میاں کی وفات کی خبر بھی لگی تھی۔ اللہ تعالیٰ راحت آپی، ان کے بچوں اور دیگر اہل خانہ کو بھی صبر جمیل سے نوازے۔ (آمین)

اب آتی ہوں ڈائجسٹ کی طرف۔

''اترا نئے سال کا سورج'' ادارے کی جانب سے سوالات بھرپور معنویت لیے ہوئے تھے۔ بہنوں نے جوابات کے ذریعے انصاف بھی خوب کیا۔ سب ہی نے دلچسپ جوابات تحریر کیے۔ ناہید اقبال نے جرات کی اعلیٰ مثال قائم کرتے ہوئے اپنی ڈیٹ آف برتھ تک لکھ ڈالی ۔شاباش ناہید

''خط آپ کے'' میں بھی خوب رونق لگی تھی۔

میں حیران ہوں کہ بہنیں کتنی باریک بینی سے ٹائٹل کا بھی مشاہدہ کرتی ہیں۔ ماڈل کی جیولری، میک اپ، ڈریس اور کان کے جھمکے تک کہ سیدھا ہے یا ٹیڑھا سب ہی کچھ نوٹ کیا جاتا ہے۔ یہ تو ڈائجسٹ سے ان کی محبت اور انسیت ہے۔ چٹ پٹے، دل چسپ تبصرے پڑھ کر بھی خوب ہی مزا آتا ہے۔

آج کل ریحانہ چوہدری صاحبہ (مدوکے) کہاں غائب ہیں؟ ان سے التماس ہے کہ جلدی تشریف لائیں اور مجھے السی کی پنیوں کی آسان ترین ریسپی بتائیں۔

''تم جنوری جیسی ہو'' نازنین فردوس کا افسانہ بازی لے گیا۔ لبنیٰ آصف، دعا ایوب، جویریہ اور قرۃ العین آپی نے بھی اچھا لکھا۔ یہ جو بہنیں صرف ایک نام سے لکھ رہی ہیں جیسے پچھلی بار صدف اور اب امبر تو ان سے گزارش ہے کہ اپنا پورا نام لکھیں۔

''کچھ بھی نہ کہا'' سمیرا آپی کا ناولٹ...... کہانی سے زیادہ لفظوں اور جملوں کی خوب صورتی نے سحر سا طاری کیے رکھا۔

''سلسلے دل کے'' عائشہ نصیر کا ناول آخر تک دلچسپی اور سسپنس برقرار رہا۔ اباجی کا کردار بھرپور رہا۔ ولن سے ہیرو بن گئے۔

''پرنس چارمنگ'' فلک تنویر نے بھی بہت خوب صورت لکھا۔

تاریخ کے جھروکوں سے امثل آپی نے جو حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ان کی بچیوں والا واقعہ تحریر کیا ہے اسے پڑھ کر دل خون کے آنسو رو پڑا (سبحان اللہ) ہم کتنے ناشکرے ہیں۔

واصفہ آپی اس ٹھنڈے ٹھار موسم میں گرما گرم سوپ کی ریسپی لائیں، مجھے بڑی پسند آئیں۔ اس طرح کی جھٹ پٹ تیار ہونے والی سادہ اور آسان ریسپی مجھے بڑی بھاتی ہے۔

آپی میری ایک دوست ماہر غذائیات ہے۔ اس نے سردیوں کے حوالے سے کچھ ٹپس بتائی ہیں۔ آپ کے ساتھ شیئر کرنا چاہوں گی۔

نیم گرم پانی پئیں۔ یہ نہ صرف پیٹ کی چربی کو پگھلاتا ہے بلکہ نظام انہضام کی کارکردگی کو بھی بہتر کرتا ہے۔

☆ اپنی ڈیٹ آنے سے دو چار دن پہلے ہی اور اس کے دوران بھی اگر گرم پانی سے ناف اور پیٹ کے نچلے حصے کی سنکائی کی جائے تو مخصوص ایام میں ہونے والے درد سے افاقہ ہوتا ہے۔

☆ ادرک اور تلسی کے خشک پتے ڈال کر جوش دیئے گئے پانی سے اگر چائے بنا کر پی جائے تو خشک کھانسی سے نجات حاصل ہوتی ہے۔

ج: پیاری حمیرا! بہت شکریہ کہ آپ نے ہماری محفل کو رونق بخشی۔ بہت اچھا تبصرہ کیا ہے آپ نے پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ آپ کی ٹپس قارئین تک پہنچا رہے ہیں۔

انیسہ عائش نے کوٹ رادھا کشن قصور سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

جنوری کا شعاع ملا۔ سرورق کچھ خاص نہیں لگا۔ ''شعاع'' کھولا تو پہلے صفحے پر ہی خبر غم پڑھنے کو ملی۔ دعائے خیر کرتے آگے بڑھے۔ جب تجھ سے ناتا جوڑا میں رضوانہ وقاص کی والدہ کا احوال بغور پڑھا۔

افسانہ ''تم جنوری جیسی ہو'' اچھا رہا۔ ''کچھ بھی نہ کہا'' اچھا ناولٹ تھا اسے پڑھ کر ہماری سوئی ہوئی کتاب دوستی

pklibrary.com

جاگ اٹھی۔ "سوچ بدلو" سبق آموز تھا۔ "ماء الملوک" میں ظفریاب اور صبوحی کی کہانی تو کھل کر سامنے آگئی ہے مگر یہ کیا زل کے ساتھ کیا ہونے والا ہے وہ ابھی بھی پس پردہ ہی ہے۔ "برکت" افسانہ تاسف میں مبتلا کر گیا۔ "دوسروں کی ٹوہ میں" پڑھ کر دکھ وافسوس کی ملی جلی کیفیت محسوس کی۔ "آدھی قربت" تجسس آمیز رہا مگر آخر میں وجہ جان کر ہنسی آئی۔ تو یہ بات ارم اس کو پہلے ہی بتا دیتی نا! "پرنس چارمنگ" میں جہاں حقیقت سے قریب تر کو دکھایا گیا وہاں ہی دوسرے حصے میں انسان کا خوب صورت رخ دیکھنے کو ملا۔ واقعی چارمنگ سا ناول تھا۔ (مزاح)۔ آخر میں ذکر کروں گی عائشہ نصیر کے ناول "سلسلے دل کے" کو پڑھ کر ہماری حسرت پوری ہوئی جو مزاح پڑھنے کے لیے ہمہ وقت بیدار رہتی ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ ہر شمارے میں مزاح کی کمی پوری کرنے کے لیے کوئی ناول، ناولٹ یا کم از کم افسانہ ضرور شامل کیا کریں۔

ج: پیاری انیسہ! خوب صورت تبصرے کے لیے شکریہ۔ مزاح کی کمی تو ہمیں بھی محسوس ہوتی ہے۔ کچھ دیر کے لیے ہنس لیں۔ مسکرالیں اس سے بڑھ کر کیا بات ہوسکتی ہے۔

رضوانہ وقاص نے کرلالی ہری پور سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

ہنستی مسکراتی ماڈل۔ منہ پر اتنا فیس پاؤڈر لگایا ہوا تھا۔

اللہ سے یہی دعا کرتی ہوں کہ اللہ کرے ہمارے لیے نیا سال اچھا ہی ہو۔ میرے شاہ زیب بھائی نے اتنے ٹیسٹ دیے لیکن کہیں سے کوئی جواب نہیں آرہا اللہ کرے یہ سال میرے بھائی کے لیے اچھا ہو جائے اسے نوکری مل جائے (آمین) لیکن خوشی کی یہ بات ہوئی ہے کہ کزن محفوظ کو پولیس کی نوکری مل گئی بہت محنت کے بعد یہ بہت خوشی ہوئی۔

شازیہ جمال کے لیے دعا۔ اللہ پاک مغفرت فرمائیں۔ آمین بہت دل غمگین ہوا ہے۔ راحت جبیں کے لیے دل دکھا ان کے شریک حیات وفات پاگئے اللہ پاک ان کو صبر دیں۔ "حمد ونعت" پڑھی "پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں" بہت ہی پیاری ہوتی ہیں۔ پڑھتی بھی ہوں اور بچوں اور ابو کو بھی پڑھ کر سناتی ہوں اور بچوں کو عمل کرنے کا بولتی ہوں۔ "ناتا جوڑا ہے" میں جب میں نے دیکھا امی کا سلسلہ آگیا ہے خود بھی بہت خوش ہوئی، امی بھی خوش ہوئیں کہ اتنی جلدی آگیا شکریہ جی امی خوش ہو گئیں۔ میرے لیے یہی بہت ہو گیا۔ زیب نے پڑھا۔ اب سعد کا کراچی سے فون آیا تو بتاؤں گی کہ رسالہ خرید کر پڑھے۔

بھائی کی شادی کا احوال آپ نے بولا تھا جنوری میں آئے گا لیکن نہیں آیا کیوں جی۔ اتنی بے صبری سے انتظار کر رہی ہوں۔ بھائی کہے گا باجی نے لکھا ہی نہیں ویسے ہی کہہ رہی ہے۔ اترا نئے سال کا سورج صدف ناصر۔ ناہید اقبال میرے لیے دعا کرتی رہا کریں اللہ جی کسی کی تو سنے گا۔ میں بھی ملیر آئی ہوئی ہوں۔ میری خالہ کی شادی ہوئی تھی۔ سلمیٰ مسرت آپ کتنی اچھی ساس ہیں اللہ کرے ہر ساس آپ جیسی ہو تعاون کرنے والی۔ میری امی بھی بہت اچھی ساس ہیں اپنی دونوں بہوؤں کا خیال رکھتی ہیں۔ لیکن ان دنوں خود بیمار رہنے لگی ہیں۔ میرا ان کے لیے دل دکھتا ہے۔ اللہ سے ہر ٹائم دعا کرتی رہتی ہوں اللہ جی میری امی کو ٹھیک کردیں۔ آمین، مجھے امی کے بغیر کون سنبھالے گا میں تو خود نہ اٹھ سکتی ہوں نہ بیٹھ سکتی ہوں۔ اللہ پاک مدد فرمائیں (آمین) نمرہ سیف شکریہ دعا کے لیے۔ نازنین فردوس کا "تم جنوری جیسی ہو" اچھا لگا۔ لبنیٰ آصف بہت اچھا لکھتی ہیں۔ کیا بات ہے۔ اگر بڑا ہمیں کوئی بات کر رہا ہے تو ہمارے بھلے کے لیے ہی کر رہا ہوگا۔ لیکن "ماء الملوک" میں سمیرا اور آزین سوتیلے بہن بھائی ہوئے۔ "برکت" دعا ایوب نے لکھا ہے۔ بزرگ ہمارے گھر میں برکت ہوتے ہیں۔ ان کی خدمت کر کے دعائیں لینی چاہئیں اور تھوڑا سا ٹائم نکال کر ان کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنی چاہئیں وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ واہ امبر بہت ہی اچھا لکھا آپ نے دوسروں کی ٹوہ میں رہنے والی سدرہ کے ساتھ اچھا نہیں کیا اس کی دوست سعدیہ نے۔ جتنا پڑھا اس پر تبصرہ کر دیا ہے۔ کیونکہ آج صبح سے بارش ہوئی ہے۔ ساتھ میں برف باری مجھے تو ویسے بھی اتنی

سردی لگتی ہے۔ لیکن آج تو بہت ہی زیادہ لگ رہی ہے اور انگلیاں بھی کام کرنا چھوڑ دیتی ہیں۔ سردی میں لیکن خط پھر بھی لکھ رہی ہوں کہ لیٹ نہ ہو جائے۔ اب عصر کی اذانیں شروع ہو گئی ہیں۔ اور تھک گئی ہوں۔ سب دوستیں بہنیں میرے لیے دعا کرتی رہنا ہے شکریہ۔ اللہ حافظ زندگی رہی تو پھر ملیں گے ان شاء اللہ......

ج: پیاری رضوانہ! آپ نے اپنے خط میں بہن زرینہ خانم سلمٰی مسرت، بہن تسنیم کوثر کو مبارک باد دی ہے صدف ناصر کو ان کے خواب پر مبارک باد دی ہے ام ہما، صدف ناصر، فرخندہ سلیم اور عدینہ ناصر کا شکریہ ادا کیا ہے۔ ہم ان تک آپ کا پیغام پہنچا رہے ہیں۔ بہت اچھا لگتا ہے کہ محفل میں دوسری بہنوں کی خوشیوں اور غم میں شریک ہوں لیکن فرداً فرداً مبارک باد اور شکریہ کا سلسلہ شروع کیا تو جواباً یہ بہنیں بھی شکریہ، مبارک بادی کے پیغام بھیجیں گی اس طرح تحریروں پر تبصرے کو کہاں جگہ ملے گی جبکہ صفحات محدود ہوتے ہیں۔ البتہ کوئی بیمار ہو، یا کوئی بہت خاص بات ہو تو الگ بات ہے۔

شعاع کی محفل میں شرکت کے لیے ممنون ہیں۔ رضوانہ بہنیں خطوں میں آپ کا نمبر مانگتی ہیں۔ آپ اجازت دیں تو دے دیں۔

فرخندہ سلیم ملتان سے شریک محفل ہیں لکھا ہے

(کافی عرصے سے شعاع خواتین کے سرورق پر کوئی ساڑھی پہنی ماڈل نہیں آئی تو لگا دیں جس میں ماڈل نے ساڑھی پہنی ہو ماڈل نے بھی سرورق پر غرارے، شرارے، رانی ہار پہنی ماڈل بھی کبھی کبھی لگا ہی دیا کریں۔ ایک بات کہوں مجھے بہاری زبان بہت اچھی لگتی ہے آپ کو ہنسی آئے گی مگر سچ ہے۔ اگلا خط بہاری زبان میں لکھوں؟)

اب تبصرہ کروں تو ......سال نو شعاع کا سرورق پیارا نفیس سا ہے۔ اداریہ میں شازیہ جمال اور راحت کے شریک حیات کا پڑھ کر دلی افسوس ہوا۔ نبی کی باتیں ہمیشہ کی طرح ہیں پیاری پیاری۔ ناتا جوڑا میں رضوانہ کی امی کی باتیں بھی رضوانہ کی طرح پیاری ہیں۔

شعاع نے سال نو کی یادگار سی گیدرنگ رکھی ہے یعنی سروے، جس میں ہم سب بہنیں شریک ہو کر بہت خوش ہوئیں اور مزا بھی آیا تو تھینک یو شعاع تمہارا۔ فرح نادر کی دلچسپ باتیں بھی بہت پسند آگئیں۔

غزلیں کم مگر اچھی ہیں۔ موسم کے پکوان سردیوں کی مناسبت سے گرما گرم ہیں،

تاریخ کے جھروکے ماضی کی سنہری یادوں میں لے جاتے ہیں۔

آخری سلسلہ ہمیں خوب صورت تو بنا ہی دیتا ہے درست کہانا؟

کافی عرصے بعد عائشہ نصیر ایک دلچسپ و ہلکی پھلکی کہانی کے سنگ آئیں جو کچھ منفرد سے پلاٹ پر مبنی۔ ایک اچھی معیاری تحریر تھی۔

سمیرا حمید کا ناولٹ بھی اپنے منفرد سے انداز میں دلچسپی پیدا کر رہا تھا۔ اس کہانی کا انداز تحریر بہت عمدہ رہا پھر مختصر صفحات میں اچھے سے پلاٹ پر بہتر لکھا گیا۔

عائشہ نصیر کے ناول کے نام کی طرح فلک تنویر کا عنوان بھی بہت دلکش سا تھا اور ناول بھی کافی سبق آموز تھا۔ ودان واقعی اصل پرنس چارمنگ تھا جو ناول کی طرح پسند آیا۔

ہر ماہ نئے افسانہ نگاروں کی تحریریں بہت اچھا اضافہ ہیں۔ اس ماہ بھی امبر کا افسانہ ایک اہم موضوع پر تھا۔

دعا ایوب بھی اچھا اضافہ ہیں اور کیا ہی خوب افسانہ تھا جو آج کی اشد ضرورت ہے۔ برکت نظر آنے کے لیے خلوص دل اور محبت واپنے پن کی آنکھیں ضروری ہیں۔

نازنین فردوس کا افسانہ بڑا ہی خوب صورت تھا جو موسموں کی باتیں شامل کر کے تحریر مزید پیاری سی لگی بہت خوب۔

ہاشمی بہن کی تحریر کافی مختلف مگر اہم ترین موضوع پر تھی مجھے تو مردوں کا نسوار یا اسموکنگ کرنا زہر لگتا ہے مگر اللہ نے بس کیا ہی رشتہ بنایا ہے عورت کو سب برداشت کرنا پڑتا ہے۔

بقیہ صفحہ نمبر 202

مریم عزیز

دھوپ دریچہ

تیسری قسط

وہ مما کو روایتی بہو کے روپ میں چاہتی تھیں اور مما کو پابندیاں پسند نہیں تھیں۔ کھانا پکانا، بنانا انہیں اس سے بھی کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی لیکن جبراً ہی سہی، ڈیڈی کی خاطر کرنے لگیں لیکن آخر کب تک ڈیڈی کی پاکستان میں جاب ختم ہوگئی تو ماں باپ بھی بے روزگاری کے طعنے دینے لگے اور دادی اگر مما کو کچھ کہتیں تو وہ سارا غصہ ڈیڈی پر نکالتیں، گھر کا ماحول خراب ہونے لگا اور تب نئے مہمان کی نوید ملی، ڈیڈی کو لگا کچھ کرنا ہوگا تب وہ لوگ کینیڈا واپس آ گئے لیکن مما نے فیصلہ کیا کہ وہ اب دوبارہ پاکستان نہیں جائیں گی۔ جب تک دادا، دادی زندہ رہے ڈیڈی ہر سال پاکستان جاتے رہے بچپن میں وہ بھی ان کے ساتھ کبھی کبھی جاتا تھا لیکن پھر پڑھائی اور پھر جاب، وقت ہی نہیں ملا وہاں جانے کا دوسرا پاکستان اور وہاں کے لوگوں میں اسے دلچسپی نہیں تھی۔ وہ ہر سال چھٹیوں میں فرقان کے ساتھ کسی نہ کسی ملک جاتا تھا لیکن پاکستان جانے کا خیال کبھی نہیں آیا۔ نیچے سے اس کے نام کی پکار پڑ رہی تھی اس نے شرٹ ہینگ کی اور تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

pklibrary.com

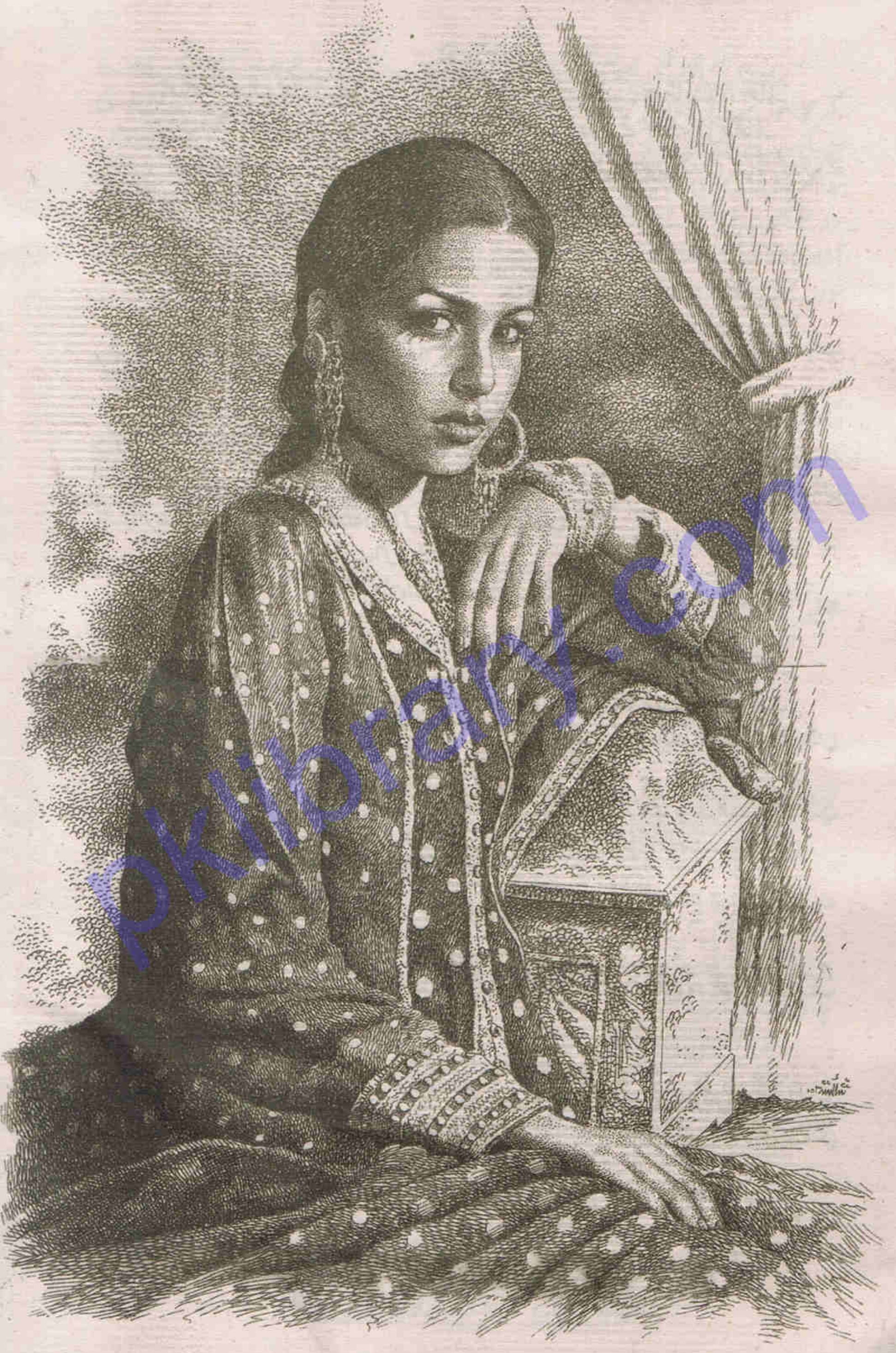

pklibrary.com

☆☆☆

''پھوپھو! ہم یہاں کیوں آئے ہیں۔'' زیمل نے گھبرا کر اردگرد دیکھنے کے بعد شاہانہ کا بازو تھاما۔

''بیٹا جی، یہ شاپنگ مال ہے یہاں شاپنگ کرنے آئے ہیں۔'' انہوں نے اس کا سر دہاتھ تھاما۔

''تم پریشان کیوں ہو۔'' انہوں نے حیرت سے اس کا چہرہ دیکھا، جہاں ہوائیاں اڑ رہی تھیں پھر خود ہی سمجھ گئیں شاید وہ پہلی بار کسی مال میں آئی تھی۔

''تم اپنی ممانی کے ساتھ بازار نہیں جاتی تھیں۔''

''نہیں وہ مجھے کہیں لے کر نہیں جاتی تھیں بس اسکول اور اسکول سے گھر۔''

''تب ہی تمہارا یہ حال ہے۔'' وہ بڑبڑا کر رہ گئیں۔

''اب یہاں آ گئی ہو تو ہر جگہ جاؤ، باہر نکلو گی لوگوں سے ملو گی تو خود اعتمادی پیدا ہو گی۔ کالج کیسا جا رہا ہے کوئی دوست بنی۔''

''ابھی تو کچھ دن ہوئے ہیں ٹیچر جب لیکچر دیتی ہیں تو تھوڑی پرابلم ہوئی ہے، شروع میں تو مجھے میری کلاس ہی نہیں ملتی تھی اتنا بڑا کالج ہے لیکن آہستہ آہستہ پتا چل رہا ہے اور دوست تو نہیں لیکن زوبیہ میری اکنامکس اور انگلش کی کلاس میں ہے اس سے اچھی بات ہو جاتی ہے۔'' وہ ان کے ساتھ چلتی تیز تیز بولتی جا رہی تھی، ہاتھ میں پکڑی شرٹ انہوں نے اس کے ساتھ لگائی تو اس نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''کیسی ہے۔'' انہوں نے وہ شرٹ اس کے آگے لہرائی۔

''اچھی ہے۔'' وہ ابھی بھی نہیں سمجھی تھی وہ اسے ہر دوکان سے کچھ نہ کچھ لے کر دے رہی تھیں ''پھوپھو آپ یہ کس کے لیے لے رہی ہیں۔''

''تمہارے لیے۔''

''میرے لیے۔'' وہ چلتے چلتے رکی تو شاہانہ نے دوبارہ اس کا بازو تھام کر چلنا شروع کر دیا۔

''ہاں تمہارے لیے کیونکہ تم جو کپڑے پہنتی ہو وہ مجھے بالکل پسند نہیں۔'' کہہ کر وہ جوتوں کی دوکان میں گھس گئیں جبکہ وہ نم آنکھوں کے ساتھ ان کے پیچھے چل دی۔

''پھوپھو! آپ شروع سے ہی اتنی بہادر تھیں۔'' زیمل نے رغبت سے فروٹ چاٹ کھاتے اپنی خوب صورت اور پروقار سی پھوپھو کو دیکھا، اس کے سوال پر شاہانہ کے چہرے پر آنے والی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔

''تمہیں میں کیسے بہادر لگتی ہوں۔''

''ہر طرح سے پھوپھو، اور ہالہ بھی جو اتنے لڑکوں کے ساتھ پڑھتی ہیں۔''

''یہ کون سی بہادری ہے لڑکے بھی انسان ہوتے ہیں۔''

''لیکن سب انسان نہیں ہوتے۔'' وہ افسردگی سے بولی تو شاہانہ نے بغور اس کا چہرہ دیکھا پھر کولڈ ڈرنک اس کی طرف بڑھائی۔

''اچھا مجھے تو بتاؤ میں کیسے بہادر ہوں۔'' وہ اس کا دھیان بٹانے کے لیے بولیں۔

''پھوپھو! آپ اکیلی کینیڈا سے پاکستان آئیں میں تو گھر سے باہر اکیلی، گلی سے باہر نہیں جا سکتی بابا سے سب ڈرتے ہیں لیکن آپ ان سے بھی بات کر لیتی ہیں اور آپ اتنی امیر ہیں اپنی مرضی سے کچھ بھی لے سکتی ہیں۔

ممانی کے پاس اتنے پیسے نہیں ہوتے تھے وہ ہر چیز ماموں سے پوچھ کر لیتی تھیں لیکن آپ اپنی مرضی سے کچھ بھی لے لیتی ہیں۔''

pklibrary.com

''بہادر میں بھی نہیں تھی مجھے بھی کہیں اکیلے جانے کی اجازت نہ تھی۔ اس لیے ہمت بھی نہیں تھی۔ ہمارے گھر کا ماحول بہت سخت تھا یہ تو عباس بھیا تھوڑے مختلف ہیں، ورنہ غیور بھائی اب بھی ویسے ہیں۔ میں بہادر بنی جنید کی وجہ سے جب میری شادی ہوئی، میں بہت ڈری ہوئی تھی پتا نہیں کیسا انسان ہوگا ملک بھی مختلف تھا، میں سدا گھر میں رہنے والی، وہاں کیسے گزارا کروں گی اور سچ بتاؤں تو مجھے بہت مشکل ہوتی اگر جنید نہ ہوتے وہ بھی مرد تھے لیکن میری فیملی کے مردوں سے مختلف۔ انہوں نے کبھی مجھ پر روک ٹوک نہیں کی لیکن میں نے کبھی اس آزادی کا فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ ہمیشہ ہر کام ان سے پوچھ کر کرتی ہوں اور جہاں تک پیسوں کی بات ہے اگر بیوی شوہر کے پیسے نہیں اڑائے گی تو کس کے اڑائے گی۔''

''آپ بہت لکی ہیں پھوپھو!'' غور سے سنتی زیمل خوشی سے بولی۔

''ان شاء اللہ تم بھی میری طرح خوش قسمت ہوگی۔'' ان کی دعا پر اس نے جھینپ کر اسٹرا ہونٹوں میں دبالیا۔

''ارے شاہانہ! یہ تم ہو۔'' پیچھے سے آتی آواز پر شاہانہ نے مڑ کر دیکھا اور پھر حیران ہو کر کھڑی ہوئیں۔

''ناہید آپا۔'' وہ حیرانی سے بولیں۔

''کتنے سالوں بعد تمہیں دیکھ رہی ہوں کتنی بدل گئی ہو؟ کب آئی کینیڈا سے کسی نے بتایا ہی نہیں۔'' ایک ہی سانس میں کتنے سوال کر ڈالے۔

''کچھ عرصہ ہوا ہے آپا! آپ بتائیں کیسی ہیں اور یہ کون ہیں۔'' اس نے ان کے پیچھے کھڑی دو ماڈرن لڑکیوں اور ایک لڑکے کو دیکھا۔

''یہ میری بڑی بیٹی کومل اور یہ عالیہ چھوٹی بیٹی اور میرا بیٹا طاہر۔''

''کیسے ہو بچو۔'' انہوں نے باری باری سب کو دیکھا۔

''لگتا ہے سلیم بھائی گھر آ گئے ہیں۔'' شاہانہ کے کہنے پر ناہید نے گڑبڑا کر انہیں دیکھا۔

''کہاں شاہانہ! کتنے سال ہوئے مڑ کر خبر نہیں لی اس آدمی نے، خود ہی رو دھو کر زندگی کی گاڑی چلا رہے ہیں۔'' اچانک ان کا خوش باش چہرہ افسردہ ہو گیا۔

''اچھا۔'' شاہانہ نے ان کے حلیوں پر نظر ڈال کر سر ہلایا۔

''گھر بیٹھے بیٹھے دل گھبرا جاتا ہے تو بچے لے آتے ہیں یہاں تم تو جانتی ہو یہاں چیزیں کتنی مہنگی ہوتی ہیں ہماری اوقات سے زیادہ اب خرید نہیں سکتے دیکھ تو سکتے ہیں، بس گھوم پھر کر چیزیں دیکھ لیتے ہیں دل خوش ہو جاتا ہے۔''

''جی جی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' شاہانہ نے مسکراتے ہوئے بغور نظر لڑکیوں پر ڈالی جدید انداز کے کٹے بال، ماڈرن کرتے نیچے جینز کسی بھی طرح سے غربت کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے اور نہ ہی ناہید آپا کہیں سے بے چاری لگ رہی تھیں۔

''تم اکیلی آئی ہو یا نفیسہ بھی ساتھ آئی ہے۔''

''نہیں میں بس کچھ شاپنگ کرنے آئی تھی۔'' کہنے کے ساتھ انہوں نے پیچھے مڑ کر زیمل کو اٹھنے کا اشارہ کیا ان کے پیچھے مڑنے پر چاروں نے ان کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔

''یہ ہالہ تو نہیں۔'' ناہید نے ذرا حیرت سے پوچھا۔

''یہ زیمل ہے ایاز بھائی کی بیٹی۔'' انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا جو ان کے دیکھنے سے نروس ہو رہی تھی۔

''لیکن یہ تو اپنی ماں کے پاس تھی۔'' انہوں نے بغور زیمل کا چہرہ دیکھا۔

''ہاں لیکن اب یہ ہمارے ساتھ رہے گی۔'' انہوں نے مسکرا کر انہیں دیکھا تب ہی ان کی نظر طاہر پر پڑی

جو بڑی بے باکی سے زیمل کا جائزہ لے رہا تھا وہ ناگواری سے اسے دیکھتے ہوئے زیمل کے آگے آ گئیں۔
"آپا! اچھا لگا آپ سے مل کر ابھی جلدی میں ہوں پھر آپ سے ملاقات ہو گی۔" وہ مزید انہیں بات کرنے کا موقع دیئے بغیر زیمل کا ہاتھ پکڑے تیزی سے آگے بڑھیں۔ وہ تینوں حیرت سے اسی ٹیبل پر بیٹھ گئے جہاں شاہانہ اور زیمل بیٹھے تھے۔
"یہ ایاز کی بیٹی تھی مطلب حارث کی منگیتر۔" ناہید کے کہنے پر عالیہ اور طاہر نے حیرت سے ماں کو اور پھر کومل کو دیکھا جس کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے۔
"اس لڑکی کے یہاں ہونے کا مطلب سمجھتی ہو کومل!" ناہید نے پریشانی سے کومل کا چہرہ دیکھا۔
"اس حارث کو دیکھو کتنا میسنا ہے بتایا ہی نہیں۔" ناہید دانت پیس کر بولیں۔
"تمہیں بتایا تھا حارث بھائی نے۔" عالیہ نے کومل سے پوچھا۔
"نہیں وہ ہفتوں سے وہ شہر سے باہر ہے اگر اسے پتا ہوتا تو مجھے ضرور بتاتا۔"
"غضب کی حسین ہے وہ لڑکی آپی! حارث بھائی کا کیا دماغ خراب ہے جو اسے چھوڑ کر تم سے شادی کریں گے۔" طاہر نے جیسے اس کا مذاق اڑایا۔
"بکواس بند کرو اپنی میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گی۔"
"اچھا کیا کرو گی۔" طاہر نے ابرو اچکاتے دلچسپی سے بہن کے لال بھبھوکا ہوتے چہرے کو دیکھا۔
"میں اس لڑکی کو زندہ دفن کر دوں گی۔"
"آپی، وہ بات کرو جو تم کر سکتی ہو۔" طاہر نے پھر اس کا مذاق اڑایا۔
"اتنا تو پتا ہے کہ میں ایسا نہیں ہونے دوں گی حارث کو اس لڑکی میں کوئی دلچسپی نہیں، وہ کتنی بار کہہ چکے ہیں انہیں مجھ جیسی کانفیڈنٹ لڑکیاں پسند ہیں اور اسے دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا وہ کتنی دبو سی ہے اتنی بڑی چادر میں لپٹی ہوئی گنوار لگ رہی تھی جبکہ حارث خود فارن کوالیفائیڈ ہیں وہ کیا ایسی ان پڑھ لڑکی کو پسند کریں گے نہیں۔" وہ تیز تیز بولتی اپنے ساتھ ان کو بھی تسلی دے رہی تھی۔
"یہ صرف تمہارے اندازے ہیں کومل! یہ نہ ہو تم مفروضوں کے تحت وقت گزار دو اور بازی کوئی اور لے جائے۔" ناہید کو بھی بیٹی کا مستقبل کچھ روشن نظر نہیں آ رہا تھا۔
"ایسا کچھ نہیں ہو گا میں اب وہ کروں گی کہ معاملہ آر یا پار ہو جائے گا۔ بلکہ میرے حق میں ہو جائے گا۔" اس کے چہرے پر آنے والی مسکراہٹ بڑی معنی خیز تھی۔ جس کو دیکھ کر طاہر نے کندھے اچکائے جبکہ عالیہ سر جھٹک کر موبائل دیکھنے لگی جبکہ ناہید مطمئن ہو کر مینیو دیکھنے لگیں کیونکہ انہیں اپنی عقل مند بیٹی کے زرخیز دماغ پر پورا بھروسہ تھا۔

وہ نماز پڑھ کر باہر آئی تو حماد غلام عباس کے کمرے کے باہر کان لگائے کھڑا تھا۔ ہالہ نے رک کر اسے گھورا اس پر نظر پڑتے ہی وہ دبے پاؤں چلتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔
"ایسے کیوں کھڑے ہو۔" ہالہ کے پوچھنے پر اس نے ہاتھ سے اسے آواز دھیمی رکھنے کو کہا۔ "حارث بھائی آئے ہیں۔"
"اچھا تو؟" پہلے اس نے سر ہلایا پھر حیرت سے اسے دیکھا۔
"تو اس میں عجیب کیا ہے انہوں نے گھر ہی آنا تھا۔"
"پاگل ہو تم۔" وہ دانت پیس کر بولا۔ "بھائی دو ہفتوں بعد آئے ہیں انہیں نہیں پتا زیمل یہاں ہے۔ میں سننے کی کوشش کر رہا تھا شاید اندر بابا زیمل کی بات کر رہے ہوں لیکن نہیں وہ دونوں پتا نہیں بزنس کے کون سے

فارمولے چھیڑ کر بیٹھے ہیں اماں بھی پاس بیٹھی بس تسبیح پڑھ رہی ہیں کوئی زیمل کی بات ہی نہیں کر رہا۔''
''تو تم کیا چاہتے ہو؟'' ہالہ نے سمجھ کر پوچھا۔
''منہ دکھائی۔'' وہ زیرلب مسکراتا بولا۔
''کرنا کیا چاہتے ہو؟'' ہالہ بھی مسکرا کر اس کے چہرے پر چھائی شرارت کو دیکھنے لگی۔
''میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ زیمل کو دیکھ کر بھائی کا ری ایکشن کیا ہوتا ہے۔'' کچھ سوچ کر اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔
''تمہیں لگتا ہے۔ بھائی بابا کے سامنے ری ایکٹ کریں گے۔''
''ارے جب دل بے اختیار ہوتا ہے تو آنکھوں پر بھی اختیار نہیں رہتا۔''
''تمہیں بڑا پتا ہے۔'' ہالہ نے مشکوک انداز میں اسے دیکھا۔
''چلو اب تم میری جاسوسی شروع کر دو؟ دیکھو بہن! میرا ابھی کوئی سلسلہ نہیں، ابھی جو بات ہو رہی ہے اس پر غور کرو۔'' وہ تپ کر بولا۔
''ٹھیک ہے ناراض کیوں ہو رہے ہو۔ بتاؤ کرنا کیا ہے؟''
وہ آسانی سے مان گئی تھی۔ کیونکہ وہ بھی اپنے بھائی کا ری ایکشن دیکھنا چاہتی تھی۔
''بابا نے مجھے چائے کا کہا تھا کہ انوری بوا سے کہوں، پر انوری بوا نماز پڑھ رہی ہیں پھوپھو فون پر بزی ہیں اور تم پڑھ رہی ہو۔'' اس نے آنکھیں بڑی کر کے اسے سمجھایا تو اس نے سر ہلایا۔
''اب بچی ہے زیمل، اس لیے چائے زیمل لے کر جائے گی کیسا؟'' اس نے بتانے کے بعد داد طلب نظروں سے اسے دیکھا۔
''کمال!'' وہ بھی اتفاق کرتے ہوئے بولی۔
''تو جاؤ زیمل کو بلاؤ میں اندر جا رہا ہوں۔ میں یہ لائیو ٹرانسمیشن مس نہیں کر سکتا۔''
وہ دونوں ہاتھ آپس میں رگڑ کر بولا تو ہالہ مسکراتے ہوئے شاہانہ کے کمرے کی طرف بڑھی۔
''کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے اندر داخل ہوتے ہی زیمل سے پوچھا جو بیڈ پر ڈھیر سارے کپڑے پھیلائے انہیں دیکھ رہی تھی۔
''ہالہ! یہ سب پھوپھو نے میرے لیے شاپنگ کی ہے۔ یہ سب کتنے پیارے ہیں۔'' خوشی سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔
''جہاں سے ہم نے شاپنگ کی بہت بڑا مال تھا میں نے پہلے کبھی اتنا بڑا مال نہیں دیکھا۔''
وہ اسے خوشی سے بتا رہی تھی۔ ''پھوپھو نے مجھے یہ ٹاپس بھی لے کر دیے ہیں۔'' اس نے کانوں میں پہنے زمرد کے نگوں والے ٹاپس اسے دکھائے جنہوں نے آنکھوں کے رنگ سے مل کر اس کے چہرے کی خوب صورتی میں چار چاند لگا دیے تھے۔
''سب بہت پیارا ہے۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ زیمل کو شاپنگ پسند ہے ورنہ میں بھی چلتی۔''
''مجھے بھی نہیں پتا تھا کہ مجھے شاپنگ کرنا پسند ہے۔ پہلی بار کسی نے مجھ سے پوچھا کہ مجھے کیا پسند آ رہا ہے اور میں کیا لینا چاہتی ہوں۔''
اس کی آواز میں دکھ کی آمیزش تھی لیکن وہ ہموار لہجے میں بات کر رہی تھی۔ ہالہ نے سر جھٹک کر خود کو اس کیفیت سے نکالا۔
''اوہ! میں تو بھول گئی، تمہیں بلانے آئی تھی۔ چائے بنانے لگی تھی تو تمہاری ہیلپ چاہیے تھی۔ تم چائے

pklibrary.com

بہت اچھی بناتی ہو تو ایسا کرو تم چائے بنا لو اور میں کباب فرائی کرلوں گی۔ کیا خیال ہے؟"
"جی میں بنا دیتی ہوں چلیں۔" وہ جلدی جلدی بیڈ پر رکھی چیزیں سمیٹنے لگی۔
"تم چلو میں ذرا پھوپھو کو بلا کر لاتی ہوں۔" اسے ٹرالی تھما کر ہالہ جلدی سے مڑی تو وہ ٹرالی گھسیٹتی ہوئی غلام عباس کے کمرے کی طرف بڑھی۔ ہینڈل گھما کر اس نے پہلے دروازہ کھولا اور پھر مڑ کر ٹرالی گھسیٹتی اندر آئی۔ دروازہ کھلنے پر غلام عباس سے بات کرتے حارث نے سرسری نظر سامنے ڈالی لیکن پھر جیسے نظر ٹھہر گئی، وہ اپنے دھیان میں اندر آئی اور سر اٹھایا تو پہلی نظر سامنے بیٹھے حارث پر گئی، کسی اجنبی کو دیکھ کر وہ نروس ہو کر واپس مڑنے لگی جب حماد نے اسے آواز دی۔
"کہاں جا رہی ہو، چائے تو سرو کردو۔" اس کے کہنے پر زیمل کے چہرے پر جو تاثرات آئے تھے اس کو دیکھ کر حماد نے بمشکل اپنی مسکراہٹ کو قابو کیا تھا۔
غلام عباس اب بھی مصروف انداز میں فائل دیکھ رہے تھے جبکہ حارث اب بھی زیمل کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔
"زیمل بیٹا! فریج میں کیک بھی رکھا تھا اور ہالہ کو کباب فرائی کرنے کو کہا وہ نہیں کیے؟"
نفیسہ کے کہنے پر حارث کو جیسے جھٹکا لگا اس نے دوبارہ بے یقینی سے سامنے گھبرائی صورت لیے اس لڑکی کو دیکھا، حماد مزے سے ایک نظر حارث پر ڈالتا اور دوسری زیمل پر۔
"ہالہ لا رہی تھیں۔"
تب ہی ہالہ اندر داخل ہوئی "السلام علیکم" حارث بھائی! کیسے ہیں آپ اتنے دن لگا دیے۔"
ہالہ نے کبابوں والی ٹرے ٹرالی پر رکھتے ہوئے حارث سے پوچھا اور زیمل کے ساتھ بیٹھ گئی جبکہ حارث کے نام پر زیمل کے ہاتھ سے چینی کا چمچہ چھوٹ کر ساسر میں گرا۔ اس نے اب کی بار نظریں اٹھانے کی غلطی نہیں کی۔
"کیا ہوا زیمل۔" اب کی بار حماد کی آواز میں مسکراہٹ نمایاں تھی اس نے بس سر نفی میں ہلانے پر اکتفا کیا۔
"کہاں جا رہی ہو۔" اسے اٹھتا دیکھ کر ہالہ نے پوچھا۔
"پھوپھو نے ایک کام کہا تھا۔" وہ رکی نہیں کمرے میں آتے اس نے بے ساختہ انداز میں اپنے ٹھنڈے ہاتھ چہرے پر رکھے جہاں سے اسے تپش نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔ زیمل کے جانے کے بعد حماد نے مسکراتی نظروں سے حارث کی طرف دیکھا جو چائے پی رہا تھا پر چہرے پر سنجیدگی کے ساتھ ماتھے پر دو بل نمایاں تھے۔

☆☆☆

کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کر کے اس نے کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھا جہاں پانچ بجنے والے تھے۔ اس نے تیزی سے لیپ ٹاپ بند کر کے اپنے بیگ میں رکھا اور فون ٹراؤزر کی جیب میں اور بیگ کندھے پر لٹکا کر اپنے کیبن سے نکلا اس کا رخ فرقان کے کیبن کی طرف تھا شیشے کے دروازے کو انگلی سے بجا کر اس نے دروازے کو دھکیلا۔ تو فرقان نے اسکرین سے نظر ہٹا کر سامنے دیکھا اور پھر اسے دیکھ کر مسکرایا۔
"آج تم جلدی فری ہو گئے۔"
"ہاں ایک ضروری کام سے جانا تھا سوچا تمہیں بھی ساتھ لے لوں۔"
"علیزہ کے ساتھ تو نہیں جانا؟" اس نے پریشانی سے پوچھا تو ضامن نے آنکھیں کھول کر اسے گھورا۔
"نہیں۔"
"تو پھر کہاں جانا ہے؟" وہ ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگا۔
"شاپنگ پر ماما کے ساتھ۔"

''اوہ!'' فرقان نے ہونٹ سکیڑے۔ ''یار! تم چلے جاؤ میرا تو آج بہت کام ہے۔''
وہ اسکرین کو دیکھتے بے چارگی سے بولا۔
''کل کر لینا یار! ضروری نہ ہوتا تو میں تمہیں نہ کہتا۔''
مجھے پتا ہے تم کیوں منع کر رہے ہو۔
''کیوں؟'' فرقان نے ابرو اچکائے۔
''تم جانتے ہو، تم میری طرح بور ہونے والے ہو۔''
ضامن کے کہنے پر وہ کھل کر ہنسا۔ ''عقل مند ہو گئے ہو۔''
''چلو نا فرقان!'' وہ گہرا سانس لے کر کرسی پر بیٹھ گیا۔
''یار تم ہر جگہ مجھے گھسیٹ لیتے ہو چاہے وہ فیملی گیدرنگ ہو یا علیزہ کے ساتھ پارٹی یا مووی کا پلان ہو، میں تمہارے لیے اہم ہوں باقی کے لیے میں صرف تمہارا دوست ہوں جس کا ہر جگہ تمہارے ساتھ ہونا ضروری نہیں۔''
''بکومت فرقان! تم میرے دوست سے زیادہ بھائی ہو۔ میری فیملی نے بھی تمہیں غیر نہیں سمجھا۔ ڈیڈی اور ماما نے کبھی تم میں اور مجھ میں فرق نہیں کیا اور جہاں تک علیزہ کی بات ہے۔ اس کو لے کر تمہارا نظریہ غلط ہے۔ وہ جانتی ہے تم میرے لیے کیا ہو۔''
فرقان نے جواب میں کچھ نہیں کہا بس مسکرا کر اسے دیکھتا رہا۔
''ٹھیک ہے تمہاری مرضی ہے۔ میں پہلے اسٹیشن جاؤں گا پھر مال۔''
''اسٹیشن کیوں؟'' فرقان نے چیئر پر جھولتے ہوئے پوچھا۔
''فضا آ رہی ہے۔ اسے پک کر کے مال جاؤں گا۔''
فرقان کی جھولتی کرسی رکی۔ ''رکو!'' اس نے دروازہ کھولتے ضامن کو روکا۔
''اب تم فورس کر رہے ہو تو میں چلتا ہوں تمہیں نہ کر کے مجھے اچھا نہیں لگتا، رات کو برے برے خواب آتے ہیں۔'' وہ باتیں کرتے ہوئے تیزی سے اپنی چیزیں بھی سمیٹ رہا تھا۔
اس کی تیزی پر ضامن نے دائیں ابرو اچکا کر اسے دیکھا لیکن وہ مسکراتا ہوا اس کا بازو کھینچتے باہر نکلا آفس سے نکلتے ان کا رخ میٹرو کی طرف تھا۔ وہ دونوں ہاتھ ٹراوزر میں ڈالے ٹرین سے نکلتے لوگوں کو دیکھ رہا تھا جبھی فضا دور سے ہاتھ ہلاتی تیز تیز قدموں سے چلتی اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس کے قریب آتے ہی وہ اس کے گلے لگ گئی۔
''کیسے ہو برو۔''
''میں ٹھیک ہوں تم کیسی ہو؟''
''آپ کے سامنے ہوں۔''
''او فرقان بھی آئے ہیں۔''
''ہاں بس ضامن زبردستی لے آیا۔''
اس کے کہنے پر ضامن نے پھٹکارتی نظروں سے اسے دیکھا۔ آگے بھی چکنا گھڑا تھا اس کی ملامتی نظروں کے جواب میں اس نے دانتوں کی نمائش کی تھی۔
''ویسے آپ نہ آتے تو حیرت ہوتی کیونکہ آپ اور برو تو لازم ملزم ہیں۔''
فضا کی مسکراتی آواز پر فرقان نے ضامن کی طرف ایسے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو۔ ''دیکھو میں نے پہلے ہی کہا تھا۔''
''تو کیا لوگوں کو ہماری جوڑی پسند ہے؟''
''پتا نہیں مجھے کسی کی رائے سے کوئی لینا دینا نہیں۔''

''لیکن مجھے تو آپ لوگوں کی بڑی پرواہ ہوتی ہے کہ لوگ کیا کہیں گے۔'' ضامن کے کہنے پر فضا نے رک کر فرقان کو دیکھا۔

''آپ لوگوں کی پرواہ کرتے ہیں۔'' فضا کے سوال پر وہ گڑبڑا کر رہ گیا۔

''میں۔'' اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کہے۔

''اگر کرتے ہیں تو اچھی بات نہیں۔ لوگ تو کبھی کسی حال میں خوش نہیں ہوتے بلکہ پریشان ہو جاتے ہیں۔ کوئی دوسرا خوش کیسے ہے۔ اور مخلص دوست تو ایک خزانے کی طرح ہوتا ہے آپ تو لکی ہیں کہ آپ رشتے کے معاملے میں اتنے امیر ہیں ماں باپ، بہن بھائی یہ سب رشتے تو اللہ کی طرف سے آپ کو ملتے ہیں جبکہ آپ کا دوست آپ کی اپنی پسند سے آپ کے ساتھ جڑتا ہے۔ ایک اچھا دوست ہی آپ کو آپ کی خوبیوں خامیوں کے ساتھ اپناتا ہے۔ اس سے زیادہ آپ کو اور کیا چاہیے کہ دل کی بات کرنے کے لیے آپ کے پاس کوئی اپنا ہے جو آپ کی کمزوری جان کر آپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر آپ کو جج نہیں کرے گا بلکہ آپ کو ہمت دے گا۔''

اتنا لمبا لیکچر سن کر فرقان اچھا خاصا شرمندہ ہو کر رہ گیا جبکہ ضامن نے حیرت سے خود سے چار سال چھوٹی کزن کو دیکھا۔ وہ بھی اس کی فیملی کا حصہ تھی لیکن وہ سب سے مختلف تھی۔ ماں باپ کی لڑائیوں نے اسے وقت سے پہلے بڑا کر دیا تھا۔

ماں باپ کی لڑائیاں یا تو انسان کو بگاڑ دیتی ہیں یا سدھار دیتی ہیں وہ دوسری کیٹگری میں آتی تھی۔

☆☆☆

مال میں آتے ہی اس نے شائنہ کا نمبر ملایا اور ان سے لوکیشن پوچھ کر وہ ان دونوں کے ساتھ فوڈ ایریا میں آ گیا۔

''اوہ بے بی تم آ گئیں۔'' شائنہ نے اٹھ کر گلے ملتے اس کے دونوں گال چومے۔

''ویک لگ رہی ہو۔''

''خالہ! آپ کو ہمیشہ میں ویک لگتی ہوں۔ اچھی خاصی موٹی ہو گئی ہوں۔'' شائنہ سے ملنے کے بعد وہ ہاشم علی کی طرف بڑھی۔

''کیسے ہیں انکل آپ؟''

''میں ٹھیک ہوں بچے تم کیسی ہو۔''

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' وہ مسکراتی ہوئی ان کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''اپنی ماں سے ملی ہو۔'' شائنہ کے سوال پر اس نے پیزا کھاتے ہوئے اپنی خالہ کو دیکھا۔

''نہیں میں سیدھی آپ کے پاس آئی ہوں اور کچھ دن آپ کے پاس رکوں گی اگر آپ مجھے ماں سے ملنے پر فورس نہیں کریں گی۔''

''ماں ہے تمہاری یاد کرتی ہے۔'' شائنہ کے کہنے پر اس نے کوئی جواب نہیں دیا وہ سب خاموش تھے۔

''تمہارے ماں باپ تم سے پیار کرتے ہیں۔''

''شائنہ! وہ اس کے ماں باپ ہیں اسے پتا ہے وہ مل لے گی پر ابھی تم اسے فورس نہ کرو۔''

ہاشم علی کے کہنے پر اس نے تشکرانہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''برو اب میں آئی ہوں تو کوئی پارٹی شارٹی کرتے ہیں۔''

''ہاں کیوں نہیں۔'' جوس پیتے ہوئے ضامن نے سر ہلایا۔

''میں سوچ رہی تھی اب آپ کو شادی کر لینی چاہیے۔''

''ابھی میری عمر ہی کیا ہے۔'' وہ معصوم بن کر بولا۔

pklibrary.com

''ستائیس سال۔'' فرقان کے کہنے پر فضا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''برو احتیاط کرنا آپ کا رازدار ہی آپ کے پول کھول دے گا۔'' اپنی بے اختیاری پر فرقان اب کھسیانی سی ہنسی ہنسا تھا۔

''میں کوئی لڑکی ہوں جو اپنی عمر چھپاؤں گا اور جہاں تک شادی کی بات ہے۔ کرلوں گا جلدی کیا ہے۔''

''جلدی ہے کیونکہ تم ہماری اکلوتی اولاد ہو اور ہم چاہتے ہیں کہ تمہاری خوشیاں بلکہ تمہارے بچوں کی خوشیاں بھی دیکھیں۔''

ہاشم علی کے کہنے پر وہ کھل کر مسکرایا۔

''ٹیپکل لائن تھی ڈیڈی! ایموشنل کرنے کے لیے۔''

''فرقان تم سمجھاتے نہیں اپنے دوست کو۔'' شائنہ نے اسے بیچ میں گھسیٹا جو خاموشی سے پیزا کھانے کے ساتھ ان کی باتیں سن رہا تھا۔

''آنٹی میں تو خود اس کو کہتا رہتا ہوں شادی کرلو۔''

''اچھا!'' اس کے کہنے پر ضامن نے استہزائیہ انداز میں ہنکارا بھرا۔ ''مجھے بعد میں سمجھانا پہلے خود تو سمجھ لو، آنٹی مجھے فون کر کے کہہ رہی ہوتی ہیں اسے سمجھاؤ شادی کرلے۔''

ضامن کے کہنے پر فضا کھلکھلا کر ہنس پڑی تو فرقان نے دلچسپی سے اس کا چہرہ دیکھا۔ ''تم دونوں شادی کرنا بھی چاہتے ہو یا نہیں۔ لڑکیوں میں دلچسپی تو ہے نا تم دونوں کی۔''

شائنہ کے سوال پر ایک بار پھر فضا کا قہقہہ بلند ہوا جبکہ دونوں کا چہرہ خفت سے لال پڑ گیا تھا۔

''حد ہوتی ہے ماما!'' ضامن ناراضی سے بولا۔ ''میں نے کیا خاک شادی کرنی ہے۔ دو سالوں سے مجال ہے کسی ایک لڑکی پر آپ دونوں متفق ہوئے ہوں، ڈیڈی کہتے ہیں پاکستان کی لڑکی سے شادی کرو ماما چاہتی ہیں لڑکی یہاں کی ہو۔''

''اس میں کیا مسئلہ ہے برو؟ اسلام میں تو چار کی اجازت ہے آپ دو تو کر سکتے ہیں ایک انکل کی پسند کی کرلیں ایک خالہ کی پسند سے کرلیں۔ آپ بھی خوش انکل خالہ بھی خوش۔''

''توبہ کرو لڑکی! میں ایک ہی سنبھال لوں تو بہت ہے۔''

''ڈرپوک انسان۔'' فرقان نے اسے چڑایا۔

''ڈرپوک نہیں شریف۔'' ضامن نے اس کی تصحیح کی۔

''فضا! تمہاری تو اتنی انڈرسٹینڈنگ ہے ضامن سے تم کرلو شادی۔''

شائنہ کی بات پر کولڈ ڈرنک پیتی فضا کو اچھو لگا۔

''خالہ!'' وہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔ ''پہلی بات تو یہ کہ یہ میرے برو ہیں۔ سو ہمارے رشتے کو خراب نہ کریں دوسرا برو شریف ہونے کے ساتھ ان رومانٹک انسان ہیں۔ اگر یہ میرے برو نہ ہوتے تب بھی میں ان سے شادی نہ کرتی مجھے ایسا ہسبینڈ چاہیے جو ڈنکے کی چوٹ پر محبت کا اظہار کر سکے۔ بے انتہا محبت کرتا ہو جبکہ برو۔'' اس نے منہ بنایا۔ ''بڑے شرمیلے ہیں۔''

فرقان ہتھیلی تھوڑی کے نیچے ٹکائے حیرت و پریشانی سے اس کے فرمودات سن رہا تھا۔

''لڑکی تم مجھے ہلکا لے رہی ہو۔'' ضامن نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''بالکل صحیح سمجھ رہی ہوں خالہ! ان کے لیے کوئی بولڈ سی لڑکی کا انتخاب کرنا۔'' اس کے مشورے پر شائنہ نے زور و شور سے سر ہلایا جبکہ ہاشم علی نے ناگواری سے ہنکارا بھرا۔

pklibrary.com

☆☆☆

اس نے ہونٹ چباتے ہوئے پین کے کونے کو بالوں کے درمیان چلاتے آنکھیں سکیڑے کتاب کے صفحے کو گھورا ساری لائنیں گڈ مڈ ہو رہی تھیں۔ ''یا اللہ یہ انگلش اتنی مشکل کیوں ہوتی ہے اب اگر میں فیل ہو گئی تو کتنی بے عزتی ہو گی۔'' اس نے ایک بار پھر ناول کو سمجھنے کی کوشش کی پر لاکھ کوشش کے باوجود وہ سمجھ نہ سکی تو گہرا سانس لے کر آنکھیں بند کیں اور ایک لائن کو بار بار دہرانے لگی۔

حماد لکڑی کا منقش دروازہ کھول کر باہر نکلا تو اندر کی نسبت باہر کا موسم سرد محسوس ہوا اس کا ارادہ باہر جانے کا تھا اس نے موبائل نکالا جس پر اس کے دوست جمشید کا میسج آیا تھا اسے ریپلائے کر کے اس نے سامنے نظر ڈالی تو حیران ہوا لان کی سائیڈ پر بنے برآمدے میں جس میں کرسیوں کے ساتھ گول بید کی لکڑی کا جھولا بھی بنا ہوا تھا اور برآمدے کے دونوں سائیڈوں پر موتیا اور مختلف گلابوں کے گملے رکھے تھے۔ ان کے درمیان گول شیپ میں رکھا قالین تھا جس پر مختلف کتابیں پھیلائیں دونوں ہاتھ کانوں پر رکھے زور زور سے ہل رہی تھی۔ وہ کچھ حیران ہوتا اس کی طرف بڑھا۔ وہ انگلش میں کچھ بڑبڑا رہی تھی۔ اس نے قدرے آگے جھک کر اس کے آگے رکھی کتاب کو دیکھا اور پھر سمجھ کر مسکراتا ہوا اس کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''اس طرح یاد ہو جائے گا۔'' اس کے اچانک بولنے پر اس نے ڈر کر فوراً آنکھیں کھولیں۔

''حماد بھائی!'' اور اسے دیکھ کر بے اختیار گہرا سانس لیا۔ ''میں نے سمجھنے کی بہت کوشش کی لیکن جب سمجھ میں نہیں آیا تو اب رٹا لگا رہی ہوں آپ سمجھا دیں گے۔'' وہ امید بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''ضرور سمجھا دیتا لیکن ابھی بہت ضروری کام سے جا رہا ہوں ہالہ سے سمجھ لو۔''

''ہالہ کے ایگزیمز ہونے والے ہیں وہ خود بزی ہے۔'' وہ منہ بسور کر بولی۔

''تو حارث بھائی سے سمجھ لو وہ زیادہ اچھا سمجھاتے ہیں۔'' وہ اس کے شرارتی انداز پر وہ سر جھکا گئی۔

''شرما رہی ہو؟'' اس نے کرسی سے تھوڑا کھسک کر سر جھکا کر اس کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی۔

''نہیں تو۔'' وہ اب بھی نظریں چرائے پین سے نوٹس پر لکیریں کھینچنے لگی۔

''تو پھر ٹھیک ہے میں حارث بھائی کو کہتا ہوں وہ تمہیں سمجھا دیں گے۔''

''حماد بھائی!'' اس کو اٹھتا دیکھ کر اس نے جلدی سے اسے آواز دے کر روکا۔ ''ان سے کچھ کیوں نہیں سمجھنا'' اس کی آنکھوں میں اب بھی شرارت تھی۔

''نہیں۔'' وہ ہلکی آواز میں بولی۔ ''ہیں پر کیوں۔'' اس نے حیران ہونے کی ایکٹنگ کی۔

''مجھے ان سے ڈر لگتا ہے۔'' وہ اب بھی دھیمی آواز میں بولی۔

''یہ تو تم نے حد کر دی لڑکی! میرے اتنے ہینڈسم بھائی کو تم نے ڈریکولا بنا دیا۔ پتا ہے کتنی لڑکیاں مرتی ہیں میرے بھائی پر۔''

''حماد بھائی! میں نے ایسا تو نہیں کہا۔'' وہ گھبرا کر بولی اسے لگا حماد کو برا لگا ہے ''پھر۔'' وہ ابرو اچکا کر بولا۔

''ان کی شکل کی بات نہیں کر رہی، بس مجھے لگتا ہے کہ مجھے دیکھتے ہی انہیں شاید غصہ آ جاتا ہے، وہ بہت غصے سے مجھے دیکھتے ہیں اسی لیے مجھے ڈر لگتا ہے۔'' وہ اب نروس ہو کر اپنی انگلیاں چٹخا رہی تھی۔

''تو تم چاہتی ہو وہ تمہیں پیار سے دیکھیں۔''

''حماد بھائی!'' اب کہ اس کے شرارتی انداز پر وہ ناراضی سے بولی۔

''اچھا بابا ناراض ہونے کی ضرورت نہیں میں مذاق کر رہا تھا۔'' حماد کے کہنے پر بھی وہ نظریں جھکائے کتاب کو دیکھتی رہی۔

"تم جانتی ہونا کہ حارث بھائی سے تمہارا کیا رشتہ ہے۔"

"کیا!" وہ اٹک کر بولی۔

"یہی کہ بچپن میں سوچا گیا تھا کہ تمہاری شادی بھائی سے ہو گی تمہیں پتا تھا کہ نہیں۔" اسے خاموش دیکھ کر حماد نے دوبارہ پوچھا۔

"بہت پہلے کی بات ہے۔" وہ اب بھی دھیمے سے بولی۔ "وہ میں بھی جانتا ہوں کہ بہت پہلے کی بات ہے۔ پر یہ کوئی بھولی بسری بات نہیں تمہیں پتا ہے ہمیں پتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ کوئی بات تو ہے بابا اگر تمہیں لے کر آئے ہیں تو مطلب وہ کچھ سوچ چکے ہیں۔"

"آپ یہ سب مجھے کیوں بتا رہے ہیں۔"

"کیونکہ میں نہیں چاہتا تم بھائی کو غلط سمجھو۔"

"میں نے تو کچھ نہیں کہا۔" وہ گھبرا کر بولی۔

"تم نے خود ہی تو کہا ہے کہ وہ تمہیں غصے سے دیکھتے ہیں۔ ایسا تمہیں لگتا ہے بھائی ذرا ریزرو نیچر کے ہیں اور پھر شاید وہ خود ہی تم سے دوری رکھتے ہیں کہ کوئی غلط مطلب نہ نکال لے کیا یہ اچھی بات نہیں؟"

اپنی بات کر کے اس نے زیمل سے تصدیق چاہی۔

"جی۔" اس نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

"ویسے آپس کی بات ہے میں تو خود چاہتا ہوں بھائی کی رومانٹک سائیڈ دیکھنا بس موقع کی تلاش میں ہوں۔"

آخر میں وہ پھر پٹڑی سے اترا تو زیمل نے اب گہرا سانس لے کر تیزی سے اپنی کتابیں سمیٹنا شروع کر دیں۔

"کہاں جا رہی ہو؟"

اس کی تیزی پر حماد نے حیرت سے اسے دیکھا پھر کار پورچ کی طرف دیکھنے پر ساری کہانی اس کی سمجھ میں آ گئی جہاں گاڑی سے حارث نکل رہا تھا۔

"بھائی!" حماد کے آواز دینے پر بے ساختہ انداز میں کتاب زیمل کے ہاتھ سے چھوٹی۔

"ہاں!" وہ جو حماد کی آواز پر اس کی طرف بڑھنے والا تھا اس کے پیچھے کھڑی زیمل کو دیکھ کر وہیں رک گیا۔

"بھائی کو کہتا ہوں تمہیں پڑھا دیں۔" حماد دھیرے سے بولتا حارث کی طرف بڑھا تو وہ تیزی سے اس کے پیچھے آئی۔

"میری سمجھ میں آ گیا ہے۔"

اس کے قریب سے گزرتے وہ تیزی سے کہہ کر بھاگتے ہوئے اندر کے دروازے کی طرف بڑھی اور جھپاک سے اندر غائب ہوئی اس کی پھرتی پر حماد ہنس پڑا جبکہ حارث نے ناگواری سے اس کی پشت کو دیکھا اور پھر سر جھٹک کر حماد کی طرف متوجہ ہوا جو اسے جمشید کے گھر ہونے والی پارٹی کے متعلق بتا رہا تھا۔

☆☆☆

کار پارک کر کے اس نے موبائل دیکھا جہاں علیزہ کی تین مسڈ کالز کے ساتھ چھ میسجز تھے۔ کار سے باہر نکل کر اس نے پچھلی سیٹ سے اپنا کوٹ نکال کر پہنا جبکہ کار کی دوسری طرف سے آتے فرقان نے ستائشی نظروں سے اپنے خوبرو دوست کو دیکھا جو بلیک ٹو پیس اور گرے ہائی نیک میں غضب ڈھا رہا تھا۔

"آج کی پارٹی تو اور ہی لیول کی لگ رہی ہے۔"

کلب کا نام پڑھ کر فرقان نے ابرو اچکاتے اپنی رائے کا اظہار کیا تو ضامن نے گہرا سانس لیا۔

"یہ اب اندر چل کر ہی پتا چلے گا۔" ضامن کے کہنے پر فرقان سر ہلا کر اس کے ساتھ کلب کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھولتے ہی تیز میوزک اور تیز روشنیوں کے ساتھ اونچے قہقہوں نے ان کا استقبال کیا۔

pklibrary.com

''واؤ!'' فرقان نے سامنے دیکھتے بے ساختہ ہونٹوں کو او کی شکل دی۔ سامنے ہال میں رکھی کرسیوں پر بیٹھی اکثریت خوشگوار ماحول میں کھانے پینے میں مصروف تھی جبکہ دائیں طرف رکھی کرسیوں پر کافی تعداد میں لوگ موجود تھے اور اس کے سامنے وسیع اسٹیج تھا۔ جس کے اوپر اور نیچے بے شمار لائٹیں اس کو خوب صورت بنا رہی تھیں۔ تیز میوزک کی آواز وہیں سے آ رہی تھی اور اس پر کافی تعداد میں لڑکے اور لڑکیاں خود میں مگن مدہوش ہو کر ناچ رہے تھے۔ ضامن نے اردگرد کا جائزہ لینے کے بعد متلاشی نظروں سے علیزہ کو ڈھونڈا تبھی کوئی اس سے آ کر ٹکرایا۔

''او سوری!'' اس کی غلطی نہیں تھی پھر بھی اس نے سامنے کھڑی لڑکی سے معذرت کی جو نیم وا نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی اور اس کے دیکھنے اور لڑکھڑانے سے ضامن کو اندازہ ہو گیا کہ وہ نشے میں ہے۔

''اے ہینڈسم کیا تم میرے ساتھ ڈانس کرو گے!''

''سوری۔'' ضامن نے بڑی مشکل سے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے بازو سے ہٹایا اور بے چینی سے علیزہ کو ڈھونڈنے لگا۔ تب ہی علیزہ اسے کچھ فاصلے پر ایک گروپ میں کھڑی نظر آئی اس سے پہلے وہ اس کی طرف بڑھتا۔ اس نے بھی اسے دیکھ لیا تھا اور دیکھتے ہی مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایا جواباً ضامن نے بھی ہاتھ ہلا کر پیچھے دیکھا۔ فرقان کسی لڑکی سے بات کر رہا تھا ضامن نے مسکرا کر دوبارہ سامنے دیکھا جہاں سے علیزہ آ رہی تھی۔

''ویلکم۔'' اس کے قریب آ کر وہ اس کے گلے لگی۔ ''کب سے انتظار کر رہی ہوں اتنی دیر لگا دی۔''

''ہاں آفس سے آتے آتے دیر ہو گئی تھی۔'' ''تمہارے پاس ہمیشہ کوئی بہانہ ہوتا ہے۔'' علیزہ نے آنکھیں گھما کے اسے دیکھا۔

''ہائے!'' فرقان کے قریب آنے پر وہ اس کے گلے لگی۔ ''ہمیشہ کی طرح اچھی لگ رہی ہو۔'' فرقان کی تعریف پر اس نے ادا سے اپنے بالوں کو جھٹکا دیا۔

''جانتی ہوں لیکن تھوڑے مینرز اپنے فرینڈ کو بھی سکھا دو کہ لڑکیوں کی تعریف کی جاتی ہے۔'' اس کے کہنے پر فرقان نے ضامن کی طرف دیکھا جو مسکرا رہا تھا۔

''میں خوب صورت لڑکیوں کی تعریف کرتا ہوں۔''

''کیا؟'' علیزہ اچھل کر رہ گئی۔

''تمہارا مطلب ہے میں خوب صورت نہیں۔''

''میں نے یہ تو نہیں کہا۔'' ضامن نے مسکراہٹ کو بڑی مشکل سے روکا تھا۔

''ضامن! اب تم مار کھانے والی باتیں کر رہے ہو۔'' کہنے کے ساتھ اس نے ایک عدد مکا اس کے کندھے پر جڑ دیا۔

تبھی دو لڑکیاں اور ایک لڑکا علیزہ کے پیچھے آ کر رکے تھے۔

''ہیلو۔'' ان تینوں کے کہنے پر فرقان اور ضامن کے ساتھ علیزہ نے مڑ کر انہیں دیکھا۔

''یہ میرے فرینڈز ہیں لنڈا، سوزی، کیلاش اور یہ میرے کالج فرینڈز ضامن اور فرقان میرے بہت خاص دوست ہیں دونوں۔'' اس نے کہنے پر فرقان نے جلدی سے اپنی آنکھوں کو مسلا۔

''تمہیں کیا ہوا؟'' علیزہ نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

''میں تمہاری اتنی محبت پر ایموشنل ہو گیا ہوں آج سے پہلے تم نے کب مجھے اپنے خاص دوستوں میں شمار کیا تھا مجھے رونا آ رہا ہے۔'' وہ رونے والا منہ بنا کر بولا تو وہاں موجود سب ہنس پڑے تھے۔

''بہت بڑے ڈرامے باز ہو تم۔'' سب کے ہنسنے پر علیزہ منہ بنا کر بولی۔

''ویسے ضامن! تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ علیزہ تمہاری اتنی باتیں کرتی ہے۔ اتنی تعریفیں کرتی ہے۔

مجھے بڑا تجسس تھا تم سے ملنے کا۔"

"ایسی کون سی تعریف کی تھی؟" اس نے علیزہ کو دیکھ کر لنڈا سے پوچھا۔

"یہی کہ اتنا ہینڈسم اور جنٹلمین شخص بھی اس دنیا میں ہوسکتا ہے؟" لنڈا کے شرارتی انداز پر وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"پھر میں اس تعریف پر پورا اترا یا تمہیں مایوسی ہوئی۔"

"بالکل نہیں تم علیزہ کے کھینچے ہوئے نقشے سے زیادہ ہینڈسم ہو۔"

"اوہ۔" فرقان سمیت سوزی اور کیلاش کی او بڑی معنی خیز تھی۔ "افسوس ہم تھوڑا لیٹ مل رہے ہیں۔" لنڈا نے افسوس کرتے حسرت سے ضامن کو دیکھا تو علیزہ کے ماتھے پر بل نمودار ہوئے۔

"چلو اب تم لوگوں کی باتیں ختم ہوگئی ہوں تو تم لوگ انجوائے کرسکتی ہو تب تک میں ضامن اور فرقان کو دوسرے لوگوں سے ملوا دوں۔" وہ ضامن کا بازو تھام کر آگے بڑھ گئی۔

"تمہارے فرینڈز اچھے ہیں۔"

"کیوں تمہیں کیا اچھا لگا ان میں۔" علیزہ کا موڈ چونکہ پہلے ہی خراب تھا سو اس تعریف پر تیکھی نظروں سے ضامن کی طرف دیکھا۔

"مطلب فرینڈلی ہیں۔" وہ کندھے اچکا کر بولا۔

"اتنے بھی اچھے نہیں۔" وہ سر جھٹک کر نخوت بھرے انداز میں بولتی سیدھی چلتی جا رہی تھی۔

"تمہارا موڈ کیوں آف ہے۔" ضامن کے سوال پر اس نے ناراضی سے ضامن کی طرف دیکھا۔

"مجھے تمہارا کسی اور کو توجہ دینا بالکل پسند نہیں میری تو تم کبھی تعریف نہیں کرتے اور لنڈا سے کیسے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے، میں لنڈا کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں ہر خوب صورت لڑکے کو دیکھ کر وہ ایسے ہی فلیٹ ہو جاتی ہے۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ مجھے غائب کر کے تم سے چمٹ جائے اگر میں نہ ہوتی تو اب تک وہ تمہیں ڈیٹ کے لیے کنونس کر چکی ہوتی۔"

علیزہ کے لہجے میں صاف جلن محسوس ہو رہی تھی جسے محسوس کر کے وہ قہقہہ لگا گیا۔

"دراصل تم در پردہ مجھے خوب صورت کہہ رہی ہو۔" وہ بمشکل مسکراہٹ روکتے ہوئے بولا۔

"میں در پردہ نہیں تمہارے سامنے بھی تمہیں ہینڈسم بولتی ہوں۔" وہ اب غصے سے دور کھڑی لنڈا کو گھور رہی تھی جو ہنس ہنس کر فرقان سے باتیں کر رہی تھی۔

"تم خوامخواہ غصہ کر رہی ہو۔ وہ بالکل نارمل طریقے سے بات کر رہی تھی۔"

"نہیں وہ نارمل نہیں تھا۔" وہ غصے سے بولی۔

"چلو مان لیا۔ وہ نارمل نہیں تھا لیکن میں نارمل تھا۔ مجھے فرق نہیں پڑتا۔ وہ کیا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔"

ضامن کے کہنے پر فوراً علیزہ کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔ اب کے اس نے مسکراتی نظر اس پر ڈالی۔

"ہاں تمہارے بارے میں تو میں کہہ سکتی ہوں۔ تم فلرٹی نہیں تم نے اپنی فیلنگز صرف اپنی بیوی کے لیے رکھی ہیں۔"

"بالکل۔" اس نے مسکرا کر کندھے اچکائے۔

"اسی لیے تو تم مجھے پسند ہو۔" علیزہ نے فخریہ نظر اپنی پسند پر ڈالی۔

"چلو تمہیں اپنے باس سے ملواتی ہوں۔"

"چلو!" وہ مسکرا کر اس کے ساتھ چل دیا۔

"سوری یار علیزہ پتا نہیں کس کس سے ملوا رہی تھی۔ تم بور تو نہیں ہوئے۔" فرقان کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے وہ معذرت خواہ انداز میں بولا۔

''بور تو میں ہوسکتا تھا لیکن یہاں کا ماحول اور لڑکیوں نے مجھے بور ہونے نہیں دیا۔ ابھی ایک خوب صورت لڑکی مجھے ڈرنک کا پوچھ کر گئی ہے تو دوسری ڈانس کے لیے آفر کر رہی تھی۔'' فرقان کی بات پر ضامن کھل کر ہنسا تھا۔

''پھر تو تمہیں یہاں موجود نہیں ہونا چاہیے تھا۔ بلکہ اس آفر سے فائدہ اٹھانا چاہیے تھا۔''

''ہاں ضرور اٹھا لیتا اگر میرے ماں باپ مذہبی نہ ہوتے۔ اگر میرے والد محترم کو پتا چلا کہ میں ایک لڑکی کے ساتھ ناچا ہوں اور میں نے حرام مشروب کو چھوا بھی ہے تو اس عمر میں بھی وہ مار مار کر میری چمڑی ادھیڑ دیں گے۔''

''بے چارہ میرا دوست!'' ضامن نے اورنج جوس پیتے اس کا مذاق اڑایا۔

''ہاں بھئی اڑا لے مذاق، تجھے جو دنیا کے کول ترین پیرنٹس ملے ہیں۔ آنٹی لبرل مائینڈڈ اور انکل بہت کائنڈ اور فرینڈلی، وہ دونوں تمہیں نا صرف سمجھتے ہیں بلکہ ہر صورت میں سپورٹ کرتے ہیں۔ اور پرفیکٹ ہسبنڈ وائف میں نے کبھی ان کو لڑتے نہیں دیکھا۔''

فرقان کے کہنے پر اس نے گہرا سانس لے کر اسے دیکھا فرقان اپنی ہی دھن میں مگن بات کر رہا تھا۔

''اور ہائے واوے تم تو مجھے ایسے باتیں کر رہے ہو جیسے تم تو ضرور اس آفر سے فائدہ اٹھا لیتے۔'' فرقان نے اب ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

''ہوسکتا ہے اٹھا لیتا۔'' ضامن نے بھی ابرو اچکا کر جیسے اسے چیلنج کیا۔

''اچھا!'' فرقان کے چہرے پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ آئی۔

''جاؤ پھر سامنے اسٹیج تمہارا انتظر ہے۔''

فرقان کے کہنے پر اس نے گردن گھما کر اسٹیج کی طرف دیکھا جہاں بے ہنگم شور میں لڑکے لڑکیاں بے ہودہ انداز میں ناچ رہے تھے۔ ضامن نے سر جھٹکا اور مسکرا کر فرقان کو دیکھا۔

''کیوں اب بولتی بند ہوگئی۔'' فرقان نے اس کا مذاق اڑایا۔

''بالکل نہیں لیکن میں تمہاری طرح خوش قسمت نہیں افسوس مجھے کسی لڑکی نے ڈانس کی آفر نہیں کی۔''

''نہیں بھائی تم زیادہ خوش نصیب ہو۔ دیکھو تمہاری گرل فرینڈ تمہیں ڈانس کے لیے بلا رہی ہے۔''

فرقان کے کہنے پر اس نے گردن گھما کر ڈانس فلور کی طرف دیکھا جہاں علیزہ کچھ لڑکے اور لڑکیوں کے ساتھ ڈانس کر رہی تھی اور اس کو اشارے سے بلا رہی تھی۔ ضامن نے حیرت سے اسے دیکھا جو بہت مست ہو کر ڈانس کر رہی تھی اور جس طرح سے وہ ڈانس کر رہی تھی اس سے اندازہ ہو رہا تھا وہ پہلے بھی اس طرح کا ڈانس کر چکی ہے۔ فرقان بھی حیرت سے سامنے فلور پر تھرکتی علیزہ کو دیکھ رہا تھا۔

''پارٹی تو ابھی شروع ہوئی ہے۔'' فرقان نے مسکراتے ہوئے نظریں گھما کر ضامن کی طرف دیکھا جو اپنا بایاں ہاتھ ہونٹوں پر جمائے سامنے دیکھ رہا تھا اس نے آدھا چہرہ ہاتھ سے چھپا رکھا تھا جس سے فرقان کو اس کے تاثرات کا اندازہ نہیں کر پایا۔

علیزہ اب ہاتھ ہلا کر ضامن اور فرقان دونوں کو ڈانس کے لیے بلا رہی تھی۔

''علیزہ بلا رہی ہے۔'' فرقان نے ضامن کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''تم جاؤ۔'' ضامن نے سنجیدگی سے فرقان سے کہا۔ تب ہی علیزہ نے اسے آواز دی تھی۔

''آؤ نا!'' اس کے بلانے پر ضامن نے بھنچے ہونٹوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایا جب ضامن نہیں اٹھا تو وہ فلور سے اتر کر اس کے ٹیبل تک آئی۔

''اٹھو نا ضامن، چلو ڈانس کرتے ہیں اتنا مزہ آ رہا ہے۔'' وہ اس کا بازو کھینچتے ہوئے بولی۔

''علیزہ! میرا موڈ نہیں۔''

”اوکم آن ضامن! کتنے نخرے کرتے ہو تم تو ایسے بی ہیو کر رہے ہو جیسے پہلے تم نے کبھی پارٹی میں ڈانس نہیں کیا۔“

”کیا ہے لیکن ایسا پاگلوں والا نہیں کیا۔“ اس نے ڈانس فلور کی طرف اشارہ کیا جہاں سب بے ہنگم انداز میں ناچ رہے تھے۔

”مجھے کچھ نہیں پتا۔ چلو میرے ساتھ۔“ وہ اس کا بازو کھینچتی ہوئی اسے ڈانس فلور پر لے گئی اس نے پیچھے مڑ کر فرقان کو آنے کا اشارہ کیا جس نے مڑے سے ہاتھ ہلا کر منع کر دیا۔ علیزہ زبردستی اس کا بازو پکڑ کر اسے ڈانس کرنے کے لیے مجبور کر رہی تھی۔

اس کے گرد ناچتے اس کے دوست اب ایک دوسرے کو پکڑ کر گھما رہے تھے۔ تبھی کیلاش کا ہاتھ تھامے گول گول گھومتی علیزہ نے ایک دم سر تھاما اور تیزی سے فلور سے نیچے اتری اس سے پہلے وہ واش روم کی طرف بڑھتی وہ ایک دم منہ پر ہاتھ رکھتے جھکی اور اگلے ہی پل وہ پیٹ پکڑے الٹیاں کر رہی تھی۔ ضامن جو اسے ہی دیکھ رہا تھا تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور علیزہ کو جھکتے دیکھ فرقان بھی تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھا۔

”علیزہ تم ٹھیک ہو۔“ ضامن نے جھک کر پریشانی سے علیزہ کا چہرہ دیکھا وہ اب ہتھیلیاں فرش پر ٹکائے گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ تبھی لنڈا اور کیلاش بھاگتے ہوئے آئے۔

”آر یو او کے۔“ لنڈا جھک کر اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

”پتا نہیں بس سب کچھ گھوم رہا ہے۔“

”منع بھی کیا تھا اتنی زیادہ نہ پیو۔ دیکھو اب اپنی حالت۔“ لنڈا اس کی پشت سہلاتے ہوئے بولی تو ضامن نے بے یقینی سے علیزہ کی طرف دیکھا جو آنکھیں بند کیے تھی۔

”مجھے گھر چھوڑ دو۔“ علیزہ گہرے سانس لیتے بولی۔

”یار ابھی تو سر نے کچھ خاص اناؤنس بھی کرنا ہے ابھی پارٹی چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ ایسا کرو ازی کچھ دیر ریسٹ روم میں لیٹ جاؤ پھر ہم تمہیں گھر چھوڑ آئیں گے۔“ کیلاش کے کہنے پر لنڈا نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

”میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔“ علیزہ نے بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ کہا تو لنڈا نے بے چارگی سے ضامن کی طرف دیکھا۔

”اٹس او کے ہم علیزہ کو لے جائیں گے۔ تم لوگ پارٹی انجوائے کرو۔“ بڑی وقت سے ضامن بولنے کے قابل ہوا تھا۔

”چلو علیزہ اٹھو۔“ فرقان اور ضامن دونوں نے اسے دائیں بائیں بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔

علیزہ اٹھ تو گئی تھی لیکن بالکل حواسوں میں نہیں لگ رہی تھی قدم الگ ڈگمگا رہے تھے۔ وہ دونوں اسے لیے لفٹ میں آ گئے۔ علیزہ کے دائیں بائیں کھڑے وہ دونوں سخت پریشان تھے کیونکہ علیزہ کبھی بڑبڑانے لگتی اور کبھی خود ہی ہنسنا شروع کر دیتی۔ ضامن نے ہونٹ بھینچے فرقان کی طرف دیکھا وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

اس سے پہلے وہ کوئی بات کرتے علیزہ ایک دم ضامن کی طرف مڑی اور دونوں بازو اس کی گردن کے گرد گھیرے کی صورت میں باندھ لیے ضامن نے حیرت اور بے یقینی سے اپنے بہت قریب کھڑی علیزہ کو دیکھا۔

”ضامن! تم کتنے اچھے ہو کتنے ہینڈسم، پتا ہے وہاں سب لڑکیاں تمہیں دیکھ رہی تھیں اور مجھے بہت برا لگ رہا تھا۔“

وہ رک رک کر اٹک اٹک کر بول رہی تھی اس نے کہنے کے ساتھ اس کی گردن سے ایک بازو نکال کر اس

pklibrary.com

کے گال پر اپنا ہاتھ رکھا ضامن نے پریشانی سے اس کی طرف دیکھا وہ بہکی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"علیزہ!" اس نے اس کو پکارتے ہوئے گال پر رکھا اس کا ہاتھ ہٹایا اور اپنے دوسرے ہاتھ سے اپنی گردن کے گرد لپٹا اس کا بازو نکال کر اسے خود سے دور کرنا چاہا لیکن وہ اس کے دونوں ہاتھ جھٹک کر مزید اس کے ساتھ چپک گئی۔

ضامن نے اب گھبرا کر فرقان کی طرف دیکھا جو حیرت سے علیزہ کی حرکتیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے دیکھنے پر وہ شہادت کی انگلی سے اپنی آنکھیں مسلنے لگا۔

"ضامن میں تمہیں کتنا چاہتی ہوں لیکن تم نے کبھی اپنی چاہت کا اظہار نہیں کیا۔" وہ اس کا چہرہ دیکھتے شکوہ کر رہی تھی۔

شکر تھا لفٹ کا دروازہ کھل گیا تھا۔ فرقان تیزی سے باہر نکلا اور اس کے پیچھے بمشکل چلتی علیزہ کو سہارا دیئے ضامن نکلا۔

گاڑی میں مکمل خاموشی تھی دونوں ہی کسی سوچ میں گم تھے۔

"کیا تم بھی وہی سوچ رہے ہو جو میں سوچ رہا ہوں۔"

کچھ دیر خاموشی کے بعد ضامن کی آواز گونجی تو فرقان نے ایک نظر ڈرائیو کرتے ضامن کو دیکھ کر گردن پیچھے موڑ کر پچھلی سیٹ پر لیٹی علیزہ کو دیکھا۔

"ہاں ہم کافی سالوں سے علیزہ کو جانتے ہیں یہ ایسی لڑکی نہیں بہت سینس ایبل ہے۔ اس کی فرینڈز عجیب تھیں شاید!" وہ رکا۔ "یقیناً انہوں نے اس کی ڈرنک میں کچھ ملایا ہوگا تبھی اس کی ایسی حالت ہوئی ہے اور نشے کی وجہ سے وہ ایسا ڈانس کر رہی تھی۔ ورنہ علیزہ کافی ڈیسنٹ ہے۔" فرقان نے اپنے ساتھ ساتھ ضامن کو بھی تسلی دی تھی۔

"ہوں صحیح کہہ رہے ہو۔" ضامن نے گہرا سانس لیا۔

"یار مجھے ٹینشن ہو رہی ہے پتا نہیں اس کی مام کیسے ری ایکٹ کریں گی اسے کو ایسی حالت میں دیکھ کر۔ یقیناً وہ کافی پریشان ہو جائیں گی ابھی اسے اتنی مشکل سے ہینڈل کیا ہے پتا نہیں وہاں کیا سچویشن بنتی ہے۔" ضامن تھوڑا پریشان لگ رہا تھا۔

"ریلکس رہو یار! اس سب میں ہمارا تو کوئی قصور نہیں نا۔"

"ہاں ہمارا قصور نہیں۔ پر وہ ہماری دوست ہے ہمارے ساتھ تھی تو ہماری ذمہ داری بنتی تھی اس کا خیال رکھنے کی۔" ضامن کی بات پر فرقان نے ماتھے پر بل ڈال کر اسے دیکھا۔

"وہ کوئی چھوٹی بچی نہیں جسے اپنا اچھا برا پتا نہیں تھا کیا اس کو سافٹ ڈرنک اور الکوحل میں فرق نہیں پتا ہو گا۔" فرقان نے ابرو اچکا کر ضامن کی طرف دیکھا تو وہ ہونٹ بھینچ کر سامنے دیکھنے لگا۔

علیزہ کے گھر کے سامنے گاڑی روک کر وہ دونوں نیچے اترے۔ ضامن نے پچھلا دروازہ کھول کر علیزہ کو آواز دی۔ اور اسے دونوں بازو سے پکڑ کے گاڑی سے باہر نکالا بنا سہارے کھڑے ہونے پر وہ اب لڑکھڑا رہی تھی۔ فرقان تیزی سے آگے بڑھا اور اسے بازو سے پکڑ کے سہارا دیا۔

"فرقان!" اسے دیکھتے وہ مسکرائی "تم ہمیشہ میرے اور ضامن کے درمیان کیوں آجاتے ہو۔"

وہ لڑکھڑاتے لہجے میں آنکھیں چھوٹی کیے فرقان کو گھورتے ہوئے بولی۔

"لیکن جو بھی ہو یاد رکھنا میں ضامن کو کسی کا ہونے نہیں دوں گی۔ یہ صرف میرا ہے۔" ضامن نے گھبرا کر فرقان کی طرف دیکھا جو بے چارہ خود ہکا بکا تھا۔

pklibrary.com

''علیزہ۔'' ضامن نے غصے سے اس کا نام لیا اور سہارے کے لیے دیا بازو ہٹا لیا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد وہ دونوں ہاتھ ٹراوزر کی جیبوں میں ڈالے اضطرابی انداز میں ٹانگ ہلانے لگا۔ دروازہ کھلتے ہی عائزہ کی مام کا چہرہ نظر آیا تو ضامن نے شکر ادا کیا۔ اس کے پاپا نہیں تھے۔

''اس کو کیا ہوا؟'' علیزہ کی مام نے لڑکھڑاتی علیزہ کو دیکھا تو ضامن کے ساتھ فرقان نے خود کو سخت باز پرس کے لیے تیار کیا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر علیزہ کو تھاما اور اندر کی طرف بڑھیں اور پھر پیچھے مڑ کر انہیں دیکھا۔

''ارے تم لوگ باہر کیوں کھڑے ہو اندر آؤ نا۔''

ان کے کہنے پر وہ دونوں ایک دوسرے کو ایک نظر دیکھتے اندر کی طرف بڑھے۔

''کتنی بار اس لڑکی کو سمجھا چکی ہوں لیکن اس نے بس اپنی مرضی کرنی ہوتی ہے ابھی اس کے پاپا یہاں ہوتے تو ضرور دونوں باپ بیٹی میں جھڑپ ہو جاتی۔''

وہ اس پر کمبل ڈالتے ہوئے بڑبڑا رہی تھیں۔

''بیٹھو نا تم لوگ۔'' کمبل اوڑھا کر انہوں نے مسکرا کر ان دونوں کو دیکھا جو پریشانی سے علیزہ کو دیکھ رہے تھے۔

''ارے پریشانی کی کوئی بات نہیں صبح تک ٹھیک ہو جائے گی۔ ہمیشہ دو گلاس سے زیادہ پی لے تو خود کو ہینڈل کرنا اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔'' وہ بڑے آرام سے اس کی اس حرکت کو جسٹیفائی کر رہی تھیں۔

''لیکن لنڈا اور کیلاش ساتھ ہوتے ہیں تو مجھے اتنی فکر نہیں ہوتی اور آج تو تم لوگ بھی ساتھ تھے اچھا ہے۔'' وہ مسکرا کر دونوں کے سنجیدہ چہرے دیکھنے لگیں۔

''علیزہ بہت ذکر کرتی ہے تم دونوں کا۔ تم لوگ بیٹھو۔ میں کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔''

''نہیں آنٹی دیر ہو چکی ہے ہم بس اسے چھوڑنے آئے تھے پھر کبھی آپ کے ہاتھ کی کافی پئیں گے۔ اب اجازت دیں۔''

ضامن کو چپ دیکھ کر فرقان جلدی سے بولتا کھڑا ہوا تو ضامن بھی کھڑا ہو گیا۔ ''بہت اچھا لگا تم لوگوں سے مل کر لیکن افسوس زیادہ بات نہیں ہو سکی۔''

''کوئی بات نہیں آنٹی پھر کبھی۔'' فرقان کی نظریں ضامن کے سنجیدہ چہرے پر بار بار جا رہی تھیں اس لیے وہ جلدی جلدی بات کو نمٹا رہا تھا وہ دونوں تیزی سے باہر نکلے۔

گاڑی چلاتے فرقان نے ایک نظر ضامن کی طرف دیکھا جو علیزہ کے گھر سے اب تک بالکل خاموش تھا۔

''اتنے چپ کیوں ہو۔'' آخر فرقان نے پوچھ ہی لیا۔

''چھلانگیں مارنے والی بھی کوئی بات نہیں ہوتی۔'' ضامن نے سامنے دیکھتے کہا۔ فرقان خاموش ہو گیا۔

''علیزہ کی مام کو بالکل حیرت نہیں ہوئی کہ وہ نشے میں ہے بلکہ ان کی باتوں سے لگ رہا تھا وہ عادی ہیں اسے ایسے دیکھنے کی۔'' وہ افسوس سے بول رہا تھا۔

افسوس تو فرقان کو بھی ہوا تھا۔ لیکن اسے فرق اس لیے نہیں پڑ رہا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا ضامن کی جیون ساتھی کے لیے کیا سوچ ہے۔

''غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے ضامن۔'' فرقان کے کہنے پر اس نے افسوس سے اس کی طرف دیکھا اور سر جھٹک کر باہر دیکھنے لگا۔

☆☆☆

بھاری ہوتے سر اور دکھتی آنکھوں کے ساتھ اس نے اردگرد کا جائزہ لیا۔ وہ اپنے کمرے میں اپنے بیڈ پر تھی

pklibrary.com

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے بالوں کو سنوارا، آنکھیں بند کر کے یاد آنے پر اسے جھٹکا لگا اسے یاد آیا وہ گاڑی میں ضامن اور فرقان کے ساتھ تھی۔ وہی اسے یہاں لے کر آئے تھے۔

''اف!'' اس نے غصے اور افسوس سے مٹھیاں بھینچ لیں کچھ دیر خود کو کوسنے کے بعد وہ باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔

شاور لینے کے بعد وہ خود کو کافی فریش محسوس کر رہی تھی جب وہ نیچے آئی تو اس کی ماں اور بہن لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔ وہ جا کر ان کے سامنے بیٹھ گئی۔

''کل مجھے یہاں کون چھوڑ کر گیا تھا؟'' یہ سوال کرتے اس نے کتنی مرتبہ دعا کی تھی جو اسے یاد آ رہا ہے وہ سچ نہ ہو۔

''ضامن اور فرقان آئے تھے۔'' اپنی ماں کے منہ سے یہ دو نام سن کر بے ساختہ اس نے دونوں آنکھیں زور سے بند کیں اور سر صوفے کی پشت سے ٹکا دیا۔

''ایک کپ کافی مل سکتی ہے۔'' اس نے آنکھیں کھول کر چھوٹی بہن سے کہا تو وہ منہ بناتی اٹھ گئی۔

''کیا ہوا تم پریشان کیوں ہو۔''

''مجھے ڈرنک نہیں کرنا تھا اور نہ میں چاہتی تھی۔ ضامن کو پتا چلتا اسے بالکل اچھا نہیں لگا ہوگا۔'' وہ اب پریشانی سے اپنی ہتھیلیوں کو مسل رہی تھی۔

''کیا اس نے کچھ کہا تھا آپ سے۔''

''نہیں بس تمہیں اس حالت میں دیکھ کر پریشان لگ رہا تھا۔''

''پریشان!'' علیزہ نے پرسوچ انداز میں یہ لفظ دہرایا۔''وہ غصے میں یا ناراض تو نہیں تھا۔''

فرح نے حیرت سے بیٹی کا سوال سنا۔

''ناراض تو نہیں لگا لیکن اگر تھا بھی تو کیا فرق پڑتا ہے۔'' وہ لاپروائی سے بولیں تو علیزہ نے غصے سے انہیں دیکھا۔ ''مجھے اس کی ناراضی سے فرق پڑتا ہے کیونکہ میں اسے پسند کرتی ہوں اور اس سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔''

''یہ تو میں کب سے سن رہی ہوں۔ تم اس سے شادی کرنا چاہتی ہو اس چکر میں کئی رشتے ٹھکرا چکی ہو پر کیا وہ بھی تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔'' علیزہ کے چیخنے پر وہ ناراضی سے بولیں۔

''ہاں وہ بھی چاہتا ہے۔''

''تو اب تک اس کا پرپوزل کیوں نہیں آیا۔'' وہ جرح کرتے بولیں۔

''وہ بھی ضرور آئے گا۔'' وہ کچھ سوچتے بولی۔ ''بس اسے یہ پتا نہیں چلنا چاہیے تھا۔'' وہ اب بھی پریشان تھی کیونکہ وہ ضامن کو جانتی تھی۔

''اگر اتنی فکر تھی تو نہ پیتیں، میرے کہنے کا تو تم پر اثر نہیں ہوتا۔'' فرح طنزیہ انداز میں بولیں تو وہ غصے سے وہاں سے اٹھ گئی۔

☆☆☆

صوفے کی بیک سے ٹیک لگائے نیم وا آنکھوں سے وہ ٹی وی دیکھ رہا تھا جہاں مانچسٹر یونائیٹڈ کا فٹ بال میچ آ رہا تھا۔ دروازہ کھلنے پر اس نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا جہاں ہاشم علی دونوں ہاتھوں میں شاپنگ بیگز لیے اندر آ رہے تھے۔

''تم اٹھ گئے؟'' اس پر نظر پڑتے وہ مسکراتے ہوئے بولے اور بیگز لے کر کچن میں چلے گئے وہ دوبارہ

pklibrary.com

گردن موڑ کر ٹی وی دیکھنے لگا۔

''اف تھک گیا۔'' وہ اس کے قریب بیٹھتے تھکے ہوئے انداز میں بولے۔

''آپ کہاں گئے تھے۔''

''فضا کو واپس جانا تھا اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے اسے اسٹیشن چھوڑنے تم نے جانا تھا۔''

ان کے کہنے پر وہ ایک دم سیدھا ہوا اور افسوس سے اپنا ہاتھ سر پر پھیرا۔

''اف میرے ذہن سے بالکل ہی نکل گیا۔ آپ مجھے جگا دیتے۔''

''ہاں۔ میں نے سوچا تھا پر فضا نے منع کر دیا اور مجھے بھی مناسب نہیں لگا کیونکہ تم رات لیٹ آئے تھے تو مجھے لگا تم تھکے ہو اس لیے میں فضا کو خود چھوڑنے چلا گیا ویسے بھی مجھے شاپنگ کے لیے جانا تھا کیونکہ آج تمہاری خالاؤں نے آنا تھا۔''

کہنے کے بعد وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگے۔ لیکن وہ کوئی رسپانس دیئے بغیر ٹی وی دیکھتا رہا۔

''کیا بات ہے ضامن! پرسوں بھی تم لیٹ آئے تھے اور کل بھی تم تقریباً سارا دن غائب رہے۔ کوئی پریشانی ہے۔''

''نہیں ڈیڈی! ایسا کچھ نہیں بس لونگ ویک اینڈ تھا تو پارٹی وغیرہ میں بزی تھا۔''

''تمہیں تو اپنی ماں کی طرح پارٹیز پسند ہیں پھر اتنی بےزار شکل کیوں بنائی ہے۔''

''کچھ نہیں ڈیڈی بس تھکا ہوا ہوں۔'' انہوں نے غور سے اس کی شکل دیکھی لیکن مزید پوچھا نہیں۔

''میں اپنے لیے مفن لایا ہوں اور مجھے لگتا ہے تم نے بھی ابھی ناشتا نہیں کیا تو دونوں باپ بیٹا کافی کے ساتھ انجوائے کرتے ہیں۔''

''چلیں میں آپ کی ہیلپ کرتا ہوں۔'' وہ بھی ان کے ساتھ اٹھ کر کچن میں آ گیا۔

☆☆☆

''پتا نہیں وہ آدمی مجھ سے چاہتا کیا ہے جب میں اس کے معاملات میں دخل نہیں دیتی تو وہ کیوں میرے معاملات میں دخل دیتا ہے۔'' چنکی خالہ نے غصے سے سر جھٹکا تو شاہینہ نے پیار سے اس کا ہاتھ سہلایا۔

''آپا آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں۔ آپ بچوں کی ماں ہیں ان کے بارے میں فیصلہ کر سکتی ہیں۔''

''ہاں یہی سوچ کر نمرہ کا رشتہ طے کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کے باپ نے پتا نہیں اس کے دماغ میں کیا خناس بھرا ہے۔ وہ باپ کے رشتے داروں میں شادی کرنے کے لیے تیار ہو گئی ہے۔''

ضامن اور ہاشم علی خاموشی سے دونوں بہنوں کو باتیں سن رہے تھے۔

''شکر ہے عادل، شاہد بھائی کی طرح کھڑوس نہیں میں جب بھی فضا کے لیے کوئی فیصلہ کروں گی وہ ٹانگ نہیں اڑائے گا۔'' چنکی خالہ کے لہجے میں اطمینان ہی اطمینان تھا۔

''پتا نہیں ان بہنوں کو سسرال اور شوہروں سے کیا الرجی ہے۔'' ساتھ بیٹھے ہاشم کی بڑبڑاہٹ ضامن کو صاف سنائی دی تھی ''کچھ کہہ رہے ہو ہاشم!'' ساتھ بیٹھی چنکی نے الجھ کر انہیں دیکھا۔

''نہیں آپا میں تو شاہد بھائی پر افسوس کر رہا تھا۔''

''ہاں بالکل وہ آدمی ہے ہی افسوس کے قابل۔'' ہمدردی ملتے ہی وہ پھر شاہد نامہ شروع کر چکی تھیں۔ تب ہی اطلاعی گھنٹی بجنے پر ہاشم علی اٹھ کر گئے تھے۔ دروازے میں کھڑی علیزہ کو دیکھ کر وہ پہلے حیران ہوئے پھر مسکرا دیئے۔

''علیزہ! واٹ آ پلیزنٹ سرپرائز۔''

pklibrary.com

''ہائے انکل ہاؤ آر یو۔''

''گڈ آؤ۔'' اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

''لک ایوری ون، کون آیا ہے۔'' ہاشم علی کی آواز پر کھانا کھاتے سب نفوس نے دروازے کی طرف دیکھا اور ہاشم علی کے ساتھ علیزہ کو دیکھ کر بے ساختہ انداز میں ضامن کے تاثرات سنجیدہ اور سپاٹ ہو گئے۔

''یہ پریٹی لڑکی کون ہے شاہینہ!'' پنکی خالہ نے علیزہ کو دیکھ کر پوچھا۔

''او علیزہ بہت اچھا لگا تمہیں دیکھ کر۔ کتنے سالوں پہلے دیکھا تھا تمہیں کافی بدل گئی ہو اور کافی پریٹی لگ رہی ہو۔''

شاہینہ نے گلے لگا کر پیار کرتے ہوئے اس کی تعریف کی تو اس نے مسکرا کر ضامن کی طرف نظر کی جو بے نیاز بنا اپنی پلیٹ پر جھکا تھا۔

''بھئی، شاہینہ خود ہی لگ گئی ہو۔ مجھے بھی بتاؤ کون ہے۔''

''آپا! یہ ضامن کی فرینڈ ہے کالج ٹائم سے۔'' شاہینہ کے تعارف کروانے پر پنکی اور چنکی نے ابرو اچکا کر پہلے علیزہ کو اور پھر ضامن کو دیکھا۔

''ضامن! تم نے بتایا ہی نہیں کبھی کہ تمہاری اتنی پریٹی گرل فرینڈ ہے۔ آؤ ہنی بیٹھو ہمارے ساتھ۔'' انہوں نے کہا۔ وہ ان سے باتیں کرتے ہوئے گاہے بگاہے ضامن پر بھی نظر ڈال رہی تھی۔

''ویسے میں ہمیشہ ضامن سے کہتی ہوں تمہیں گھر لے کر آئے لیکن یہ ہمیشہ ٹال جاتا ہے۔''

شاہینہ کے کہنے پر چنکی اور پنکی نے ضامن کی طرف دیکھا۔

''کیوں ضامن کیوں لے کر نہیں آتے عائزہ۔''

''میں نے کبھی منع تو نہیں کیا۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''ہمارا ہنی بڑا شرمیلا ہے۔'' چنکی کے کہنے پر علیزہ نے شرارتی انداز میں ہونٹ بھینچے جبکہ ضامن نے افسوس سے سر ہلایا۔ ہنی اس کا نک نیم تھا جو اس کی خالاؤں نے دیا تھا اور اس کے منع کرنے کے باوجود وہ ہر کسی کے سامنے اسے ہنی کہہ دیتی تھیں۔

''کیوں علیزہ! یہ واقعی شرمیلا ہے یا ہمارے سامنے بنتا ہے۔'' اس کی دونوں خالائیں اس کی ٹانگ کھینچ رہی تھیں جس میں اس کی ماں بھی شامل ہو گئی تھی۔

''اوکے آنٹی! تھینک یو ویری مچ۔ بہت اچھا لگا آپ سے مل کر اور کھانا بہت اچھا تھا انکل!'' کھانے کی میز پر اسے پتا چل گیا تھا کہ کھانا ہاشم علی نے بنایا ہے۔

''آتی رہنا علیزہ۔'' اسے سی آف کرتے ہوئے شاہینہ نے کہا تو وہ مسکرا کر سر ہلا کر باہر آ گئی۔

ضامن اس کو چھوڑنے روڈ تک آیا تھا۔ علیزہ نے سر گھما کر ساتھ چلتے ضامن کو دیکھا جو دونوں ہاتھ جینز کی جیبوں میں ڈالے سامنے دیکھتے چل۔ رہا تھا۔

''کیا ہم بات کر سکتے ہیں ضامن؟'' اسے مسلسل خاموش دیکھ کر علیزہ اسے بولنا پڑا۔

ضامن اب بھی کچھ نہیں بولا لیکن رک گیا اور رخ موڑ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''تم دو دن سے میرے فون کو اوائیڈ کر رہے ہو نہ میسج کا ریپلائے کر رہے ہو، ہوا کیا ہے۔'' وہ پریشانی سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''تمہیں نہیں پتا کیا ہوا ہے۔'' اس کے انجان بننے پر اب ضامن کو غصہ آیا۔

''ہاں مجھے نہیں پتا۔''

pklibrary.com

''علیزہ تم نے پارٹی میں ڈرنک کی تھی۔''

''نہیں ضامن! میں نے جان بوجھ کر ڈرنک نہیں کی مجھے لگتا ہے کیلاش یا لنڈا نے میرے ڈرنک میں کچھ ملا دیا تھا ورنہ میں تو صرف اورنج جوس لیا تھا۔'' وہ بڑے دھڑلے سے جھوٹ بول رہی تھی اس جھوٹ پر ضامن نے ہونٹ بھینچ کر خود کو کچھ سخت کہنے سے روکا۔

''پہلے مجھے لگا کہ یہ سب غلطی سے ہوا ہو گا لیکن افسوس میرا اندازہ غلط تھا اور اس کی تصدیق تمہاری ماما نے کر دی تھی۔ ان کے مطابق دو گلاس کے بعد تم سے ہینڈل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس بات کا مطلب سمجھاؤ گی مجھے۔''

ضامن کے لہجے میں محسوس کی جانے والی ناراضی پر علیزہ نے بے ساختہ انداز میں اپنے ہاتھ کی مٹھیاں بنا کر خود پر ضبط کا پہرہ بٹھایا لیکن گھر جا کر وہ اپنی ماں کو ضرور سنانے والی تھی جو ہر ایک کے سامنے ہر بات بتا دیتی تھیں۔ اب جب راز کھل ہی گیا تھا تو وہ مزید ایکٹنگ نہیں کر سکتی تھی۔

''اب تم اوور ری ایکٹ کر رہے ہو ضامن! یہ کینیڈا ہے ہم یہاں پیدا ہوئے۔ یہیں رہتے ہیں اور یہاں یہ عام بات ہے۔''

''یہ عام بات عام لوگوں کے لیے ہے، ہماری کچھ فیملی ویلیوز ہیں جن میں ان چیزوں کی جگہ نہیں اور دوسرا ہمارا مذہب ہمیں اس کی اجازت نہیں دیتا۔''

علیزہ نے پوری آنکھیں کھول کر ہونٹوں کو سکیڑا۔ ''تم اکیلے مسلمان نہیں ضامن! میں بھی مسلمان ہوں اس لیے ایسا ری ایکٹ کرنے کی ضرورت نہیں جیسے میں ڈرنک کرنے سے اسلام کے دائرے سے خارج ہو گئی ہوں۔ میرے پاپا ڈرنک کرتے ہیں انہوں نے کبھی مجھ پر کوئی پابندی نہیں لگائی کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ مجھے اچھے برے کی تمیز ہے اور دوسرا تمہیں بھی پتا ہے تمہاری پنکی خالہ بھی ڈرنک کرتی ہیں۔''

اس کی خالہ کا نام لے کر شاید وہ اسے جتانا چاہتی تھی کہ اس کی فیملی بھی دودھ کی دھلی نہیں۔ ضامن نے غور سے علیزہ کا چہرہ دیکھا جہاں ہٹ دھرمی واضح تھی۔

''اپنی غلطی چھپانے کے لیے فضول ایکسکیوز دینا بند کرو علیزہ! غلطی نہ ماننے سے غلطی بدل نہیں جاتی۔ اگر تمہیں اپنی اس حرکت پر کوئی افسوس نہیں تو ٹھیک ہے پھر ایکسپلین کیوں کر رہی ہو۔''

اس کا غصیلا ناراض چہرہ ایک بار پھر سپاٹ ہو گیا تو علیزہ کو جیسے ہوش آیا۔

''آئی ایم سوری ضامن! میں شاید کچھ زیادہ ہی بول گئی۔ تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میری غلطی ہے ڈرنک کرنا اچھی بات نہیں لیکن یقین کرو۔ میں ریگولر نہیں پیتی پہلی بار لنڈا کے کہنے پر پی تھی اور اب بھی غلطی سے پی تھی میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن میں وعدہ کرتی ہوں۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا پلیز آئی ایم سوری مجھ سے ناراض نہ ہو۔'' وہ بے چاری سی شکل بنا کر بولی تو ضامن گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

☆☆☆

آج کی میٹنگ بہت خاص تھی کیونکہ وہ ملائشیا کی کمپنی کے ساتھ ڈیلنگ کرنے والے تھے اور یہ کمپنی نئی تھی اور اس ڈیل سے پرافٹ بھی زیادہ ملنے کی امید تھی۔ اس لیے غلام عباس نے اس کی مکمل ذمہ داری اسے دی تھی اور اس نے بھی اپنی تیاری اچھے سے کی تھی۔ وہ میٹنگ روم میں ملائشیا سے آئے ڈیلیگیشن کو اپنے پروجیکٹ کے متعلق بریفنگ دے رہا تھا جب اس کا فون بجا، فون اسکرین پر ناہید خالہ کا نام جگمگا رہا تھا۔ اس نے ایک نظر دیکھ کر فون سائلنٹ پر کر دیا اور دوبارہ ان سے بات کرنے لگا لیکن کچھ دیر فون دوبارہ وائبریٹ ہونے لگا اس نے اسکرین کی طرف دیکھا۔

ناہید خالہ کی کال تھی اب اس کے ماتھے پر شکنیں نمودار ہوئے۔ اس نے اب فون ڈسکنکٹ کر کے اسکرین کو الٹ دیا۔ فون دوبارہ وائبریٹ ہونے لگا تو اس نے ہونٹ بھینچ کر سامنے دیکھا سامنے بیٹھے لوگوں کے تاثرات میں ناگواری سی تھی۔ اس نے مسکرا کر ان سے معذرت کی اور دوبارہ سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا جہاں سے ٹوٹا تھا۔ اب وہ لوگ اپنی ڈیمانڈز کے بارے میں بتا رہے تھے جب دوبارہ اس کا فون بجا اس نے بے ساختہ دانت پیسے اب کہ آنے والا نمبر کومل کا تھا وہ حیران ہوا ایسی کیا بات ہوگئی تھی جو اسے بار بار کال کی جا رہی تھی اس سے پہلے وہ سمجھتا کال بند ہوگئی۔ پھر نوٹیفیکیشن شو ہوا تو اس نے ہونٹ بھینچے میسج کھولا۔

”حارث بھائی کیا آپ آ سکتے ہیں ابھی ایمرجنسی ہے کومل کی طبیعت بہت خراب ہوگئی ہے۔“ میسج پڑھ کر اس نے اضطرابی انداز میں اپنی پیشانی مسلی۔

”جنٹلمین آئی تھنک ٹرمز کنڈیشن اچھی طرح آپ کو سمجھ میں آ گئی ہیں اور ہماری پروڈکٹ کی کوالٹی اور مینوفیکچرنگ پروسیس کا وزٹ مسٹر مسرور آپ کو کروا دیں گے۔“

اس نے دائیں طرف بیٹھی اپنی سیکریٹری کی طرف اشارہ کیا جس نے چونک کر اسے دیکھا پر حارث کے اشارے پر تائیدی انداز میں سر ہلایا تو وہ الوداعی کلمات کہہ کر تیزی سے باہر نکلا اور اس نے ناہید کے فون پر کال بیک کی تو ان کی روتی ہوئی آواز سنائی دی۔

”حارث بیٹا!“

”جی خالہ آپ رو کیوں رہی ہیں۔ سب ٹھیک ہے؟“ وہ تیزی سے لفٹ سے باہر نکلتا پارکنگ کی طرف بڑھا۔

”بیٹا کومل کی طبیعت بہت خراب ہوگئی ہے۔“

”کیا ہوا اسے۔“

”وہ حارث۔“ وہ جیسے کچھ کہتے کہتے رکیں۔ ”اس نے نیند کی گولیاں کھالی ہیں۔“

”کیا؟“ وہ بے ساختہ رکا۔ ”کیوں۔“ وہ بے حد پریشانی سے بولا تو وہ زور زور سے رونے لگیں۔

”آپ پریشان نہ ہوں خالہ میں آ رہا ہوں۔“

وہ اب بھاگنے کے انداز میں کار پارکنگ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ گلی سے باہر سڑک پر کار پارک کر کے وہ تیز تیز قدموں سے ناہید خالہ کے گھر کی طرف بڑھا ایک ہی دستک پر دروازہ کھل گیا تھا اور پریشان حال عالیہ کا چہرہ نظر آیا۔

”کومل کہاں ہے۔“ وہ اندر آتے بولا۔

”وہ کمرے میں ہے۔“ وہ تیزی سے کومل کے کمرے کی طرف بڑھا۔

اس کی پہلی نظر کومل پر پڑی جو بیڈ پر آنکھیں بند کیے لیٹی تھی، دور سے ہی اس کی زرد رنگت صاف نظر آ رہی تھی۔

”حارث اچھا ہوا بیٹا تم آ گئے ہم سب بہت پریشان ہو گئے تھے۔“

روتی ہوئی ناہید اس کی طرف بڑھیں اس نے انہیں ساتھ لگا کر دلاسا دیا جبکہ نظریں کومل پر ٹکی تھیں۔

”ہوا کیا ہے خالہ! کومل نے ایسی حرکت کیوں کی اسے کوئی پریشانی تھی۔“

”میں کچھ نہیں جانتی بس کچھ دنوں سے پریشان تھی۔ میں سمجھی کام کی پریشانی ہے۔ بہت پوچھا پر کچھ نہیں بتایا۔ صبح وہ اٹھی نہیں تو میں اسے اٹھانے کمرے میں آئی تو وہ زمین پر گری تھی اور پاس ہی نیند کی گولیاں بکھری ہوئی تھیں طاہر بھی گھر نہیں تھا ہمارے گھر کے قریب میری ایک سہیلی رہتی تھی جو نرس تھی میں اسے بلا لائی۔ اس

pklibrary.com

نے الٹیاں کروا کر معدہ صاف کرنے کی کوشش کی ہے لیکن مجھے نہیں لگتا زیادہ فرق پڑا ہے مجھے پریشانی میں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں بس تمہارا ہی خیال آیا تو تمہیں کال کر دی۔''

''ہوں۔'' وہ کومل کو دیکھتا ان کو سن رہا تھا۔

''ہم اسے ہاسپٹل لے جاتے ہیں۔''

ناہید اور عالیہ نے کومل کو سہارا دے کر گاڑی میں بٹھایا وہ اسے لے کر اپنے دوست کے کلینک آیا تھا تاکہ کوئی مسئلہ نہ ہو۔ ناہید اندر کومل کے ساتھ میں وہ باہر عالیہ کے ساتھ تھا جب اس کا موبائل بجا جہاں غلام عباس کی کال آ رہی تھی۔

''اوشٹ۔'' اس نے بے ساختہ انگلیوں سے اپنا ماتھا چھوا۔

''جی بابا۔'' ہمت کر کے اس نے فون اٹھایا۔

''کہاں ہو تم۔'' دوسری طرف سے ان کی سنجیدہ آواز سنائی دی۔

''بابا میرے ایک دوست کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے وہیں آیا ہوں۔''

''کون سا دوست۔'' اسے امید نہیں تھی وہ یہ پوچھیں گے۔

''وہ......'' وہ نام بتاتے اٹکا کیونکہ وہ اس کے سبھی دوستوں سے واقف تھے۔

''وہ بابا ناہید خالہ کا فون آیا تھا۔ ان کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تھی گھر کوئی نہیں تھا تو انہوں نے مدد کے لیے مجھے کال کی، ابھی ان کو ہاسپٹل لے کر آیا ہوں۔''

اس نے سچ بول دیا تھا وہ جانتا تھا غلام عباس سے کچھ چھپا نہیں رہے گا۔ اسے ڈانٹ پڑے گی لیکن اس کی توقع کے برعکس فون بند ہو گیا تھا۔ وہ کتنی دیر ویسے ہی کھڑا رہا فون کا بند ہونا ڈانٹ سے زیادہ برا تھا وہ شاید انہیں وضاحت دینے کے لیے فون کرتا لیکن عالیہ کے آواز دینے پر اسے اپنا ارادہ بدلنا پڑا۔

ناہید اور کومل کے روم میں جانے کے بعد وہ عقیل کے روم میں آیا۔

''بڑے مطلب پرست دوست ہو کام پڑنے پر ہی میری یاد آتی ہے تمہیں۔'' اسے دیکھتے عقیل نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''مشکل میں اپنے ہی کام آتے ہیں۔''

''چلو تم نے مانا کہ میں اپنا ہوں۔'' عقیل کے کہنے پر وہ مسکراتا ہوا اس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''ویسے یہ محترمہ ہیں کون۔''

''میری کزن ہے۔''

''ہوں۔'' عقیل نے ہنکارا بھرا۔

''ویسے کوئی خطرے والی بات تو نہیں۔''

''مجھے تو ایسا کوئی خطرہ نظر نہیں آیا اسٹمک (معدہ) بالکل صاف ہے اور تمہاری کزن بھی ٹھیک لگ رہی ہے۔'' عقیل کے کہنے پر حارث نے الجھ کر اسے دیکھا۔ ''وہ شاید جو نرس گھر آئی تھی اس نے معدہ صاف کر دیا ہو۔''

''ہو سکتا ہے۔'' عقیل کے لہجے میں یقین نہیں تھا بہر حال میں نے ڈرپ لگا دی ہے میڈیسن بھی دے دی ہے سب ٹھیک ہی ہو گا۔''

''او کے تھینک یو ویری مچ۔'' حارث نے عقیل سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا۔

راستے سے اس نے فروٹس کے ساتھ جوسز اور کھانے کا کچھ سامان لیا۔ گاڑی سے اترتے ہوئے اس نے کومل کو سہارا دے کر باہر نکالا ہمیشہ کی طرح کئی سر دروازوں سے نمودار ہوئے تو حارث بے ساختہ پیچھے ہٹا تو

pklibrary.com

کومل نے حیرت سے اسے پیچھے ہوتے دیکھا اور سامنے دیکھتے جیسے معاملہ سمجھ آ گیا تو وہ فوراً سر کو تھام کر لڑکھڑائی۔

"حارث۔" اس نے گاڑی کا سہارا لے کر اسے مدد کے لیے پکارا۔

"عالیہ کومل کو تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" حارث نے آگے جاتی عالیہ کو آواز دی اور خود گاڑی سے سامان نکالنے لگا۔

ان سب کے گھر میں داخل ہوتے ہی وہ شاپرز تھامے اندر داخل ہوا اور فروٹس اور بیکری آئیٹمز والے بیگ برآمدے میں بنے ٹی وی لاؤنج کے ٹیبل پر رکھے۔

"حارث بیٹا! تم نے پہلے ہی اتنا کچھ کیا ہے ان سب چیزوں کی کیا ضرورت تھی۔"

"کوئی بات نہیں خالہ! بس اپنا خیال رکھیں اور کومل کو بھی ٹینشن فری رکھیں۔ چلتا ہوں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"تم کومل سے نہیں ملو گے۔"

حارث نے مڑ کر انہیں دیکھا "ابھی اسے آرام کرنے دیں پھر آؤں گا۔"

"بیٹا ہمیں تو کچھ بتاتی نہیں تم پوچھو گے تو ضرور بتائے گی، ضرور اسے کوئی پریشانی ہے ورنہ وہ ایسی اتنی بری حرکت نہ کرتی میں بہت پریشان ہوں بیٹا! تم ایک بار اس سے بات کر لو۔"

کہہ کر وہ رونے لگیں تو حارث جز بز ہو کر رہ گیا۔

"خالہ آپ پریشان نہ ہوں میں کرتا ہوں اس سے بات۔" وہ کہہ کر سامنے بنے کمرے کی طرف بڑھ گیا جہاں کومل لیٹی تھی۔ وہ دستک دے کر اندر داخل ہوا تو کومل جو آنکھیں بند کیے لیٹی تھی اسے دیکھ کر مسکرا دی۔

"اب کیسی طبیعت ہے۔" وہ بیڈ سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

"میں اب ٹھیک ہوں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ آپ نے میرے لیے اتنی تکلیف برداشت کی۔"

"یہ فارمیلٹی چھوڑو کومل مجھے یہ بتاؤ۔ تم نے ایسی حرکت کیوں کی تم جانتی ہو خدا نخواستہ اگر دیر ہو جاتی خالہ کو پتا نہ چلتا تو تمہاری جان بھی جا سکتی تھی اور ایسی موت حرام ہوتی ہے کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں ہے۔ مجھے کم از کم تم سے یہ امید نہیں تھی۔"

اس کا لہجہ سنجیدہ ہونے کے ساتھ غصیلا بھی تھا۔ اس کی بات سنتی کومل کی آنکھوں میں آنسو تیزی سے جمع ہوئے۔

"دیکھو کومل کوئی پریشانی ہے تو مجھے بتاؤ۔ اگر کسی نے تمہیں ڈرایا ہے یا کوئی پریشان کر رہا ہے تو مجھے بتاؤ۔"

وہ اب دو قدم بڑھا کر تھوڑا بیڈ کے نزدیک آیا تو کومل کی آنکھوں سے آنسو تیزی سے بہنے لگے۔

"میں کسی سے نہیں خود سے ہی پریشان ہوں حارث! میں واقعی ایسی حرکت نہ کرتی اگر مجھے آپ کو کھونے کا ڈر نہ ہوتا۔"

اس کے کہنے پر حارث نے الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں آپ کو بہت پسند کرتی ہوں حارث بلکہ محبت کرتی ہوں پتا نہیں کب سے۔" اس کے اتنے واضح اظہار محبت پر حارث کو صحیح معنوں میں جھٹکا لگا۔

"کومل تم ہوش میں تو ہو۔" وہ ناراضی سے ماتھے پر بل ڈال کر بولا تو کومل نے جلدی سے آگے ہوتے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"حارث! میں مذاق نہیں کر رہی پورے ہوش و حواس میں کہہ رہی ہوں مجھے پتا ہے آپ کو اچھا نہیں لگا

لیکن میں کیا کروں میں آپ کو کھونا نہیں چاہتی میں آپ سے کبھی ایسا نہ کہتی اگر میں اس دن آپ کی منگیتر کو نہ دیکھ لیا ہوتا۔ آپ اس سے شادی کرنے والے ہیں۔" وہ روتے ہوئے بولی۔ تو حارث ناگواری سے بولا۔

"میں اس سے شادی نہیں کرنے والا۔"

"تو پھر وہ یہاں کیا کر رہی ہے۔"

"یہ مجھے نہیں پتا۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"وہ آپ کو پسند نہیں مجھے پتا تھا۔" کومل روتے روتے مسکرا دی۔

"حارث میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں مجھ سے شادی کرلیں میں ہمیشہ آپ کو خوش رکھوں گی۔"

اس نے اب دونوں ہاتھ سے حارث کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھام لیا۔

"کومل دیکھو میں تمہاری فیلنگز کی قدر کرتا ہوں لیکن ابھی میں نے شادی کے بارے میں کچھ نہیں سوچا۔"

حارث نے بڑی مشکل سے اپنے غصے کو کنٹرول کیا تھا۔

"حارث میں قسم کھاتی ہوں اگر آپ نے مجھ سے شادی نہ کی تو میں خود کو ختم کرلوں گی۔" کہنے کے ساتھ اس نے قریب رکھی پھلوں والی ٹوکری سے چھری اٹھا کر اپنی کلائی پر رکھ لی اس کی اس حرکت پر حارث ٹپٹا کر رہ گیا۔

"کومل تمہارا دماغ ٹھیک ہے۔" اس نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے چھری لینے کی کوشش کی تو وہ پھرتی سے پیچھے ہٹی۔

"آپ کو مجھ سے وعدہ کرنا ہوگا حارث آپ مجھ سے شادی کریں گے ورنہ میں خود کو ختم کرلوں گی۔"

حارث نے ہونٹ بھینچ کر اس کا گیلا چہرہ دیکھا۔

"یہ چھری مجھے دو کومل۔" وہ تحمل سے بولا۔

"نہیں پہلے آپ وعدہ کریں۔"

"بچوں جیسی فضول باتیں نہ کرو کومل یہ مذاق نہیں۔"

"میں بھی یہی کہہ رہی ہوں میری محبت مذاق نہیں آپ کو مجھے اپنانا ہوگا۔" اس نے کہنے کے ساتھ چھری سے اپنی کلائی پر دباؤ بڑھایا تو خون کی بوندیں نظر آنے پر حارث جلدی سے آگے بڑھا اور چھری اس سے چھین لی۔

"حد ہوتی ہے۔" اس نے غصے سے چھری زمین پر پھینکی تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اس کی ساری کوشش ناکام گئی تھی۔

"آئے ایم سوری حارث! میں زیادہ ہی خود غرض ہوگئی تھی، مجھے ہمیشہ لگا کہ آپ مجھے پسند کرتے ہیں۔ اسی خیال نے مجھے اتنی جرات دی کہ میں اپنی اوقات سے باہر کے خواب دیکھ بیٹھی میں بھول گئی کہ مجھ جیسی عام لڑکی کو کسی شہزادے کے خواب دیکھنے کا کوئی حق نہیں۔ آئی ایم سوری حارث ویری سوری۔"

وہ بار بار اس سے معافی مانگ رہی تھی حارث کتنی دیر اس کا جھکا سر دیکھتا رہا۔

"کومل پلیز رونا بند کرو اور معافی مانگنا بھی، میں واقعی تمہیں پسند کرتا ہوں۔ تم بہت اچھی اور نیک لڑکی ہو میں نے واقعی شادی کے بارے میں ابھی نہیں سوچا لیکن جیسی لڑکی مجھے پسند ہے تم ویسی ہو۔" کومل نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"اس لیے جب میں شادی کے لیے سوچوں گا میری پہلی ترجیح تم ہوگی۔"

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

pklibrary.com

آسیہ نجمہ

ان کہی، ان سنی

"اللہ معاف کرے آپا۔"

"دیکھ رہی ہو تیور اس لڑکی کے۔"

"سب ماں باپ کی ڈھیل کا نتیجہ ہے۔"

اُس سے چند قدم کے فاصلے پر بیٹھی اس کی دور پرے کی رشتہ دار خواتین، کانوں کے پیچھے دوپٹے اڑسے، منہ سے منہ جوڑے اس کی شان میں رطب اللسان تھیں۔ اور وہ یہ سب سن لینے کے باوجود بھی انجان بنی خود میں مگن رہی۔

اپنے حق میں اس قصیدے کی شانِ نزول وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ ہاں، اگر اب سے چند لمحے قبل جب وہ ان سے دعا سلام کرنے گئی تھی تو اسے چاہیے تھا کہ ان باشرح خواتین کے کٹہرے میں کھڑے ہو کر اپنی صفائیاں دیتی۔ دو چار طعنے کھاتی۔ ملازمت پر تبصرے سنتی۔ اپنے لباس و انداز پر تنقید سہتی۔ لیکن چونکہ وہ ازلی بے نیازی کا لبادہ اوڑھے، محض دعا سلام پر اکتفا کرتے وہاں سے ہٹ گئی تھی اس لیے۔

"اللہ معاف کرے۔"

☆☆☆

عنبرین مصطفیٰ، پندرہ سال بعد اپنے گاؤں، چچازاد اُسامہ کی شادی کے سلسلہ میں آئی تھی۔ اُسامہ ایک اعتبار سے اس کا دیور بھی تھا۔ حیدر، اسامہ کا بڑا بھائی، اس سے دو سال بڑا کزن تھا۔ اور دونوں کا عقد آج سے دو سال قبل، اسلام آباد میں عنبرین کے گھر ایک سادہ سی تقریب میں انجام پایا تھا۔ تب بھی وہ ایک عرصہ زبانِ زدِ عام رہی۔

پہلے اس بات پر بحث ہوتی رہی کہ کیوں کر ایک پڑھی لکھی لڑکی، کہ جس نے عام زبان میں سولہ (ایم اے) ہو جانے پر بھی بس نہیں کی تھی اور خدا جانے کیا کیا پڑھتی جا رہی تھی، ایک بمشکل مڈل پاس لڑکے کو ہاں کہے گی۔ دوسرے اللہ معاف کرے شہر کے آزاد ماحول میں پلی بڑھی، کس خوشی میں گاؤں کو قبول کرے گی۔

"غلطی کی بشیر نے رشتہ پوچھ کر...... مانا کہ مصطفیٰ بھائی سے اچھے تعلقات ہیں پر۔ وہ کیوں اپنی بٹی کو اتنا پڑھا لکھا کر اس گند (گاؤں) میں پھینکنے لگے۔ چلو حیدر کچھ پڑھا لکھا ہی ہوتا تو بھی تھا کہ کل کلاں کو شہر چلا جائے گا۔ میں اپنے پڑھے لکھے بھرو کا رشتہ لے جانے میں ہچکچاتی رہی اور یہاں دیکھو۔ بھئی اللہ معاف کرے۔"

"میں تو کہتی ہوں اگر مصطفیٰ بھائی، بھائی کی محبت میں مان بھی گئے نا۔ تو لڑکی کبھی نہیں مانے گی۔ گز بھر لمبی تو اُس کی زبان ہے۔ شروع سے کھلے ڈھلے ماحول میں رہنے کی عادی ہے جی۔ لڑکوں سے میل جول تو منہ میں نوالہ ڈالنے جیسا عام ہے۔ بھئی یہ تو ہم تھے کہ جہاں ماں باپ نے کہہ دیا وہیں کے ہو رہے آج کل کی لڑکیاں تو۔ اللہ معاف کرے۔"

وزیر آباد کی چھریوں سے تیز چلتی زبانوں کی دھاریں اس وقت ماند پڑیں، جب پتا چلا کہ آج مصطفیٰ بھائی کے ہاں، سادگی سے حیدر اور عنبرین کا نکاح ہے۔ ہاں وہ مان گئی تھی۔ بس رُخصتی کے لیے دو سال کا وقت مانگا تھا۔ جس کو حیدر اور اُس کے گھر والوں نے بلا تامل مان لیا تھا۔

نکاح کے دو بول، تک کتنے ہی دلوں میں یہ حسرت مچلتی رہی کہ شاید لڑکی عین موقع پر مکر جائے

pklibrary.com

کہ وہ اس گنوار سے بیاہ نہیں کر سکتی اور کچھ نہیں تو مجمع چیرتا کوئی عاشق ہی نمودار ہو جائے کہ جو عنبرین کو اُس کے قول و قرار سب کے سامنے یاد دلائے۔ لیکن نصیب دشمناں ایسا ابھی کچھ نہیں ہوا۔ اور چرب زبان ذہن اب اس غم میں ہلکان ہونے لگے کہ اگر جو انہیں معلوم ہوتا کہ یہ سب اتنا آسان ہے تو وہ اپنے چشم و چراغوں کو بھی اُمیدواران کی صف میں کھڑا کرتے۔ شاید آج یہ پڑھی لکھی دوشیزہ، اپنی مستقبل کی اچھی خاصی کمائیوں کے ساتھ اُن کے گھر کی لکشمی بنتی۔

"لیکن خیر۔ ابھی رُخصتی تو نہیں ہوئی نا۔ کچھ تو گڑبڑ ہے بھئی، جو لڑکی نے رُخصتی سے منع کر دیا۔ لگتا ہے زور زبردستی کی ہے مصطفیٰ بھائی نے۔ اے بہن! جو کچھ میں نے سن رکھا ہے نا۔ اللہ معاف کرے۔"

"یہ بشیر کی غیرت بھی تو گھاس چرنے گئی ہے نا۔ حیدر کو بھی دیکھو۔ ایک لفظ تک نہیں بولا۔"

"اے لو۔ وہ کیوں بولنے لگے۔ بیٹھے بٹھائے لاٹری لگ گئی ان کی۔ اب اگر دو سال صبر کا پھل اتنا میٹھا اور مہنگا ہو۔ تو کون کمبخت انکار کرے گا۔ سنا ہے جو پڑھائی وہ پڑھ رہی ہے نا۔ بڑی کمائی ہے اس میں۔ ایسا لالچ۔ اللہ معاف کرے۔"

آہستہ آہستہ خلقتِ شہر کو کہنے کے لیے اور فسانے مل ہی جاتے۔ لیکن قسمت میں ابھی عنبرین کا اور چرچا ہونا باقی تھا۔ لوگوں کو مصروف رہنے اور اپنی ماہرانہ آرا کا برملا اظہار کرنے کا موقع تب ملا جب بشیر نے اپنے چھوٹے بیٹے کی شادی کا دعوت نامہ سب کو بھیجا۔

"یہ کیا دونوں بھائیوں کی تو اکٹھی شادی ہونا تھی نا۔ ہا، ہائے۔ بڑے کو چھوڑ کر چھوٹے کی شادی۔ دیکھا، میں نہ کہتی تھی۔ بڑی منہ زور ہے

pklibrary.com

لڑکی۔ تب تو جیسے تیسے بات منوا لی مصطفیٰ بھائی نے۔ اب دیکھ لو۔ دو سال تو ہو چکے۔ اے کسی سے کہنا مت۔ میں نے تو سنا ہے کہ دفتر میں ہی کسی سے چکر چل نکلا ہے۔ توبہ توبہ۔ قربِ قیامت کی نشانیاں ہیں بھئی۔ منکوحہ کسی کی، یارانے کسی سے۔ اللہ معاف کرے۔"

☆☆☆

"اوئے بات سنو۔ کوئی اور مہمان تو نہیں آیا؟"

حیدر نے بائیک کو بریک لگاتے مرکزی دروازے کے قریب کھڑے اپنے چھوٹے بھائی اسامہ سے سرسری سا پوچھا۔ جو کہ دولہا ہونے کی وجہ سے دوستوں میں کھڑا چہک رہا تھا۔ صبح سے سہ پہر ہونے کو آئی تھی اور یہ حیدر کا لگ بھگ دسواں چکر تھا۔ وہ آتا، رُکتا، محض یہ ایک سوال کرتا، جواب سنتا اور پھر چل دیتا۔ اُلجھے بال، شکن زدہ کپڑے اور چہرے پر ڈھیروں متانت لیے وہ واقعی گھر کا بڑا اور ذمہ دار بیٹا لگ رہا تھا۔

اب کی بار جب اُس نے یہ سوال کیا تو اسامہ نے ایک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے فرداً فرداً سب کے نام گنوانا شروع کیے۔ "شفیق چاچو، سلمٰی چاچی، فردوس خالہ، عثمان۔" ایک ایک نام لیتا وہ حیدر کا ضبط آزما رہا تھا۔ جس کے منہ پر ہر نیا نام ناامیدی کے کسی نئے تازیانے کی طرح لگتا۔

"بس یہی؟ اور کوئی نہیں آیا؟"

اُس نے آنکھوں میں چبھتی کرچیوں کی ٹیس چھپاتے پوچھا۔

"نہیں بھائی...... جو جو آیا وہ سب بتا تو دیا......"

اسامہ نے قہقہے کے طوفان کو اندر دھکیلتے سنجیدگی سے کہا۔

حیدر نے وہیں سے موڑ کاٹا، ابھی بائیک اسٹارٹ کرنے ہی لگا تھا کہ اسامہ کا دوست اسامہ سے بولا۔

"یار اسلام آباد سے بھی تو کوئی مہمان آئے ہیں نا...... ان کا نہیں بتایا تم نے؟"

"اسلام آباد؟"

بائیک کِک پر پاؤں رکھتے حیدر کو لگا، شاید اُس نے کچھ غلط سنا ہے۔ بے یقینی سی بے یقینی میں اُس نے مُڑ کر اسامہ کو دیکھا۔ جس کے منہ پر اب ایک کمینی مسکراہٹ رقصاں تھی۔ اور وہ حیدر کو یکسر نظر انداز کیے اپنے دوست کو جواب دے رہا تھا۔

"ارے یار! بھائی تو مہمانوں کا پوچھ رہے ہیں۔ اسلام آباد والے مہمان تھوڑی ہیں۔ وہ تو اب اپنے ہی گھر والے ہیں۔ تمہیں نہیں پتا کیا۔؟ وہ عنبرین آپی ہیں نا۔ وہ۔"

اسد مزید پتا نہیں کیا کیا کہتا رہا۔ لیکن حیدر کی سماعتوں میں بس ایک ہی ارتعاش باقی رہی۔

"اسلام آباد۔ عنبرین۔"

وہ وہیں بائیک سے اترا، اسٹینڈ پر لگانے کے بجائے بھائی کو ہینڈل تھمایا اسامہ بھی شاید اس ردِعمل کے لیے تیار کھڑا تھا فوراً بائیک تھام لی۔ وگرنہ جس طرح حیدر نے بائیک کو چھوڑا تھا، تھامنے والا نہ ہوتا تو گر چکی ہوتی اور اب وہ ایک ہاتھ سینے پر پھیرتا، گویا دھڑکنوں کو معمول پر لاتا مرکزی دروازے سے اندر آرہا تھا۔

"کیا وہ واقعی آئی ہوں گی۔؟؟ وہ کیوں آنے لگیں؟ پندرہ سال میں تو کبھی نہیں آئیں...... انہیں آنا بھی نہیں چاہیے......! خوامخواہ انہیں لوگوں کی باتیں سننا پڑیں گی......! لیکن دل کا کیا کروں؟ جو مچل رہا ہے کہ کاش وہ آئی ہوں......"

صحن عبور کرتے نہ جانے کتنے ہی خیال، ذہن کی وادی سے ہو گزرے۔

☆☆☆

آج سے دو سال پہلے وہ گرمیوں کی ایک سخت دوپہر، ہم جولیوں کے ساتھ پیلی میں لابھ لگا رہا تھا (کھیت میں چاول کی فصل بونا) جب ابا کی آواز پر سیدھا ہوا۔ ابا جامن کے درخت تلے چارپائی پر متفکرانہ انداز میں بیٹھے تھے۔ ابا کے پکارنے پر وہ

پَیلی سے باہر نکلا۔ اور بغیر ہاتھ پیر دھوئے سیدھا ہی ابا کے پاس چلا آیا۔ کہ شاید کچھ ضروری کام ہو۔

"جی ابا۔؟؟"

"بیٹھ جاؤ۔۔!!" انہوں نے غیر مرئی نکتے کو دیکھتے کہا۔

حیدر وہیں گھاس بھری زمین پر بیٹھ گیا۔ (مٹی میں لت پت ایسا تھا کہ چارپائی پر تو بیٹھنے سے رہا) ابا کچھ دیر سوچتے رہے، پھر پگڑی اتار کر ایک طرف رکھی۔ لمبی سانس یوں لی، گویا اردگرد ماحول کے ہر عنصر کی خوشبو اندر اتار لینا چاہتے ہوں۔

"تمہیں عنبرین کیسی لگتی ہے۔؟؟"

اور حیدر کو یوں لگا کہ جیسے اُس کے من کی اوٹ میں چھپے چور کو کسی نے دن دیہاڑے ڈھونڈ نکالا ہو اور اب اُسے سرِ بازار سنگسار کرنے کی تیاریاں عروج پر ہیں۔ اور ہر شے دم سادھے اس تماشے کی منتظر ہے۔

"میں سوچ رہا تھا کہ مصطفیٰ بھائی سے تمہارے لیے عنبرین کو مانگ لوں۔ تم کیا کہتے ہو۔؟؟"

بھلا چکور سے بھی کوئی پوچھتا ہے کہ اُسے کیا چاہئے؟ دل دیوانہ وار پسلیوں سے سر پٹختے چلاّیا، "قبول ہے، قبول ہے۔"

لیکن دماغ نے فوراً دل کی زباں بندی کی۔ خود کمان سنبھالی۔ تو سطحِ ذہن پر حیدر کا اپنا عکس جلی حروف میں واضح ہوا۔

پرانی پینٹ شرٹ جس پر مسلسل پانی میں رہ رہ کر پانی کے زرد داغ پڑ چکے تھے۔ کہنیوں اور گھٹنوں تک لگی تازہ مٹی۔ اور پسینے میں نہایا سانولا بدن۔ اور پھر ذہن کے کینوس پہ ایک اور منظر ابھرا۔ تیرہ سال پہلے کا۔ اسی جگہ کا۔ جب تایا لوگ جانے سے پہلے آخری بار کھیت دیکھنے آئے تھے۔ سرخ شلوار قمیص پہنے، سنہری دوپٹے کے ہالے میں وہ لڑکی سردیوں کی دھوپ میں چمکتی سنہری گندم سے بھی زیادہ حسین معلوم ہو رہی تھی۔ کھالوں میں بہتا شفاف پانی دم سادھے اُس کی معصومیت میں محو تھا۔ راستوں نے شبنمی قطروں سے غسل کیا تا کہ دھول اُس کے قدموں کو میلا نہ کر دے۔

اُس دن ننھے تلے قدموں سے کچے رستے پہ باپ کا ہاتھ تھامے چلتی اُس دس سالہ معصوم لڑکی کو دیکھ کر خدا جانے کہاں سے حیدر کے من میں یہ خواہش جاگی تھی کہ "اے کاش تایا کی جگہ میں ہوتا۔" لیکن پھر وہ یک دم اپنے سانولے میلے ہاتھ دیکھ کر چپ سا ہو گیا تھا۔ اور وہ ہمیشہ چپ رہا۔ اُس دن وہ گاؤں کی ڈھلتی شام کا فسوں، دھندلے پردوں سے نکلتے سورج کا حسن، جانوروں کی ملی جلی بولیوں کے ساز، بچوں کے چہچہانے اور بزرگوں کے ڈپٹنے کا امتزاج، سب کچھ ہی تو سمیٹ کر اپنے ساتھ لے گئی تھی مگر وہ چپ رہا۔

گھر میں جب بھی اسلام آباد تایا سے ملنے جانے کی بات ہوئی وہ چپ رہا۔ بات بہ بات عنبرین کا، اُس کی کامیابیوں کا ذکر ہوا وہ چپ رہا۔

صرف ایک وقت تھا کہ جب وہ چپ نہیں رہتا تھا۔ رات کا تیسرا پہر۔ ہاں۔۔! تایا لوگوں کو رخصت کرنے کے بعد اُس روز وہ رات کے تیسرے پہر تک جاگتا رہا تھا۔ اور پھر اُس بارہ سالہ لڑکے کے لیے تہجد ایک معمول بن گیا۔ وہ تہجد کے بعد اپنے لیے کچھ نہ مانگتا۔ صرف اُس بے نیاز لڑکی کے لیے خیر مانگتا۔

"تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں حیدر؟"

ابا نے اُسے ساکت دیکھ کر زور سے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

حیدر نے اردگرد دیکھا۔ دور، اندر کہیں دل میں اِس کچے رستے پر اُس لڑکی کا ہاتھ تھامے چلنے کی خواہش بدستور موجود تھی لیکن لاشعوری طور پر آج بھی وہ اپنے سانولے میلے ہاتھ دیکھ کر چپ ہو گیا۔ لیکن نہیں، آج تو اُس کا خاموش رہنا نہیں بنتا۔

پچھلے تیرہ سالوں سے بلا ناغہ جس کے لیے وہ تہجد میں خیر مانگتا رہا تھا، اب کس طرح کسی ایسی بات پر اثبات میں سر ہلاتا کہ جو اُس بے مثال لڑکی کے

pklibrary.com

شایان نہیں۔ اُس نے جی بھر کر احتجاج کیا۔ کہ وہ عنبرین کے قابل نہیں ہے۔ لیکن کسی نے اُس کی ایک نہ سنی۔

ابا اسلام آباد گئے، بھائی اور بھاوج کے سامنے عرضی اور فیصلے کا مکمل اختیار رکھتے ہوئے لوٹ آئے۔ حیدر کو اس بات کا اپنے نام سے بھی زیادہ یقین تھا کہ وہاں سے انکار ہوگا۔ سو صدمہ اس بات کا نہیں بلکہ اس بات کا تھا، وہ پری وش، جس کے گاؤں سے چلے جانے کے بعد سے آج تک کبھی سامنا نہ کیا کہ کہیں وہ میرا بھید نہ پالے۔ اب وہ اس پیام کے بعد میرے بارے میں کیا سوچے گی؟

اُس ماہ رُخ کا تو پتا نہیں، لیکن سوچنے کے لیے حیدر کو لامتناہی باتیں مل گئیں جب اُسے پتا چلا کہ وہ لوگ اگلی اتوار کو اسلام آباد جا رہے ہیں۔ اُس کا اور عنبرین کا نکاح ہے۔

کیا؟ کیسے؟ کیوں؟ وہ نہیں جانتا تھا۔ اس لیے پھر چپ رہنے میں عافیت سمجھی۔

سارا ہفتہ وہ چپ رہا۔ تمام رستہ وہ چپ رہا۔ اور ساری تقریب میں بھی ایجاب وقبول کے سوا چپ ہی رہا۔ اور پھر سرخ لباس پہنے، سنہری دوپٹے کے ہالے میں، باپ کا ہاتھ تھامے، نپے تلے قدموں سے چلتی عنبرین کو لا کر اُس کے پہلو میں بٹھا دیا گیا۔ اُس وقت وہ ہر چپ توڑ دینا چاہتا تھا۔ کتنے ہی سوال جو زبان پہ آنے کو مچل رہے تھے، صفائیاں تھیں، وضاحتیں تھیں جو دینا تھیں۔ لیکن وہ چپ رہا۔

☆☆☆

"جی جی مس سمیرا۔ آپ درست کہہ رہی ہیں لیکن ذرا میری بات بھی تو سمجھنے کی کوشش کریں نا۔ میں ایک ہفتے کی چھٹی پر ہوں۔ جیسے ہی اسلام آباد پہنچوں گی، سب سے پہلا کام آپ ہی کا ہوگا۔ بے فکر رہیں۔"

"سن رہی ہو بہن۔ ہاں نا۔ ہم نے تو یہ بال دھوپ میں سفید کر رکھے ہیں نا۔ جو یہ سمجھ نہیں پائیں گے، فون کی دوسری طرف مس سمیرا ہے یا مسٹر سمیر۔ کھی کھی کھی۔ اللہ معاف کرے۔"

"یہاں نا سگنلز کا بہت مسئلہ ہے۔ آپ کی آواز کٹ رہی ہے۔ میں ذرا باہر جاتی ہوں۔ آپ ہولڈ کریں۔"

"دیکھا۔ میں نہ کہتی تھی۔ دال میں کچھ تو کالا ضرور ہے۔ اب راز و نیاز کی باتیں ہمارے سامنے تو نہیں ہوں گی نا۔ ورنہ ہمیں بھی پتا ہے کون سے سگنلز نہیں آ رہے۔ بس بہن۔ اللہ معاف کرے۔"

☆☆☆

حیدر اُس وقت لمبے لمبے ڈگ بھرتا، بھاگتے دوڑتے بچوں میں راستہ بناتا، برآمدے سے گھر کے اندرونی حصے کی طرف جا رہا تھا۔ اور پھر یک لخت، اُس کے اٹھتے قدم، مچلتا دل، رواں سانسیں، سب رُک گیا۔ وہ دُرِ ثمیں نپے تلے قدم اٹھاتی، بے نیازی سے فون کان سے لگائے اسی طرف کو چلی آ رہی تھی۔

"کیا ابھی کے ابھی خاک ہو جانا ممکن ہے؟ کہ ان نپے تلے قدموں میں بچھ جایا جائے۔۔!"

حیدر نے بے اختیار سوچا۔ پر چپ رہا۔

اب وہ قریب آ چکی تھی۔ جب اچانک اس کی نظر حیدر پر پڑی۔ اس سے پہلے کہ حیدر اُن آنکھوں میں ابھرنے والے کسی جذبے کو پہچان پاتا۔ وہ ایک ہاتھ سے دوپٹا درست کرتی، اُس کو سلام کر رہی تھی۔ اور پھر آن کی آن میں ہی معذرت کرتی آگے نکل گئی۔ لیکن یہ کیا؟ حیدر پھر چپ رہا؟

کیا مصیبت ہے یار؟ وہ پندرہ سال پہلے بھی چپ رہا تھا، جب اُس کو اپنی دانست میں آخری بار دیکھ رہا تھا۔ دو سال پہلے بھی، جب وہ چاہ کر بھی اُس کی طرف دیکھ نہ پایا تھا۔ اور آج بھی، جب پندرہ سال بعد اُسے دیکھ رہا تھا۔

آج اس کو اپنے چپ رہنے پر پہلی بار کوفت ہوئی۔

☆☆☆

"اور سناؤ حیدر! کیسے ہو؟" یہ کوئی دور نزدیک کا ہم عمر کزن تھا جواب گلے مل رہا تھا۔

pklibrary.com

"دیکھ رہے ہو نخرا اس لڑکی کا؟ ہمیں تو چھوڑو۔ تمہیں بھی ڈھنگ سے سلام کرنا گوارا نہیں کیا۔ معاف کرنا یار۔ پر تم نا برا پھنس گئے ہو۔ پتا ہے کیا۔ ایسی آزاد، تیز طرار لڑکیاں چاہتی ہی یہ ہیں کہ ان کو کوئی تم جیسا شریف انسان مل جائے جو زیادہ جانچ پڑتال نہ کرے۔ دَب کے رہے ان سے۔ ان کے حسن سے۔ ان کی ذہانت سے۔ میں زیادہ قریب سے جانتا ہوں انہیں۔ بس اللہ معاف کرے۔"

ہاں یہ وہی کزن تھا جو کچھ عرصہ عنبرین کے ساتھ پڑھتا رہا اور اس سے دوستی کا شدید خواہاں تھا۔ آج بھی عنبرین کی بس ایک نظر التفات اِس کی رائے بدلنے کو کافی تھی۔

☆☆☆

"ارے عنبرین! یہ تم ہو؟" یہ بھی کوئی دور نزدیک کی ہم عمر کزن تھی جو صدقے واری جا رہی تھی۔

"برا نہ مانو تو ایک بات کہوں؟ کسی ناکردہ گناہ کا بدلہ لیا ہے تم سے تمہارے گھر والوں نے۔ آخر کیا نظر آیا ان کو اس گنوار میں۔ جسے یہ تک تمیز نہیں کہ سلام کا جواب کس طرح دیا جاتا ہے۔ اسے تو تہجد میں اٹھ کر شکرانے کے نفل پڑھنا چاہئیں کہ تم مل گئیں۔ ورنہ ہے ہی کیا اس کے پاس۔ نہ عقل۔ نہ شکل۔ اللہ معاف کرے۔"

ہاں یاد آیا یہ وہی کزن تھی، جس نے اپنے گھر میں صاف کہہ رکھا تھا کہ بیاہ رچائے گی تو صرف حیدر سے ورنہ نہیں۔ اور یہ ماں، بیٹی آج بھی اس تاک میں تھیں کہ کسی طرح حیدر سے اس کی بات بن جائے۔

☆☆☆

نیچے مہندی کا فنکشن شروع ہونے والا تھا۔ حیدر کو سو کام تھے۔ لیکن وہ پچھلے اڑھائی منٹ سے چھت پر ٹہل رہا تھا۔ کیونکہ اسامہ کو اس سے کچھ بات کرنا تھی۔ لیکن چھت پر اسامہ کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔ حیدر کچھ دیر انتظار کے بعد جھنجھلا کر، اسامہ کو صلواتیں سناتا سیڑھیوں کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ تارے ایک دوسرے کو دیکھ کر دھیمی ہنسی ہنسنے لگے۔ چاند نے آنکھ ماری اور رات لہک اٹھی۔ کائنات اپنی سازش میں کامیاب ہوئی۔ کیونکہ دوسری طرف سے وہ اپسرا اپنے تلے قدموں سے سیڑھیاں چڑھتی آ رہی تھی۔

"اسامہ نے نہیں، آپ کو میں نے بلایا تھا۔ مجھے کچھ بات کرنا تھی۔" عنبرین نے حیدر کو ساتھ چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"میں نے جھرنے میں بہتے پانی کو سن کر آپ کی آواز کا تصور باندھا تھا۔ لیکن آج اُس ساز سے یہ اعزاز واپس لیتا ہوں کہ آپ کی آواز تو اُس سے کہیں حسین ہے۔" حیدر نے بے اختیار کہنا چاہا۔ لیکن چپ رہا۔

"مجھے اصل میں آپ کا شکریہ ادا کرنا تھا۔ پہلے میں نے دو سال انتظار کا کہا۔ آپ لوگوں نے اعتراض نہیں کیا۔ اور اب پھر جب میں نے اپنے کیرئیر کے لیے مزید کچھ وقت مانگا تو مجھے بہت شرمندگی بھی ہوئی۔ مگر آپ لوگوں نے پھر مجھے سمجھا۔ مجھے واقعی اندازہ نہیں تھا کہ اسامہ کے سسرال والوں کو اتنی جلدی ہوگی۔"

"دوپٹے کے حصار کو توڑ کر جو چند بال آپ کے چہرے پر پڑ رہے ہیں۔ میں نے جاڑے کی طویل راتیں، جو مجھے کھلیانوں میں فصل کی رکھوالی میں کاٹنی پڑتی تھیں، ان ہی زلفوں کی سیاہی کو تاروں بھرے آسمان میں ٹٹولتے گزاری ہیں۔" دل نے اظہار کرنا چاہا۔ لیکن حیدر چپ رہا۔

"اب یہاں آ کر احساس ہو رہا ہے کہ آپ کو کیسے امتحان سے گزارا ہے۔ بڑے بھائی کو چھوڑ کر چھوٹے کی شادی۔ لوگوں کی باتیں۔ میں واقعی اس کے لیے جتنی معذرت کروں وہ کم ہے۔"

"یہ جو آپ کے مخملیں ہاتھ آپ کی باتوں کے ہم آہنگ مسلسل حرکت کر رہے ہیں نا۔ ان کو دیکھ کر آج بھی لاشعوری طور پر میں نے اپنے ہاتھ پیچھے

pklibrary.com

باندھ لیے ہیں۔ گو آج میلے نہیں۔ لیکن سانولے تو بدستور ہیں نا۔ "احساسِ کمتری اُمڈ آیا۔ لیکن حیدر چپ رہا۔

"شاید کچھ باتوں کی بھی وضاحت کرنا چاہتی ہوں۔ آج تک صرف اپنے گھر والوں کو مطمئن رکھا ہے باقی مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔ لیکن اب میں چاہتی ہوں کہ کچھ باتیں آپ پر بھی واضح کروں۔ جیسے کہ میرے لیے شہری، دیہاتی۔۔ عالم، جاہل۔۔ یا آزاد خیال، قدامت پسند ہونا اہم نہیں۔ مشرقی، مغربی ہونے سے بھی فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ اسلام کے احکام کا تابع رہنا زیادہ ضروری سمجھتی ہوں اور مجھے امید ہے کہ آپ مجھے بھی مذہب کی حدود سے تجاوز کرتا نہیں پائیں گے۔"

"حیا، یہ جو آپ کی آنکھوں سے مسلسل چھلک رہی ہے۔ میرے لیے انجان نہیں۔ میں نے پندرہ سال پہلے بھی اِسے آپ کی آنکھوں کا مکیں پایا تھا۔" حیدر کی آنکھوں نے اعتراف کیا۔ لیکن حیدر چپ رہا۔

"ویسے کتنی عجیب بات ہے نا۔ جو آوازیں ہم سننا نہیں چاہتے، وہ چار سو گونجتی ہیں۔ اور سماعتیں جن سُروں کو کھوجتی ہیں، اُن کا کیسا فقدان ہے۔ جن فقروں سے ہم دامن بچاتے ہیں، وہ آوارہ کتے کی طرح پیچھا کرتے ہیں۔ اور جن تبصروں کا خود کو محور پانا چاہتے ہیں وہ لکھاری کے قلم سے قرطاس کی زینت ہی نہیں بن پاتے۔ لیکن یہ بھی اچھا ہے۔ شک تو مجھے پہلے ہی تھا، آج یقین ہو گیا ہے کہ مجھ میں یہ ہنر بھی ہے۔ اَن چاہی باتوں کو سن کر اَن سنا کر دینا۔ اور مَن چاہی باتوں کو سنے بغیر بھی سمجھ لینا۔"

چلتے چلتے چھت کے عین وسط میں عنبرین نے حیدر کے روبرو رکتے، آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہنا چاہا۔ شاید آنکھوں نے نامہ بری کر بھی دی ہو۔ لیکن کہہ نہ پائی۔ اب کی بار چپ رہی۔ حیدر کی طرح۔

یونہی آسمان تلے ایک دوسرے کے مقابل خاموش کھڑے کچھ پل سرک گئے۔ مجبوراً ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں کو میدان میں آنا پڑا۔ ایک دو اوباش تھپیڑے ہی اپنا کام دکھا گئے۔ اور عنبرین نظروں کا ارتکاز توڑتے نیچے جانے کے لیے مڑ گئی۔

دور کہیں سے ایک ڈار سے بچھڑی کونج کی صدا سنائی دی۔ جس نے شاید اپنی بھاشا میں عنبرین سے کچھ کہا اور اُس نے ایک دم پلٹ کر دیکھا۔ پلٹ کر عنبرین نے دیکھا لیکن پتھر حیدر ہو گیا۔

"صبح مجھے بھی تہجد کے لیے جگا دیجئے گا۔ کسی کے لیے خیر مانگنی ہے۔ اور پھر دن چڑھے مجھے کھیتوں میں جانا ہے۔ ابا کہیں آپ کے ساتھ۔"

شریر مسکراہٹ کے ساتھ کہتی وہ اک ادائے بے نیازی سے پلٹ کر نیچے چلی گئی۔ یہی مسکراہٹ اس وقت کائنات کے ہر اُس ذرے کا خاصا تھی جو پچھلے پندرہ سال سے حیدر کی "چپ" کے گواہ تھے۔

اور حیدر ہکا بکا، آج واقعی چپ تھا۔ جس کی ترجمان قدرت بن جائے، وہ بولے تو کیا بولے۔

☆☆☆

"لیکن میں بول رہی ہوں بہن۔ یہ شُرفاء کا دستور نہیں۔ زلزلے یونہی نہیں آتے۔ جب بے حیائی یوں عام ہو جائے نا۔ غضب خدا کا۔ مانا کہ نکاح ہوا ہے۔ پر رخصتی تو نہیں ہوئی نا۔ آخر رکھ رکھاؤ بھی تو کسی چڑیا کا نام ہے۔ مردوں کو رجھانے کے حیلے ہیں سب۔ دیکھنا ساری زمین، جائیداد لکھوا دے گی اور رخصت ہو کر بھی نہیں آئے گی۔ یہ گھر بسانے والی لڑکیوں کے اطوار ہی نہیں۔ قیامت اب کچھ دور نہیں آپا۔ اللہ معاف کرے۔"

خواتین رات گئے تک اس کے گناہ بخشواتی رہیں۔

☆☆☆

رات کے تیسرے پہر، دو نور کے ہالے قبلہ رو، دنیا و مافیہا سے بے خبر قیام میں تلاوت کر رہے تھے۔

☆☆

سمیرا حمید

گمراہی

ناولٹ

"او شہری بابو! یہ کھٹارا ہٹاؤ یہاں سے۔"

یہ میرا یونیورسٹی کا پہلا دن تھا اور یہ پہلی آواز تھی جس کے انداز نے مجھے اتنا حواس باختہ کر دیا کہ میں بوکھلا کر رہ گیا۔ جیسے منہ سے مخصوص آواز نکالو تو درختوں پر بیٹھے سارے چڑی، کبوتر، کوے پھر سے اڑ جاتے ہیں بالکل ایسے ہی میرے اوسان کے سارے چڑی کبوتر پھر ہوئے۔

نیا نیا شہر آیا تھا، ابھی دن ہی کتنے ہوئے تھے کہ ایسے بم مارکہ لہجوں کا عادی ہو جاتا۔ سر گھما کر آس پاس دیکھا تو چھوٹی سی قمیص اور کھلے پائنچے کی پینٹ میں وہ ایک لش پش کار سے ذرا فاصلے پر کھڑی مجھے گھور رہی تھی۔ بعد میں معلوم ہوا یہ پینٹ اس کے ابا کی تھی۔ ابا کے ہی لائے امریکی رسالے کی ماڈل کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے پہنی تھی۔

ٹی وی کی نشریات نئی نئی رنگین ہوئی تھیں۔ شہر

pklibrary.com

میں ہر طرف رنگین ٹی وی کا بڑا چرچا تھا، یونیورسٹی کی عمارت کے پس منظر میں لش پش کار کے قریب کھڑی وہ ایسی لگی جیسے ساری دنیا بلیک اینڈ وائٹ ہو اور ایک صرف وہی رنگین ہو۔

میں نے یعنی بلیک اینڈ وائٹ دیہاتی نے ایک نظر اس لڑکی کو دیکھا اور گھبرا گیا۔ وہ اتنی بے جھجک مجھے گھور رہی تھی۔ گلے میں دوپٹہ وغیرہ بھی نہیں تھا قمیص کے اوپر کے بٹن بھی کھلے تھے، توبہ توبہ! میں نے فوراً نظریں گھمالیں۔

میں یہ بھی سمجھ گیا کہ مجھے شہری بابو طنزاً کہا گیا ہے۔ میری سائیکل اس کی گاڑی کے راستے میں نہیں تھی پھر بھی وہ غصہ کر رہی تھی۔ میں نے سائیکل کو تھوڑا فاصلے پر کھڑا کر دیا، اس پر وہ اور بھڑکی۔ ہاتھ سے اشارہ کرکے کہا۔

"اس کلنک کے ٹیکے کو دور کرو میری کار کی حدود سے۔"

اس نے ہاتھ سے در فٹے کا نشان بھی بنایا تھا۔ اچھا تو وہ یہ چاہتی تھی کہ میری دیہاتی سائیکل اس کی گاڑی کے قریب و جوار میں کہیں دکھائی نہ دے۔

میں شہری لوگوں کو القابات سے نوازتے، زیر لب بڑبڑاتے ہوئے سائیکل کو دور بہت دور لے گیا۔ پھر کھڑا کرکے تالا لگانے لگا۔ دراصل یہ میرا شہر میں تیسرا اور یونیورسٹی میں پہلا دن تھا، دادا جی نے کہا تھا کہ پتر سائیکل کا خیال رکھنا۔ کچھ میرے دل میں بھی خیال آتا تھا کہ شہر میں چور اچکے، اٹھائی گیر بہت ہوتے ہیں میری سائیکل ادھر ادھر ہوگئی تو میں اس بھرے پرے شہر میں دو ٹانگوں پر کیا کروں گا۔

مجھے تو اپنی ٹانگوں سے زیادہ سائیکل کی فکر ہوتی تھی۔ تالا لگا کر میں نے سر اٹھایا تو ڈر گیا وہ عین میرے سر پر کھڑی تھی اور بڑے غور سے تالا لگانے اور پھر مجھ وہمی کے اسے تین چار بار کھینچ کر پڑتال کرنے کے عمل کو دیکھ رہی تھی۔

"شہر کے چوروں کا معیار ابھی اتنا نہیں گرا کہ اس جہاز کو چرائیں۔" اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

شہر کے چوروں کا معیار گرا ہو یا نہ ہو لیکن مجھ دیہاتی کے وہم کا کوئی علاج نہیں تھا۔ میں ویسے ہی گھبرایا ہوا تھا پھر وہ عین میرے پیچھے کھڑی تھی۔ وہ پہلی لڑکی تھی جو اتنے قریب آکر کھڑی ہوئی تھی۔ جس سے بڑی پیاری خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔ وہ بلیک اینڈ وائٹ دنیا میں صرف رنگین ہی نہیں تھی بلکہ عطر معطر بھی تھی۔

میں اپنے ڈیپارٹمنٹ کی طرف اپنی پہلی کلاس لینے آیا۔ وہ چیونگم چباتی میرے آگے آگے چلتی رہی۔ میں دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ وہ یہاں کسی سہیلی سے ملنے آئی ہو، یہ اس کا ڈیپارٹمنٹ نہ ہو، یہاں اس کی کلاس نہ ہو۔ میں کلاس میں داخل ہوا تو وہ سامنے سیٹ پر بیٹھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ بہت اونچی آواز میں بے شرمی سے قہقہے لگا رہی تھی۔ مجھے جو خالی سیٹ دکھائی دی، میں بیٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد اس نے سیٹ پر گھوم کر پوری کلاس کا ایک جائزہ لیا اور پھر اس کی نظریں مجھ پر آکر ٹھہر گئیں۔ اس کی چیونگم غبارہ بنا چکی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے وہ غبارہ پھوڑ دیا۔ دو انگلیوں کو آنکھوں پر رکھ کر میری طرف گھمادیا کہ میں تمہیں دیکھ رہی ہوں۔ پتا نہیں وہ سبھی پاگل تھے یا میں ہی زیادہ گھبرایا ہوا تھا ساری کلاس ہنسنے لگی۔

☆☆☆

یہ ماہی تھی.......مہ جبیں.......

ایسی ٹارزن لڑکیاں گھر کیوں نہیں بیٹھتیں۔ تعلیم انہیں انسان کیا بنائے گی الٹا مزید برباد کردے گی۔

شروع شروع میں، میں اسے دیکھتے ہی بڑبڑانے لگتا تھا۔ جہاں سے وہ گزرتی وہ راستہ بدل لیتا تھا۔ اس کی شکل دیکھتے ہی میری ہوائیاں اڑنے لگتی تھیں۔ وہ چڑیل تھی یا نہیں لیکن میں بھوت بن جانا چاہتا تھا کہ اسے دکھائی نہ دوں۔

pklibrary.com

اگلے کئی دن میں نے دو کام کیے۔ اپنی سائیکل کو اس کی گاڑی سے بہت دور کھڑا کیا۔ وہ کلاس میں جہاں بیٹھتی اس سے دور...... بہت دور جا کر بیٹھ جاتا۔ اس کی خوشبو تک سے دور کہ وہ میرے لیے خوشبو دار شہری چڑیل بن چکی تھی۔ گاؤں میں کہتے ہیں کہ خوشبو لگانے سے جن عاشق ہو جاتے ہیں۔ اس پر جن ہی عاشق ہو سکتے تھے، انسانوں میں اتنا حوصلہ نہیں ہو سکتا تھا۔

ایک دن اس نے میری سیٹ پر چند عجیب و غریب شکلوں کی ببل اور چاکلیٹ رکھیں۔

''ڈیڈی امریکا سے لائے ہیں۔'' بے نیازی سے کہا اور چلی گئی۔

دراصل اس دن ساری کلاس کے منہ میں اس کے ڈیڈی کی لائی چاکلیٹ ٹھنسی ہوئی تھیں۔ سنا ہے ایسی چاکلیٹ یہاں سے نہیں ملتی۔

میں تو سنی سنائی، دیکھی دکھائی کچھ بھی نہیں جانتا تھا، میری تو زندگی کی ہی وہ پہلی چاکلیٹ تھی۔ ہمارے گاؤں میں نیلی پیلی میٹھی گولیاں ملتی تھیں، وہی ہمارے لیے آسمان سے اترا من وسلویٰ تھیں۔ ورنہ دادا جی شہر آتے تو سب کے لیے ٹافیاں لیتے جاتے، جو منہ میں رکھتے ہی گھل جاتی تھیں۔ میں اپنا خاندان چھوڑ گاؤں کا پہلا لڑکا تھا جو شہر یونیورسٹی پڑھنے آیا تھا۔ جو ہوسٹل میں رہتا اور آج کل پینٹ شرٹ پہننے کے موسم سے گزر رہا تھا۔

ہمارے کالج کی وردی شلوار قمیص تھی شہر آیا تو بڑی مشکل ہوئی، کلاس میں، ایک صرف میں ہی تھا جو شلوار قمیص پہن کر آتا تھا۔

☆☆☆

پروفیسر رفیق نے اپنے آفس بلا کر بڑے مدلل انداز میں مجھے قائل کر لیا کہ میں پینٹ شرٹ پہن کر آیا کروں، کالی بھیڑ نہ بنوں، ورنہ جتنا میرا مذاق اڑے گا، وہ مجھے تعلیم میں پیچھے لے جائے گا۔

دادا جی کو خط لکھا انہوں نے پیسے منی آڈر کروا دیے۔ بازار گیا، پر کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر اگلے کئی دن بازار گھومتا رہا، سمجھ نہیں آیا کہ کیا لینا ٹھیک ہے کیا نہیں۔ ہمیشہ سے اماں جی ہی میرے کپڑے بنواتی رہی تھیں۔ یہ خریداری والی حرکت مجھے اچھی نہ لگی۔ کہاں میں پڑھنے لکھنے والا کہاں یہ زنانیوں والے کام۔

جیسے تیسے میں نے پیسے برباد کر لیے۔ اور جب پہلے دن میں پینٹ شرٹ پہن کر یونیورسٹی پہنچا ایک لڑکی میرے قریب سے سیٹی مارتے ہوئے گزری۔ اس کے لمبے گھنگھریالے بال پشت پر بکھرے تھے۔ وہ چند قدم آگے نکل گئی پھر رک کر سر گھما کر میری طرف دیکھا۔

''فوت تو نہیں ہو گئے۔''

یہ وہی تھی، کلاس کیا پوری یونیورسٹی کی غنڈا لڑکی۔ جسے ماہی نہیں ہلاکو خان کہنا چاہیے تھا پر شاید لوگ اس سے واقعی ڈرتے تھے۔

''مجھے ساتھ لے جاتے، میں اچھی خریداری کروا دیتی، کیا لڑکیوں جیسا رنگ پہنا ہوا ہے۔ ویسے لڑکیوں جیسے رنگ میں بھی کوئی قباحت نہیں لیکن سچی بات ہے کہ تم پورے جوکر لگ رہے ہو۔''

جو مردانہ کپڑے اور رنگ پہن لیتی تھی اسے مردوں کے لڑکیوں جیسے رنگ پہننے میں کیا مسئلہ ہوتا۔ جوکر والی بات اس نے میرے قریب آ کر میری شرٹ کو چٹکی میں پکڑ کر کہی۔

''یہ لڑکیوں والا رنگ ہے؟'' میرا رنگ اڑ گیا۔ اب تو میرے پاس پیسے ہی نہیں تھے کیا کرتا۔

''تمہیں خود دکھائی نہیں دیا......''

میں نے شرافت سے ناں میں سر ہلا دیا۔ اس نے مجھے سر سے پیر تک دیکھا۔

''میں جوکر لگ رہا ہوں؟'' اگلی فکر ہوئی۔

''تم آئینہ دیکھ کر نہیں نکلے۔''

میں نے پھر ناں میں سر ہلایا۔ اس پر اس نے قہقہہ لگایا۔

pklibrary.com

خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ

خواتین ڈائجسٹ

فروری 2025ء
کے شمارے کی ایک جھلک

- "تکمیل" نعیمہ ناز کا مکمل ناول،
- "محبت معتبر ٹھہری" راشدہ رفعت کا مکمل ناول،
- "پردیس" سمیرا حمید کا مکمل ناول،
- "مالا" نمرہ احمد کا مکمل ناول،
- "ایک رین سجا کر رکھی ہے" آسیہ رئیس خان کا مکمل ناول،
- "انگنا پھول کھلیں گے" راحت جبیں کا ناول،
- قانتہ رابعہ، حمیرا شفیع، لبنیٰ آصف، آمنہ اشرف، فاطمہ احمد اور حنا بشریٰ کے افسانے،
- "عرفان موتی والا" سے باتیں،
- آپ کی پسندیدہ مصنفہ "امت العزیز شہزاد" سے ملاقات،
- ہمارے نام، آپکے خط، ہمارے جواب،
- نفسیاتی ازدواجی الجھنیں اور عدنان کے مشورے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں،

خواتین ڈائجسٹ کا فروری 2025 کا شمارہ آج ہی خریدلیں

pklibrary.com

"میرے گھر میں ایک فالتو آئینہ رکھا ہے کل گاڑی میں رکھ کر لے آؤں گی۔ تم پڑھا کو لوگوں کا یہی مسئلہ ہوتا ہے، کتابوں سے باہر کی دنیا کی خبر ہی نہیں ہوتی۔"

مسئلہ میرا پڑھا کو ہونا نہیں تھا، مسئلہ یہ تھا کہ میری دیہی زندگی کالج سے گھر اور گھر سے کالج تک رہی تھی، وہ بھی سائیکل پر۔ اماں میرے کپڑے دھو کر کوئلے والی استری سے سلوٹیں نکال کر کھونٹی پر لٹکا دیتیں اور میں پہن لیتا۔ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ میرے پاس کپڑے کتنے ہیں۔ شہر کے لیے اماں نے ہی ٹرنک میں سب رکھا تھا۔ گھر والے مجھے بابو صاب کہتے تھے، جس کے کپڑے استری ہوتے ہیں۔

"میرے ساتھ چلنا۔" اس نے کمال بے نیازی سے کہا۔

"میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔" میں نے سچائی سے کام لیا۔ وہ اتنی دیر سے مجھ سے بات کر رہی تھی تو دو چار لڑکے اچنبھے سے میری طرف دیکھ کر گزرے۔

"تم اتنے غریب ہو۔"

وہ نہ جانے اتنی حیران کیوں ہوئی۔ میں حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ اس سے اس کا کیا مطلب تھا۔

پھر اس نے اپنا پرس کھول کر میرے سامنے کیا۔ اندر یہاں وہاں بہت پیسے رکھے تھے۔

"میں چاہوں تو اسی وقت بازار جا کر کچھ بھی خرید سکتی ہوں۔"

"تم اتنی امیر ہو؟" بے ساختہ میرے منہ سے نکل گیا بالکل اسی کے انداز میں اور وہ بے ساختہ ہنس دی۔

"تم سے ایک غلطی ہو گئی بچے!" بچے کہتے اس نے میرا شانہ تھپکا۔

"تمہیں میرے باپ جیسے امیر بندے کے گھر میں پیدا ہونا چاہیے تھا۔" پھر افسوس سے سر ہلایا۔

"وہ میری قسمت میں نہیں تھا لیکن شاید تمہارے باپ جتنے امیر آدمی کا داماد ہونا میرا نصیب ہو جائے۔"

اس پر اس نے جاندار قہقہہ لگایا۔ "یہ تو اس سے زیادہ مشکل ہے۔"

مجھے سر سے پیر تک دیکھا بلکہ گھورا اور افسوس سے سر ہلایا۔ وہ اتنی بڑی گاڑی میں آتی تھی۔ ڈرائیور گاڑی میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرتا تھا۔ یہ واقعی میں مشکل تھا۔

"تمہیں پیسے کون دیتا ہے؟" وہ جانے لگی تو شاید کچھ سوچ کر رک گئی۔

"دادا جی منی آڈر کروا دیتے ہیں۔"

"منی آرڈر......" وہ زیر لب بڑبڑائی اور پھر میری طرف حیرت سے دیکھا کہ میں نے کیسی عجیب سی بات کی ہے۔

"منی آرڈر کیا ہوتا ہے؟" عجیب سا سوال بھی پوچھ لیا۔

"دادا جی ڈاک خانے جا کر فارم بھرتے ہیں پیسے ڈاک خانے والے کو دیتے ہیں مجھے رسید بھیج دیتے ہیں، میں بڑے ڈاک خانے جا کر لے آتا ہوں۔"

"بڑا ڈاک خانہ؟"

وہ یہ کہہ کر میری طرف دیکھتی ہی رہی۔ جیسے میں ان دنوں کی بات کر رہا ہوں جن دنوں اہرام مصر تعمیر ہو رہا تھا۔

"جی پی او..... جنرل پوسٹ آفس!" میں نے متانت سے جواب دیا۔

"منی آڈر ہوسٹل میں بھی مل جاتا ہے۔"

"تمہارے گاؤں میں بجلی ہے؟" وہ مزید تحقیق میں لگ گئی۔

میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

حیرت سے اس کا منہ کھل گیا۔ "ٹی وی ہے؟"

"بجلی نہیں ہے تو ٹی وی کہاں سے ہوگا۔"

اس نے ناک سکیڑ لی۔ "تم جھوٹ بول رہے

ہو؟“

میں نے شانے اچکائے کہ نہ مانو۔

”تم تو جنگل سے آئے ہو...... زندگی کیسے گزارتے ہو وہاں۔“ اسے یک دم ہی کتنی دلچسپی ہو چکی تھی۔

”دادا جی کے پاس ایک بیٹری والا ریڈیو ہے چوپال میں سب اس ریڈیو سے خبریں سنتے ہیں۔“

”پورے گاؤں میں صرف ایک ریڈیو ہے؟“ اس نے ایک انگلی کھڑی کر کے ”ایک“ پر زور دیا۔

”ہاں......“

اس نے پھر ناک سکیڑ لی کہ اسے یقین نہیں ہے۔ میں جھوٹا ہوں لمبی لمبی ہانک رہا ہوں۔ شاید میرے گاؤں کی سچائی نے اسے واقعی حیرت میں ڈال دیا تھا۔

شہر کے لوگ دیہات کی زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ وہ وقت سے بہت آگے زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ جو سہولتیں عام آدمی کو حاصل کرنے میں زندگیاں لگ جاتی ہیں، انہیں وہ آنکھ کھولتے ہی میسر ہوتی ہیں۔ پھر ان کی دنیا اور عام آدمی کی دنیا الگ الگ ہو جاتی ہے۔ ایسے ایک ہی دنیا میں رہتے ہوئے بھی سب جدا جدا رہتے ہیں۔

بجلی قریب کے گاؤں میں آ چکی تھی لیکن چوپال میں بیٹھنے والوں نے باہمی صلاح مشورے سے فیصلہ کیا تھا کہ بجلی تک تو ٹھیک ہے لیکن گاؤں میں ٹی وی نہیں آنے دیں گے یہ کیا بات ہوئی کہ ایک ڈبہ سارے گاؤں کو بے حیا کر دے۔

”تمہارا گاؤں تو دیکھنے کی چیز ہوگا۔“ وہ حیران پریشان سی چلی گئی۔

☆☆☆

اس سے بات چیت، ملاقات کبھی مایوس نہیں کرتی تھی۔ یا تو بندہ کھل اٹھتا تھا یا پھر بد دل ہو جاتا تھا۔ مردوں کی طرح آستین کے بازو چڑھا کر رکھتی تھی۔ پوری یونیورسٹی میں واحد لڑکی تھی جو بغیر دوپٹے کے آتی تھی۔ سنا تھا کچھ غریب اسٹوڈنٹس کی مالی مدد بھی کرتی ہے۔ اس کے بارے میں بہت کچھ مشہور تھا۔

وہ اچھی ہے وہ بہت بری بھی تھی۔ بغیر دوپٹے کے بے شرمی سے دندناتی پھرتی ہے، مردانہ کپڑے پہنتی ہے، سگریٹ پیتی ہے، لڑکوں کے ہوسٹل چلی جاتی ہے، ڈسکو ڈانس کرتی ہے، رات گئے تک آوارہ گردی کرتی ہے، انگلش اردو گالیاں دیتی ہے۔ بس بہت کچھ کر لیتی ہے۔ وہ مسز شمسہ کی طرح ڈھاکے کی ململ کی ساڑھی باندھ کر بھی آ جایا کرتی تھی۔

ایک دن آئی تو بال اتنے چھوٹے کٹے ہوئے تھے کہ پیچھے سے پوری گردن دکھائی دیتی تھی۔ مسز فاروق تک نے دیکھ کر منہ بنا لیا جن کے اپنے بال شانوں تک کٹے پھٹے تھے۔ چند دن گزرے تو اس بے پردہ گردن کے پیچھے ٹیٹو کھدوایا۔

”یہ حرام ہوتا ہے۔“ کسی نے چلا کر جتایا۔

”تم اپنی حلال نظریں گھما لو۔“ اس نے چمک کر کہا۔

اس کے منہ کون لگتا۔ کبھی لڑکوں کے گروپ میں قہقہے لگاتی دکھائی دیتی، کبھی اکیلی کسی کونے میں کتاب میں منہ دے کر بیٹھی ہوتی۔ لڑکیاں اسے سائیکو کہتیں۔ پھر یہی لڑکیاں اس کی گاڑی میں بیٹھ کر مال پر دہی بھلے کھا رہی ہوتیں۔ مل کر سب نے انارکلی پر ہلا بول دیا ہوتا۔ وہ پرس سے پیسے نکال نکال کر پکڑاتی رہتی۔

ساری یونیورسٹی اس کی مقروض تھی۔ جن سے وہ سختی سے پیسوں کی واپسی کا تقاضا کرتی، وہ بدک کر اس کے بارے میں طرح طرح کی افواہیں اڑانے پر آ جاتی تھیں کہ یہ اپنی فیشن ایبل سوتیلی ماں کے پرس سے پیسے اڑاتی ہے، اس کے قیمتی زیور چرا کر بیچ دیتی ہے پھر مستیاں کرتی ہے۔ اس کے بارے میں اتنا کچھ مشہور تھا کہ سب پر یقین آ جاتا تھا اور نہیں بھی۔

☆☆☆

یونیورسٹی کا نیا ہنگامہ کچھ ایسے تھا کہ رابعہ کا نکاح افراتفری میں طے ہوا تھا۔ جیسے مارشل لاء لگنے والا ہو۔ ایمرجنسی کا نفاذ ہونا ہو۔ سنا تھا اس نے وہاں جا کر وہ ڈھولک بجائی وہ گانے گائے کہ رابعہ کے خاندان میں اس بھائی جان لڑکی کی گائی بجائی رونق بڑی مشہور رہی۔ اس کا مردانہ حلیہ اور سریلی آواز، وہ ڈھولک بجانے والی بھائی جان۔

ویسے وہ ڈیپارٹمنٹ کی واحد لڑکی تھی جس کے ڈیڈی امریکا آتے جاتے رہتے تھے ورنہ زیادہ تر کے سعودی عرب مسقط یا دبئی تک ہی پنڈولم بنے جھول رہے تھے۔ اب کہاں برفیلی ہواؤں کے مزے اور کہاں یہ صحراؤں کی گرم ہوائیں۔

ایک بات مجھے بھی سمجھ میں نہیں آئی کہ ماہی حقوق نسواں کی حامی زیادہ تھی یا پھر فرائض مرداں کی۔ کبھی لگتا کہ وہ عورتوں کے حقوق کے لیے کسی کی جان تک لے لے گی۔ اور کبھی لگتا کہ وہ اپنے عورت ہونے تک سے نفرت کرتی ہے اور صرف مردوں کو ہی لائق مخلوق سمجھتی ہے۔

اس نے ہر معاملے میں سب کو پیچھے چھوڑا ہوا تھا۔ کچھ لڑکیاں اسے بھائی جان کہہ کر یہ ثابت کرنا چاہتی تھیں کہ وہ نسوانی حسن کے پیمانے پر پوری نہیں اترتی۔ ایسے وہ اپنے دل کو تسلی دے لیا کرتی تھیں کہ اس کے امیرانہ حسن میں نزاکت نہیں ہے۔ لیکن اگر کبھی وہ چھوٹی قمیص اور کھلے پائنچوں کی شلوار پہن کر، چار چھ چوڑیاں کلائی میں چڑھا کر یونیورسٹی آجاتی تو گردن تک کٹے بالوں کے باوجود مشرقی حسن کا چلتا پھرتا نمونہ لگتی تھی، جو کئی لڑکیوں کو منہ چڑا رہا ہوتا۔

ساڑھی میں تو اس کی پروفیسرز بھی تعریف کیا کرتی تھیں۔ یہی دل جلی لڑکیاں اس کے نصیب پر جلتی کڑھتی رہتیں کہ چونکہ وہ گرہستن لڑکی نہیں ہے، آزاد خیال اور من مانی کرنے والی ہے تو اس کی شادی کہیں بھی ہوئی، بات طلاق پر ہی ختم ہوگی۔

اس جوکر والی بات کے بعد اگلے ہی دن وہ گاڑی میں ایک بڑا سا آئینہ رکھ کر لے آئی تھی۔ اب وہ لے آئی تھی تو مجھے بھی سائیکل کے پیچھے رکھ کر اسے ہوسٹل لانا پڑا۔ اسے کمرے کے کونے میں رکھا تو سارا کمرا جگمگ کرنے لگا۔ پتا نہیں اس کا دیا ہوا آئینہ ہی اچھا تھا یا میری شکل پر شہری رنگ چڑھ گیا تھا، میں اس آئینے میں کافی اچھا دکھائی دے رہا تھا۔

"دیکھا میرے آئینے کا کمال! اب انسانوں جیسی شکل لگنے لگی ہے۔" اگلے دن وہ ملی تو چہک کر کہا۔

میں کسمسا کر رہ گیا۔ "شکریہ مجھے انسان بنانے کا۔" جو خود پوری والی انسان نہیں تھی اس نے مجھے شہری بابو بنا دیا تھا۔

اس نے اپنے گھر میں میوزک پارٹی رکھی تھی۔ اس کے ڈیڈی کسی مشہور امریکی بینڈ کے کیسٹس لائے تھے۔ کئی ہفتوں تک اس کی میوزک پارٹی کا چرچا رہا جہاں اس نے ڈسکو بھی کیا تھا۔ اس واہیات پارٹی میں گئے بھی سب تھے اور باتیں بھی سب نے کی تھیں۔ جو نہیں گئے تھے، انہوں نے بڑی منت سماجت سے ماہی کو اگلی بار بلانے کے لیے پکا کیا تھا۔

لڑکیاں اپنی پینٹ شرٹ پہننے کی خواہش اس کے گھر جا کر پوری کرتی تھیں۔ اس کی الماری میں گھس کر اس کے کپڑے نکالتیں، میک اپ کرتیں، پرفیوم لگاتیں اور اسی کے کیمرے سے تصویریں بنواتیں۔

اس ڈسکو پارٹی کے بعد تصویریں دھل کر آئیں تو پورے ڈیپارٹمنٹ میں آگ ہی لگ گئی۔ کسی دل جلے نے رابعہ کے شوہر کو ایک تصویر بھجوادی۔ اگلا پورا ہفتہ وہ یونیورسٹی نہیں آئی۔ آئی تو اس خبر کے ساتھ کہ ایک مہینے کے اندر اندر اس کی رخصتی ہے۔ وہ ماہی کو ہاتھ اٹھا اٹھا کر بددعائیں دیتی، روتی پیٹتی رہی کہ اس کی وجہ سے اس کا ماسٹرز ادھورا رہ گیا۔

☆☆☆

وہ لائبریری سے ایک وقت میں ایک کتاب لے کر پڑھتی تھی اور اسی ایک کتاب میں سے ایک خط

pklibrary.com

نکلا۔

”خدا کے لیے دوپٹہ لے کر یونیورسٹی آیا کرو، مجھے اچھا نہیں لگتا جب لڑکے تمہیں گھورتے ہیں۔“

یہ خط اس نے باآواز بلند پڑھ کر سنایا پھر کلاس کے سامنے لہرا کر پوچھا۔

”یہ جس نے بھی لکھا ہے، وہ خود ہی سامنے آجائے۔ مجھے معلوم ہوا تو اچھا نہیں ہوگا۔“ نرمی سے دھمکی دی گئی تھی۔

کوئی بھی اپنی جگہ سے نہیں اٹھا۔ ”تم رائٹنگ دیکھ لو۔“ پیچھے سے قمر نے ہانک لگائی۔

”اتنی سمجھ تو اس بے چارے میں ضرور ہوگی کہ خط کسی اور سے لکھوا لیتا یا چالاکی سے رائٹنگ بدل لیتا۔“

کنول نے ٹانگ پر ٹانگ رکھتے ہوئے کہا۔

”پکا یہ کوئی لڑکا ہی ہے۔“ نکاح شدہ رابعہ جس کا یونیورسٹی میں یہ آخری ہفتہ تھا، نے کہا۔

”کل سے دوپٹے میں آنا، ہمارے ہونے والے بھائی جان کو برا لگتا ہے۔“ کنول باز نہیں آئی۔ سب ہنسنے لگے، وہ بھی ہنسنے لگی۔

اور اگلے دن وہ لمبے سے دوپٹے میں آئی۔ ساری کلاس تو حیران تھی ہی پروفیسرز بھی بڑا حیران ہوئیں۔ مسز شمسہ نے چشمے کے پیچھے سے دیکھا اور کہا۔

”اچھی لگ رہی ہو۔“ کہ اب اوڑھ ہی لیا ہے تو خدا کے لیے چھوڑ نہ دینا۔

اس دن میں درخت کے نیچے بیٹھا نوٹس بنا رہا تھا کہ وہ دھم سے میرے سامنے آکر کھڑی ہوگئی۔

”وہ خط تم نے مجھے لکھا تھا؟“ جیسے اسے یقین تھا۔ میں کھسیا کر رہ گیا۔ ”میں یہاں پڑھنے آیا ہوں، کبوتر بننے نہیں۔“ میرے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ ”تم اتنا ڈرتے کیوں ہو۔“

”تم سے سب ڈرتے ہیں۔“

”پر کس لیے...... چلو، آج تم ہی بتا دو۔“

”تمہاری گاڑی سے...... تمہارے اس لمبی مونچھوں والے ڈرائیور سے، تمہارے دوپٹہ نہ لینے سے، گردن کے ٹیٹو سے اور پھر تمہارے ڈیڈی سے بھی۔ جن سے کوئی نہیں ملا لیکن سب ڈرتے ہیں کہ وہ کسی کو بھی اپنے آدمیوں سے اغوا کرا سکتے ہیں، گولی مار کر لاش نہر میں پھنکوا سکتے ہیں...... تمہارے پرس میں پڑے مڑے تڑے ڈالروں سے...... امریکی بینڈ کی کیسٹس سے...... تمہارے سگریٹ پینے سے ...... اور تمہارے لڑکوں کو مارنے سے بھی......“

میں نے ایک ہی سانس میں سب کہہ دیا۔ خوف سے میرا چہرہ زرد پڑ چکا تھا۔

”انہیں مارنا ضروری تھا۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

”تم نے عین ریٹائرمنٹ کے سال میں وفیسر ندیم بیگ کے خلاف کابینہ بٹھادی۔“

”تم اس کمینے کے بارے میں کیا جانتے ہو۔“ اس کی گردن کی رگیں تن گئیں۔

مجھے برا لگا کہ اس نے پروفیسر کو ایسے گالی دی۔

میرا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ہم تو استادوں کی جوتیاں کھا کر بھی اُف نہ کرنے والے دیہاتی تھے۔

”سنو مسٹر گنوار! تم لاکھ پڑھاکو سہی لیکن کچھ باتیں صرف لڑکیاں ہی جانتی ہیں۔“

”تم بھی سن لو ماہی کہ لڑکیاں صرف کچھ باتیں جانتی ہیں لیکن لڑکے بہت ساری باتیں جانتے ہیں۔ کینٹین میں ہونے والی بکواس، ہوسٹل کے کمروں میں گونجتے ذومعنی قہقہے، اور سگریٹ کے بادلوں میں اڑائی گئیں پھبتیاں۔ اگر تمہارے سامنے چند باتیں دہرا دوں تو تم ان سب کا خون پی جاؤ۔“

وہ میری شکل دیکھ کر رہ گئی۔ ”تم کہنا کیا چاہتے ہو۔“

”تم آزاد خیال ہو، کچھ کچھ سمجھتی ہو، سب کچھ نہیں۔“

”ساری دنیا ہی دوغلی ہے۔“

”تم بھی ہو؟“ میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

pklibrary.com

پتا نہیں کیوں لیکن مجھے لگا کہ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

"میں تو دوغلوں کی سردار ہوں۔" وہ ہنس دی لیکن بہت اداس لگی۔

"ایسا نہیں ہو سکتا۔" میں نے جیسے یقین سے کہا۔

"اور ہاں میں سگریٹ نہیں پیتی۔" اداسی سے ہی کہا اور چل دی۔

وہ بھی کسی کو صفائی نہیں دیتی تھی، نہ جانے مجھے کیوں دے رہی تھی۔

"مہ جبیں! سنو۔" پیچھے سے آواز دی۔

وہ رک کر مجھے دیکھنے لگی۔

"وہ خط تمہیں اچھا لگا؟"

"میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا۔"

"پھر دوپٹہ لے کر کیوں آئی ہو؟" میں شرارت سے ہنسنے لگا۔

"مجھے اس کی جرأت اچھی لگی۔" سنجیدگی سے کہا۔

☆☆☆

یہ جرأت تھی حوصلہ یا پھر محبت، اس کی کتابوں سے خط نکلنے کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔ کسی میں شعر ہوتا، کسی میں غزل، کسی میں خیال بیانی اور ایک بار اس کی ململ کی ساڑھی کی تعریف۔ ماہی نے خط والے کو ڈھونڈنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی۔

خط کبھی کتاب سے نکلتے، کبھی اس کی گاڑی کے بونٹ پر چپکے ہوتے اور کبھی کلاس میں اس کی کرسی پر رکھے ملتے۔ جنہیں دیکھ کر "لو آ گیا محبت نامہ" کی ہانک لگائی جاتی۔ اس نے کئی خط کلاس کے سامنے پڑھے۔ کچھ پھاڑ کر پھینک دیے، کچھ مٹھی میں بھینچ کر ڈسٹ بن میں اچھال دیے۔

"کبوتر خط نہیں لایا۔"

خط میں لمبا وقفہ آ جاتا تو کوئی پوچھ لیتا ورنہ لڑکیاں جان کو آ جاتیں۔

"ہمارے بھائی جان کیسے ہیں، بڑے دنوں سے غائب ہیں۔"

ایک دن وہ اپنے منگیتر کے ساتھ یونیورسٹی آئی، جو ٹھنڈے ملک سے گرم ملک کی ہوا کھانے آیا تھا۔ وہ اتنا دراز قد اور گورا چٹا تھا کہ ماہی کے بتانے پر بھی یقین نہیں آیا کہ وہ پاکستانی ہے۔ اس کی سہیلیاں اپنی ٹوٹی پھوٹی انگلش میں اسے متاثر کرنے کی کوشش کرتی رہیں۔ لڑکے دور سے ہی اس کا قد کاٹھ ناپ کر ہانپ گئے۔

"بڑا اونچا ہاتھ مارا ہے۔" اگر کسی کا ماہی پر دل تھا بھی تو سب ہاتھ سے گیا۔

"فرسٹ کزن ہے۔"

"ایسے فرسٹ کزن بھی ان ہی امیر لوگوں کے ہوتے ہیں ہمیں تو دودھ دہی والے ہی ملتے ہیں۔"

"اسے وہ خط پڑھ کر سنائے ہیں؟" کنول کی آنکھوں میں کتنا حسد چڑھ آیا تھا۔ یہ امیر لوگ اور ان کی قسمتیں۔

"وہ میرا منگیتر ہے، میری ماں نہیں جسے سب بتاؤں۔"

"ماں کو سب بتاتی ہو؟" لڑکیاں کتنی جل ککڑیاں ہوتی ہیں۔

"ماں زندہ ہوتی تو بتا دیتی۔" کتنی سنجیدہ تھی وہ۔

"میں اس کی چھوٹی سی ممی سے مل چکی ہوں جن کا ناک میں دم کر رکھا ہے اس نے۔"

"ان دونوں نے میری ناک کے ساتھ بھی یہی کچھ کیا ہے۔" وہ انگلیاں چٹخانے لگی۔

ایسے وقت میں وہ مجھے بڑی کمزور سی لڑکی لگتی تھی جو بڑی جلدی رو دے گی اور جس کی ہچکیاں تک بندھ جائیں گی۔

لڑکیاں اس پر ایسے ویسے طنز کر کے اسے زچ کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھیں۔

وہ اسے بہانے بہانے سے یاد دلاتی رہتی تھیں کہ بہت سا پیسہ ہونے کے باوجود بھی ماہی کی زندگی ان کی زندگیوں کی طرح نارمل نہیں ہے۔

اس کے پاس ایک ایسا گھر آنگن نہیں ہے

pklibrary.com

جہاں پیار کرنے والی ماں تخت پر بیٹھ کر سبزی بناتی ہے، باپ کام سے تھکا ہارا گھر آتا ہے، بہن بھائی دو دو روپے کی چیز پر جانوروں کی طرح لڑتے ہیں اور ماں انہیں چپل کھینچ کر مارتی ہے۔ تیز بخار میں یہی ماں سرہانے بیٹھ کر ٹھنڈی پٹیاں کرتی ہے۔ باپ بن ڈبل روٹی لاتا ہے کہ دودھ میں بھگو کر کھالو، تھوڑی جان آجائے گی۔

اب کہاں گھاس کا بڑا سا لان اور کہاں یہ گھر آنگن، جہاں سارے فساد کے باوجود ماں باپ کا سگا والا پیار موجود تھا۔ لڑنے مرنے والے ہی سہی پر اپنے بہن بھائی تھے۔ فیشن ایبل سوتیلی ماں نہیں جو آئے دن باپ کے کان بھرے اور اکلوتی بیٹی کا جینا دوبھر کر دے۔

''تم امیر لوگوں کو اپنے ممی ڈیڈی سے بڑی فیشنی سی شکایتیں ہوتی ہیں۔ ہمیں وقت نہیں دیتے، ملازموں پر چھوڑ دیا، مل کر ڈنر نہیں کرتے، حال نہیں پوچھتے، ہونہہ! ہم سے پوچھو، شکایت کسے کہتے ہیں۔ میرے باپ نے میری یونیورسٹی کی فیس دینے سے صاف منع کر دیا تھا۔ مانگ تانگ کر کیسے فیس بھری ہے، میں ہی جانتی ہوں۔''

''سب کی اپنی ضرورتیں ہوتی ہیں تمہاری ضرورت فیس، میری ضرورت توجہ۔''

''تمہارا پرس ڈالروں سے بھرا رہتا ہے توجہ کی پروا کیوں کرتی ہو۔''

ماہی کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ کچھ لوگوں کو ہم کبھی سمجھ نہیں پاتے۔ ایسے ہی میں اس کو سمجھ نہیں پایا۔ اس نے اپنے ڈرائیور کی چھٹی کر دی اور شہر کی سب سے کھٹارا گاڑی لے لی جبکہ وہ کوئی بھی نئی گاڑی بڑے آرام سے لے سکتی تھی۔

''یہ میں نے اپنی پاکٹ منی سے لی ہے۔''

میں نے طنزاً اس کی گاڑی کی تعریف کی تو اس نے خوش ہوتے ہوئے بتایا۔

''تمہاری پاکٹ منی اتنی زیادہ ہوتی ہے۔'' طنز سے کھنچے میرے ہونٹ حیرت سے وا ہو گئے۔

''لندن سے انکل آئے تھے پونڈز دے کر گئے تھے۔'' ''تمہارا کوئی ایک چچا، ماموں، خالو مجھے مل سکتا ہے؟'' میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''دیکھو! سنجیدگی سے ایک بات کہوں کبھی امیر ہونے کی خواہش نہ کرنا، بڑی ذلالت ہے اس میں۔'' ''کسی امیر کو دیکھ کر لگتا تو نہیں کہ وہ ذلیل ہو رہا ہے۔'' وہ بڑے زور سے ہنسی۔ ''پیسے بہت سی چیزیں خرید دیتے ہیں لیکن بہت سا احساس کھا جاتے ہیں۔''

''مجھے فی گھنٹہ پیسے دو تو میں ہر نسل کے احساس کے لیے تمہیں وقت دے سکتا ہوں۔''

''تمہارا وقت چاہیے کسے؟''

اس نے ٹھیک کہا تھا۔ میری اوقات تھی کیہ وہ مجھے منہ لگاتی۔ سب کو گاڑی والی بات مذاق لگتی تھی لیکن وہ ایک عرصے تک اسے سنجیدگی سے چلاتی رہی۔ کلاس فیلوز کو گھر تک چھوڑ دیتی تھی۔ ایک دن مجھے بھی ہوسٹل چھوڑ دیا تھا۔

''تمہارا گاؤں کیسا ہے۔'' وہ گاڑی چلاتے پوچھ رہی تھی۔

''جیسے گاؤں ہوتے ہیں۔'' اس کی کار عطر معطر تھی۔

''میں نے کبھی گاؤں نہیں دیکھا۔ مجھے نہیں معلوم، کیسے ہوتے ہیں۔'' وہ سچ کہہ رہی تھی۔

میں خاموش ہو گیا۔ سہم الگ گیا۔

''اپنا گاؤں دکھاؤ گے؟''

''تمہیں برا لگے گا لیکن نہیں......'' مجھے کہنا پڑا۔ وہ میری طرف سر گھما کر دیکھ کر رہ گئی۔

''اس کی وجہ۔'' وجہ شاید وہ جانتی تھی۔

''تم اچھی لڑکی ہو لیکن جیسے کپڑے تم پہنتی ہو......گاؤں کے لوگ بڑے سادہ ہوتے ہیں جو دیکھتے ہیں۔ اسی پر ایمان رکھتے ہیں۔ میں شہر پڑھنے آیا ہوں، سارے گاؤں کی ساکھ اپنے سر پر رکھ کر لایا

pklibrary.com

ہوں، یہاں ایسا ویسا کچھ کیا تو سارا گاؤں شرمندہ ہو گا، تمہاری گردن پر بنا بچھو تمہیں کافر قرار کروا دے گا۔ وہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے لیکن مجھے نہیں چھوڑیں گے۔" بڑے نپے تلے انداز میں بتایا۔

"تم بہت ڈرپوک نکلے۔"

اس نے مذاقاً کہا لیکن مجھے اندازہ ہو گیا کہ اسے تکلیف پہنچی ہے۔ اتنی کہ وہ اگلے کئی دنوں تک مجھے کہیں دکھائی نہیں دی۔ کبھی کبھی جو دوپٹہ لے کر آجاتی تھی، وہ دوپٹہ بھی غائب ہو گیا۔

☆☆☆

ایک دن دادا جی یونیورسٹی آگئے۔ یہ میری سالگرہ کا دن تھا۔ باغ میں گھاس پر بیٹھے ہم باتیں کر رہے تھے کہ دُور پتھریلی روش پر ماہی ہمیں دیکھتے ہوئے گزر گئی۔ کچھ دیر بعد پلٹ کر آئی۔ اب گلے میں کسی سے ادھار لیا ہوا دوپٹہ تھا۔ دادا جی کو سلام کیا، سر پر پیار لیا پھر بھاگ کر گئی اور دو ٹھنڈی بوتلیں لے آئی، ایک دادا جی کو دی ایک خود پینے لگی۔ میں ظاہر ہے دونوں کا منہ دیکھ رہا تھا۔

"میں آپ کا گاؤں دیکھنا چاہتی ہوں لیکن آپ کا پڑھاکو کہتا ہے کہ میں گاؤں نہیں آسکتی کیونکہ میں کافر ہوں۔"

دادا جی نے میری طرف بڑی ناراضی لیے دیکھا۔

"تمہیں شہر پڑھنے کے لیے بھیجا تھا فتوے لگانے کے سے نہیں۔"

ماہی تو کھل اٹھی، اس کی زبان اور قینچی کی طرح چلنے لگی۔

"اس کا کہنا ہے کہ جس طرح کی میں لڑکی ہوں، گاؤں والے اسے باتیں کریں گے۔"

دادا جی نے جیب سے پورے دو روپے نکال کر اسے پکڑائے اور سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"مجھے خط لکھ دینا، میں خود تمہیں آکر لے جاؤں گا۔"

دو روپے اس نے بڑی اپنائیت سے پرس میں رکھے اور مجھے دیکھ کر منہ چڑا دیا۔

"گاؤں میں فون نہیں ہے؟" وہ خط کیسے لکھتی۔

"اس سے کہنا، یہ خط لکھ دے گا۔" دادا جی نے پھر محبت سے کہا۔

"اب میں اس سے کچھ نہیں کہنا چاہتی۔" وہ تو دادا جی سے باقاعدہ لاڈ کرنے لگی۔

☆☆☆

"جس علم سے اپنی برائی کے بجائے دوسروں کے عیب دکھائی دینے لگیں اسے چھوڑ دینا بھلا ہوتا ہے پتر!

کچھ برائیاں انسان اپنے اندر خود پیدا نہیں کرتا بلکہ اس کا ماحول اسے باغی کر دیتا ہے۔"

دادا جی نے گاؤں جا کر مجھے ایک لمبا خط لکھا۔ دادا جی پوری آٹھ جماعتیں پاس تھے۔ وہ بہت پڑھنا لکھنا چاہتے تھے لیکن یتیم ہو گئے، گھر کی ذمہ داری سنبھالی، کھیتی باڑی میں جت گئے۔ ان کی وجہ سے گاؤں کی کئی شادیاں غیر برادریوں میں بھی ہوئیں، بچپن کی کئی منگنیاں ٹوٹ گئیں کہ بچوں کی مرضی نہیں۔ جہاں دل راضی نہ ہو وہاں گھر نہیں بستے۔ ایک دن اچانک پھر سے دادا جی آگئے۔ ماہی کو بلوایا، اسے گاؤں آنے کے لیے کہا۔ اپنے ساتھ لایا ساگ، دیسی گھی، گڑ کی سوغاتیں اسے پکڑائیں۔ جسے اپنی کھٹارا گاڑی کی پچھلی سیٹ پر رکھ کر وہ دادا جی کو اگلی سیٹ پر بٹھا کر ریگل سے چاٹ کھلانے لے آئی۔ میں پچھلی سیٹ پر بیٹھا سارا تماشا دیکھتا رہا۔ وہ دادا جی سے ٹوٹی پھوٹی پنجابی میں باتیں کرتی رہی۔ ایک جگہ گاڑی روک کر بھاگ کر اندر سے آئس کریم لائی، ایک دادا جی کو دی ایک خود کھانے لگی۔ دونوں نے پلٹ کر بھی میری طرف نہیں دیکھا۔ یہ شاید دادا جی کی زندگی کی پہلی کون والی آئس کریم تھی، جسے وہ کھا کم اور منہ پر زیادہ لگا رہے تھے۔ ماہی ہاتھ بڑھا کر رومال سے ان کا منہ پونچھ رہی تھی۔

"بیٹیوں کے مان رکھنے پڑتے ہیں پتر!"

pklibrary.com

میرا پھولا ہوا منہ دیکھ کر دادا جی کہہ گئے۔ اسی مان کے لیے انہوں نے مجھے کئی بار ڈانٹا، ڈنگر، کملا اور بے وقوف کہا۔ گاؤں کے وہ قصے سنائے جس سے میری سبکی ہوتی رہی۔ ہنس ہنس کر ماہی کا حال تباہ ہو گیا۔

☆☆☆

ایک دن ماہی گاؤں سے ہو بھی آئی۔ اگلے دن سے امتحان شروع تھے، سب پر امتحانوں کا بھوت سوار تھا اور وہ سیر سپاٹے کر رہی تھی۔ دادا جی نے اسی کے ہاتھ خط اور کھانے پینے کی کچھ چیزیں بھیجی تھیں۔

''تم میرے گھر گئی تھیں۔'' میں کتنا حیران تھا۔

ہاتھ پیچھے باندھ کر وہ بے نیازی سے شانے اچکا کر رہ گئی۔ ''دادا جی کے گاؤں۔''

''وہ میرے دادا جی ہیں۔''

''لیکن تم ان کا خون نہیں لگتے۔'' وہ منہ چڑا کر چلی گئی۔

مجھے بڑی فکر ہوئی، دل چاہا کہ گاؤں پہنچ کر خبر لوں کہ یہاں وہ کیا کچھ کر گئی لیکن امتحان نے سر اٹھانے نہیں دیا۔ امتحان کے بعد گیا تو نئی ہی باتیں معلوم ہوئیں۔ میرا خیال تھا، وہ گاؤں دیکھنے گئی ہے لیکن وہ تو پڑ کر بے بے کی منجی پر سوتی رہی۔ اٹھی تو بے بے نے کہا، کڑیے تیری ساری نمازیں نکل گئیں، جلدی کر ورنہ مغرب بھی گئی۔ وہ جلدی سے وضو کر کے نماز کے لیے کھڑی ہو گئی، الٹی سیدھی نماز پڑھنے لگی۔ لڑکیاں پلو میں منہ دے کر دہری ہوتی رہیں۔ بے بے نے کئی بار جھڑکا کہ نمازی بندے کی چاہت دیکھتے ہیں، طور طریقہ نہیں۔ روٹی ٹکر کے بعد وہ اپنی کھٹارا گاڑی میں واپسی کے لیے نکل کھڑی ہوئی۔ سب نے بڑا روکا کہ صبح چلی جانا پر وہ باز نہیں آئی ہاتھ ہلاتی گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ بے بے آیت الکرسی پڑھ پڑھ کر پیچھے سے پھونکے مارنے لگیں۔ اس نے بے بے کو فلائنگ کس دی۔ لڑکیوں نے لال پیلا ہو کر پلو میں منہ دے لیے۔ دادا جی نے تین چار لڑکے سائیکلوں پر اس کے پیچھے کیے، وہ کھڑکی سے سر نکال کر چلاتی رہی کہ واپس جاؤ میں چلی جاؤں گی لیکن دادا جی نے کہہ کر بھیجا تھا۔ لڑکے آدھا راستہ چھوڑ کر ہی واپس ہوئے۔

''تمہارے گاؤں والے بڑے جاں باز ہیں۔''

دادا جی کا خط دیتے ہوئے اس نے کہا تھا جس کی سمجھ گاؤں جا کر آئی تھی۔ چھٹیاں گزار کر یونیورسٹی واپس آیا تو ماہی غائب تھی۔ لڑکیاں اس کا پتا کرنے گھر گئیں تو اس کی ممی نے گلابی پیروں پر سرخ نیل پالش لگاتے ہوئے اس کے امریکا جانے کا بتایا۔ بے زاری سے ملازم کو چائے کا کہہ کر لمبی ہیل پر ٹک ٹک کرتی چلی گئیں۔

اس کے جانے کے بعد بڑی افوائیں اڑیں کہ وہ امریکا نہیں گئی بلکہ کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔ سوتیلی ماں نے دشمنی میں اسے مروا دیا ہے۔ کہیں قید کروا دیا ہو گا۔ اس چڑیل کے ساتھ جھگڑا اتنا بڑھ گیا کہ ڈیڈی جی نے انگریز منگیتر کو بلا کر چلتا کیا۔ یا خود ہی کہیں چھپ کر بیٹھی ہو گی کہ باپ کو تنگ کر کے بدلہ لے۔ نہ جانے کیوں مجھے کسی افواہ پر یقین نہیں آیا، وہ پورا بندوبست کر کے گئی تھی اپنی کھٹارا بیچ کر گئی تھی۔

''چابی پکڑا گئی تھی کہ جتنے کی بکی وہ میرے پر یہ بکنے میں نہیں آ رہی۔'' ورکشاپ کے منیر بھائی نے دانت نکال کر بتایا۔

☆☆☆

بڑی ہمت کر کے میں اس کے ڈیڈی کے آفس پہنچ گیا۔ بڑے انتظار کے بعد انہوں نے مجھے اندر بلایا۔ اس کے ڈیڈی وہی ڈیڈی تھے جن سے ملے بغیر ہم سب ڈرتے تھے۔ خوش شکل، خوش لباس، پیسے کا رعب، طاقت کا غرور۔ میں نے ماہی کا پوچھا تو ابرو اچکالی۔

''اس کی شادی ہو گئی ہے۔'' ساتھ وہ بار بار گھڑی دیکھنے لگے۔

''اپنا ماسٹرز بھی مکمل نہیں کیا۔'' میرا دم نکلا جاتا تھا۔ فون اٹھا کر ڈرائیور سے گاڑی ریڈی رکھنے کا کہا۔

"اسے ماسٹر واسٹر میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔" بریف کیس اٹھا کر کھڑے ہوگئے۔

میں کرسی پر بیٹھا رہ گیا۔ پھر وہاں سے اٹھ آیا۔ باپ کے رویے سے ظاہر تھا، وہ ایسی باغی بیٹی سے عاجز تھے جس نے ان کی منہ چڑھی بیوی کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ ماہی یونیورسٹی سے کیا گئی، بہت کچھ اپنے ساتھ لے گئی۔ ڈیپارٹمنٹ بھرا ہوا تھا، پروفیسرز تھے، ہنگامے تھے لیکن ساری یونیورسٹی ہی اجاڑ ہوگئی۔

شادی کے بعد رابعہ ملنے آئی آنسو بہاتی رہی۔ وہ صرف ایک ماہی کو یاد کر رہی تھی۔ ماہی شادی کے تحفے میں اس کے شوہر کو اچھی جاب دلوا کر گئی تھی۔ منیر تو ماہی کا مداح ہوگیا تھا کہ کہاں اتنی ڈگریوں پر بھی وہ معمولی نوکری کر رہا تھا کہاں ماہی نے اپنے ایک انکل کے پاس بھیجا اور اس کی فرسٹ کلاس جاب ہو گئی۔ "تم ہی بددعائیں دیتی تھیں ماہی کو!" کنول بھولنے والی نہیں تھی۔

رابعہ نے بڑی زخمی نظر سے کنول کو دیکھا۔ ماہی منیر کے آفس گئی تھی اور اسے وہ تصویریں دکھائی تھیں کہ جلدی سے اسے رخصت کروا کر گھر بٹھاؤ، پڑھائی ہوتی رہے گی۔ ماسٹرز کر کے اس نے کون سا میزائل بنالینا ہے۔

"میری منت سماجت پر منیر نے تصویریں جلا دی تھیں لیکن وہ تصویریں تایا ابا تک پہنچ گئیں، منیر تو میرے لحاظ میں چپ رہا تھا لیکن تایا جی نے طوفان کھڑا کر دیا۔"

سب ہکا بکا اس کی شکل دیکھتی رہ گئیں مہ جبیں اتنی اولڈ فیشن تو نہیں تھی۔

☆☆☆

میرا ماسٹر ایم فل سب ہوگیا۔ ایک سال یونیورسٹی میں پڑھایا پھر لندن یونیورسٹی میں اپلائی کیا تو وہاں جاب مل گئی جس کی مجھے ذرا امید نہیں تھی، ساتھ ہی پی ایچ ڈی شروع کر دی۔ ایک دن لنچ کے لیے سڑک کنارے کیفے میں بیٹھا تھا کہ اس کے گھنگھریالے بال پشت پر بکھرے دکھائی دیے۔ ایک بچی نے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ میں جانتا تھا وہ ماہی ہے۔ میں اپنی جگہ پر بیٹھا کافی پیتا رہا کہ یہیں کہیں اس کا وہ گورا شوہر بھی ہوگا جو یونیورسٹی آیا تھا۔ یہ امریکا سے یہاں کسی انکل سے ملنے آئے ہوں گے۔ ورنہ چھٹیاں منانے نکل کھڑے ہوئے ہوں گے۔ امیر لوگوں کے امیرانہ فیشن۔ ہم دیہاتی لوگ شادی شدہ لڑکیوں سے بڑا دیکھ بھال کر سلام دعا لیتے ہیں۔ ان کی زندگیوں کی جھیل میں کنکر اچھالنے سے محتاط رہتے ہیں۔ جب وہ نظروں سے بالکل ہی دُور ہو جانے کو ہوگئی تو میں اپنی ساری دیہاتی تربیت چھوڑ کر اس کے پیچھے لپکا اور اسے آواز دے دی۔

"ماہی......"

یہ آواز اتنی بلند نہیں تھی کہ وہ رک ہی جاتی لیکن وہ رکی اور پلٹ کر پیچھے دیکھا۔

"دانیال تم......" وہ بڑی تیزی سے فاصلہ طے کرتی ہوئی میری طرف آئی۔

میں نے اس کی بچی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس نے فوراً اپنا چھوٹا سا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا۔

"چلو، کافی پیتے ہیں۔" میں سارہ کو لے کر آگے بڑھ گیا۔

باتیں یونیورسٹی سے شروع ہو کر میرے لندن آنے پر رکیں، پھر وہ اپنی معمولی سی جاب کے بارے میں بتانے لگی۔ ماسٹرز ادھورا چھوڑ دینے کا نقصان تو ہونا ہی تھا۔ کہیں اچھی جاب نہیں مل رہی تھی۔ وہ شادی ہو کر امریکا نہیں لندن آئی تھی۔ دیکھا ایک افواہ تو غلط ہی نکلی۔

"تم رابعہ کے شوہر سے آفس جا کر کیوں ملی تھیں۔" مجھے رابعہ والے قصے نے بڑا غصے میں رکھا تھا۔

اس کی پیشانی پر سوچ کی لکیریں ابھریں جیسے یاد کر رہی ہو۔

"منیر رخصتی جلدی چاہتا تھا رابعہ مانتی نہیں تھی،

pklibrary.com

یہ ڈرامہ ہم دونوں نے مل کر کھیلا تھا۔ تصویر پر منیر نہیں اس کے سر بھڑکے تھے جو اس کے تایا ابا بھی تھے انہوں نے فوری رخصتی کا الٹی میٹم دے دیا تھا۔"

"اگر مل کر کھیلا تھا تو تصویریں سیدھے سیدھے تایا ابا کو بھجواتیں۔"

"تم نہیں سمجھو گے، منیر کو بھیجنے پر کام نہیں بنا تھا۔ رابعہ نے اپنی محبت کی قسمیں دے کر منیر سے تصویریں جلوا دیں، مجبوراً ابا کو بھیجنی پڑیں۔ قصور سارا رابعہ کا تھا سیدھی طرح سے مان جاتی تو یہ سب نہ کرنا پڑتا۔" "ایسا بھی کیا ہو گیا تھا۔ پینٹ شرٹ ہی تو پہنی تھی رابعہ نے۔" مجھے اب تک بات سمجھ نہیں آئی تھی۔

ماہی ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئی۔

"صرف پینٹ شرٹ پر تایا ابا اتنا نہ بھڑکتے۔ رابعہ سگریٹ پی رہی تھی۔ میں نے پیار کر سے مونچھیں بنائی تھیں۔ ویسے ہی پورا لڑکا لگتی تھی ایسے اور لگنے لگی۔ سگریٹ میرے ہونٹوں میں دبی تھی اور میں لائٹر سے رابعہ کی سگریٹ سلگا رہی تھی۔ تم بھی وہ تصویر دیکھتے تو بھڑک اٹھتے۔"

میں حیران اس کی شکل دیکھتا رہ گیا۔ "تم تو بڑی حقوق نسواں کی علم بردار ہوتی تھیں رابعہ کو ماسٹرز تو کرنے دیتیں۔"

"ایک بار تم نے کہا تھا لڑکیاں سب کچھ نہیں سمجھتیں۔ یہ وہ معاملہ ہے جو تم نہیں سمجھ سکتے۔ منیر اچھا لڑکا تھا رابعہ کو ایسے اچھے ساتھی کی قدر کرنی چاہیے تھی۔"

"تمہیں کیسے پتا، منیر اچھا لڑکا تھا؟"

"جنہیں بروں کا تجربہ ہو چکا ہو، وہ اچھوں کی بڑی اچھی پہچان رکھتے ہیں۔" متانت سے کہا۔

وہ وہی یونیورسٹی والی ماہی تھی، فرق تھا تو صرف اتنا کہ اب وہ ذرا سوچ کر بولتی تھی۔

"دادا جی ٹھیک ہیں۔"

"ہاں بھی اور نہیں بھی۔ کام کرنے سے باز نہیں آتے تھے، کولہے کی ہڈی تڑوا بیٹھے ہیں، اب چلنے پھرنے سے بیٹھے ہیں۔ مجھ سے انہیں ایسے بے بس دیکھا نہیں جاتا تھا، اسی لیے یہاں سرجری کے لیے بلا لیا ہے، فی الحال ٹیسٹ چل رہے ہیں۔"

وہ حیران میری شکل دیکھ رہی تھی۔ "دادا جی یہاں ہیں؟" دانت پیسے۔

"کیا ہوا؟"

"دفعان ہو جاؤ، کب سے باتیں بنا رہے ہو، میں ابھی تمہارے ساتھ جا کر ان سے مل لیتی۔ اب سارہ کی ڈینٹسٹ سے اپائنٹمنٹ کا وقت ہو گیا ہے، آج نہ گئی تو ہفتوں پر بات چلی جائے گی۔" اس نے پیسٹری کھاتی سارہ کا منہ ٹشو سے صاف کیا۔

"تم باز نہیں آتیں میٹھا کھانے سے۔" محبت سے کہا۔ سب کہتے تھے ماہی بہت عجیب ہے، وہ واقعی میں عجیب تھی۔ فلمی ہیرو جیسا شوہر ملا اس نے ایک تھپڑ مارا اور اس نے اسے چھوڑ دیا۔ عورتیں تو رات دن مار کھاتی ہیں اور ایسے خوبصورت شوہر کی محبت کا دم بھرتی ہیں کہ جو ساتھ چلے تو دنیا حسد سے آہیں بھرتی ہے۔

ماہی نے الٹا اسی ہیرو کو عدالت میں گھسیٹ لیا کہ اس نے اپنی پہلی شادی اور بچی کیوں چھپائی۔ پھر اسے جھگڑالو اور ذہنی بیمار شخص قرار دے کر ثابت کر دیا کہ وہ بچی کا باپ بننے کے لائق نہیں ہے اور الٹا خود اس بچی کی سرپرست بن گئی۔

"تم نے اپنی سوتیلی بیٹی کے لیے اتنا لمبا مقدمہ لڑا۔ سوتیلی ماں ہو، بہن ہو یا بیٹی، وہ تو چڑیلیں ہوتی ہیں نا۔"

"اس بچی کی ذہنی صحت تباہ ہو جاتی۔ ہفتے میں ایک بار باپ کو ملنے کی اجازت تھی، بڑی مشکلوں سے اسے مہینے میں دو بار کروایا ہے۔ بڑے جھوٹ سچ بولے تب مقدمہ جیتا تھا۔ چند مہینے وہ باقاعدگی سے ملنے آتا رہا، اب تو چھ مہینے سے ہم ماں بیٹی کو بہت سکون ہے۔ ایسے ناشکروں کو اولاد ملنی ہی نہیں چاہیے۔"

"تم اتنے امیر باپ کی بیٹی ہو ماہی! پاکستان واپس چلی جاؤ۔"

pklibrary.com

وہ ہنس کر رہ گئی۔ وہ ایک معمولی سی جاب کر رہی تھی، چھوٹے سے اپارٹمنٹ میں رہتی تھی۔ اپنے منحوس، بے وفا شوہر کی وہ بچی پال رہی تھی جو کسی گوری کی اولاد تھی۔ کلائی پر بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

"کوئی عورت ایک تھپڑ پر طلاق نہیں لیتی دانیال! لیکن وہ عورت ضرور لے لیتی ہے جو یہ جان جاتی ہے کہ یہ پہلا اور آخری تھپڑ نہیں ہے۔"

میرے دیہاتی سوال پر کہ ایک تھپڑ پر تم نے طلاق لے لی، کا جواب دے کر وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر چلی گئی۔

☆☆☆

وہ دادا جی سے ملنے آئی تو جینز پر کرتا پہنا ہوا تھا۔ اسکارف نما کپڑے کو دوپٹے کی طرح لیا ہوا تھا۔ سارہ سے کہا گرینڈ پا کو سلام کرو۔ اس نے بڑی صاف اردو میں سلام کیا۔ گرینڈ پا نے سارہ کو ساتھ لپٹا لیا۔ وہ اسے جیسی تیسی اردو میں چڑیا کی کہانی سنانے لگے۔ ماہی کی یادداشت کمال کی تھی وہ دادا جی سے گاؤں کے ایک ایک فرد کا نام لے کر حال احوال پوچھ رہی تھی۔ جبکہ اس نے مجھ سے کسی کا بھی نہیں پوچھا تھا۔ وہ مجھے اتنی اہمیت ہی نہیں دیتی تھی۔ کئی لڑکیاں، جن کی شادی ہو چکی تھی ان کا سنتے ہی اس کا رنگ پھیکا سا پڑ گیا۔

"سب خوش ہیں اپنے گھروں میں؟"

دادا جی نہ جانے کیسے سب سمجھ گئے۔ "بڑی جان مار کر ان کے لیے انسان کے بچے ڈھونڈ لیے تھے۔" وہ ہنسنے لگی۔ جس دن دادا جی کی سرجری تھی، اس دن وہ سارا وقت ہاسپٹل میں رہی۔ پھر بعد میں کئی طرح کے سوپ بنا کر لاتی رہی۔ کہتی اکیلے رہنے سے انسان بہت کچھ سیکھ جاتا ہے۔ دادا جی چلنے پھرنے لگے تو سارہ کو ان کے پاس چھوڑ کر اپنے کام نپٹا لیا کرتی تھی۔ دادا جی سارہ کے بے بی سٹر بن گئے۔ اسے چڑیا کوؤں کی کہانیاں سناتے رہتے۔ وہ بھی بڑی خوشی سے سنتی تھی۔ سارہ بڑی اچھی بچی تھی۔ ماں کو دیکھتے ہی اس سے لپٹ جاتی تھی۔ دونوں ماں بیٹی ایسے باتیں کرتی تھیں جیسے پکی سہیلیاں ہوں۔ کبھی میں سارہ کو قریبی پارک لے جاتا، اسے آئس کریم کھلاتا۔ ایک دن جمعے کو دادا جی ہم دونوں کو مسجد لے گئے۔

"جو یہ پوچھیں۔ انہیں جواب دو اور مجھے شرمندہ نہ کرنا۔"

ہمیں مسجد کے مولوی کے سامنے بٹھا کر دادا جی ہم سے "قبول ہے" پوچھ رہے تھے۔ ماہی نے بڑی جلدی قبول کر لیا اور سر اٹھا کر میری طرف دیکھنے لگی۔ خوشی سے میری آنکھیں اتنی نم ہوگئیں کہ دھند کے جالوں نے سب دھندلا کر دیا۔

جس وقت میں ماہی کے ڈیڈی کے آفس گیا تھا اور انہوں نے کہا تھا کہ ہاں اس کی شادی ہوگئی ہے تو میں آستین سے آنسو پونچھتے ہوئے باہر نکلا تھا۔ یہ دھند میری آنکھوں پر مکڑی کے جالے کی طرح پھیل گئی تھی۔ مال پر میری بس ہوگئی، سائیکل میرے ہاتھوں سے پھسل گئی اور میں سڑک پر ہی ڈھے گیا۔ ڈیپارٹمنٹ کی افواہوں پر کہ ماہی کی شادی ہو گئی، میں نے کان نہیں دھرا تھا، لیکن......

"وہ خط میں تمہیں لکھتا تھا۔"

اس کا ہاتھ پکڑ کر میں نے سب سے پہلے یہ اقرار کیا تھا۔ وہ حیرت سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"وہ ساری نظمیں، غزلیں، اشعار میرے دل کی آواز تھے ماہی!" یہ دوسرا اقرار تھا۔

"تم نے بتانے میں اتنی دیر کیوں کی۔" وہ رو دینے کو ہوگئی جیسے کوئی من پسند چیز بڑی دیر بعد ملی ہو۔

"تم نے جانے میں اتنی جلدی کیوں کی ماہی!"

میں نے چھ سال کا ہجر کاٹا تھا میری آنکھیں اس تکلیف سے ابھی بھی نم ہو جاتی تھیں۔ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں رہا اور پھر اس ہاتھ کو میں نے اپنے دل پر رکھ لیا۔

☆☆

pklibrary.com

اصلی نقلی

عقیلہ ہاشمی

"ارم بیٹا...... عاصمہ کا فون آیا تھا، وہ بچوں کو لے کر رات میں چکر لگائے گی۔"

بچے اسکول سے آکر کپڑے بدل چکے تو وہ ان کے یونیفارم تہ کر رہی تھی، جب پروین بیگم نے کمرے میں آکر بڑے بیٹی کے آنے کی اطلاع دی۔

"میں نے فریج سے مرغی نکال دی ہے تم ذرا اچھی سی کڑاہی بنا لینا...... میں بازار تک جا رہی ہوں اور کوئی چیز منگوانے والی ہو تو بتا دو۔"

انہوں نے چادر اوڑھتے ہوئے احتیاطاً پوچھ لیا ورنہ گھر میں ساری چیزیں اکٹھی آتی تھیں۔ عدیل اتوار بازار سے ہفتے بھر کے سبزی فروٹ لا دیتا تھا۔

"نہیں امی! آپ جائیں ایسی تو کوئی چیز

نہیں...... ہاں آتے ہوئے تھوڑا سا دہی لیتی آیئے گا میں رائتہ بنالوں گی۔"

اسے خیال آیا، کڑاہی کے ساتھ رائتہ بھی بنالے گی۔

"اچھا...... ٹھیک ہے...... تم بچوں کو ٹیوشن بھیج کر کھانا بنانا شروع کر دینا۔ تمہیں تو پتا ہے عاصمہ تو بھوک کی کچی ہے اس کے بچے اس سے بھی چار ہاتھ آگے ہیں آتے ہی بھوک بھوک شروع کر دیں گے۔"

یہ بات وہ بھی اچھی طرح سے جانتی تھی۔ عاصمہ کے بچے گھر میں قدم بعد میں رکھتے تھے اور کھانا پہلے مانگتے تھے۔

عاشر اور فارعہ اس کے اپنے بچے کھانا کھا کر ٹیوشن چلے گئے، تو وہ رات کے کھانے کی تیاری کے لیے کچن میں آگئی۔ گوشت گل چکا تھا۔

وہ لہسن پیاز کاٹنے باہر آبیٹھی تو کوثر چچی چلی آئیں۔

"اے دلہن! خیر ہے آج دروازہ چوپٹ کھلا چھوڑ رکھا ہے۔ بھلے کوئی چور اچکا منہ اٹھائے اندر چلا آئے۔"

کوثر چچی کے رنگ ڈھنگ نرالے تھے، ویسے روز گلہ کرتی تھیں۔

"اے لڑکیوں، یہ منٹ بعد دروازے پہ کنڈی کیوں چڑھا دیتی ہو...... بھئی یہاں کون سا چور پڑ رہے ہیں۔"

اب دروازہ کھلا ملا تھا تو بھی آتے ہی گلہ کر ڈالا تھا۔ اب وہ مروت میں یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھی۔

"آپ کے لیے کھلا چھوڑا تھا چچی جان تاکہ آپ کو کھٹکھٹانے کی زحمت نہ کرنی پڑے۔" لیکن یہاں جواب دے کر جانا کہاں تھا۔

"آئیں بیٹھیں......" اس نے مسکرا کر زبان پر آئے جملے کو پیچھے دھکیل کر انہیں بیٹھنے کی آفر کی۔

"بیٹھنے کا وقت نہیں کوئی کل کا سالن بچا ہو تو کٹوری میں ڈال کر دو...... تمہارے چچا کام سے لوٹے ہیں اور گھر میں ابھی کچھ نہیں پکا۔"

اس نے شکر کیا وہ بیٹھ جاتیں تو اس کا کام بھی لیٹ ہو جانا تھا۔ وہ لہسن پیاز وہیں چھوڑ کر سالن لینے چل دی۔

"پروین نظر نہیں آرہی کہیں گئی ہے کیا...... بھئی اس عورت کو بھی چین نہیں...... مجال ہے جو کبھی ٹک کر گھر میں بیٹھی ہو اور یہ سندس ابھی اسکول سے نہیں لوٹی۔"

وہ فریج سے ڈونگا نکال کر سالن نکال رہی تھی۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے کچن میں چلی آئیں۔

"ذرا زیادہ ہی ڈال دینا مجید بھی آنے والا ہے، وہ بھی کھالے گا۔" ڈونگا بھرا ہوا دیکھ لیا تھا اب کہاں چھوڑنے والی تھیں۔

"سندس اسکول سے ابھی تک نہیں لوٹی بھئی اچھی لڑکی ہے نوکری کے بہانے سارا سارا دن گھر سے باہر رہتی ہے، اب بندہ پوچھے وہ کون سا اسکول ہے جو اب تک کھلا ہوا ہے۔" کتنا دماغ چلتا تھا اس عورت کا جتنی لمبی زبان تھی، اتنا ہی بڑا دماغ پایا تھا کسی ماہر اینکر کی طرح ہر خبر سے باخبر۔

سالن ڈالتے ہوئے وہ اس وقت ان کی سوچ پر سوائے ملامت کے اور کچھ نہ بھیج سکتی تھی۔

"وہ صبح اسکول جاتے ہوئے بتا گئی تھی اس کی کولیگ کا باپ فوت ہو گیا تھا، چھٹی کے بعد وہ سارے اسٹاف کے ساتھ وہاں جائے گی تو دیر ہو جائے گی۔" لیکن توبہ ہے یہ عورت چنگاری لگانے سے باز نہیں آتی تھی۔

چچی نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ "یہ جو نوکری کرنے والی لڑکیاں ہوتی ہیں نا بھول کر بھی ان کا رشتہ نہیں لینا چاہیے، بڑی ہی خودسر ہوتی ہیں تمہیں میں اپنی بیٹی سمجھ کر مشورہ دے رہی ہوں۔ سندس کے چلن مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگتے اتنا سج بن کر گھر سے نکلتی ہے قدیر کہہ رہا تھا، بس اسٹاپ پر اس نے کئی لڑکوں کو اس کا پیچھا کرتے دیکھا ہے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے...... تمہیں اپنا سمجھ کر بات کر دیتی ہوں ورنہ

pklibrary.com

پروین سے بات کر کے میں نے مار کھانی ہے۔"

"کوثر چچی کے چھوٹے بیٹے قدیر کا دماغ بھی بالکل ماں پر گیا تھا۔ اس کی بات کا کیا اعتبار کیا جا سکتا تھا۔

سندس کو وہ اچھی طرح سے جانتی تھی وہ ایک شریف لڑکی تھی، یہ کوثر چچی کے اندر کا زہر تھا جو باہر آ جاتا تھا خیر اسے کیا لینا تھا اس سب سے۔

سالن کی کٹوری ان کے حوالے کر کے خاموشی سے پھر کام میں لگ گئی۔ جیسے ان کی فضول باتیں سننے کا اس کے پاس وقت نہ ہو وہ بھی جلدی میں تھیں سالن لے کر چلتی بنیں۔

کوثر چچی کے مکرو فریب اب وہ بھی خوب جان چکی تھی بس اپنے مطلب کی عورت تھی۔ مطلب ہوتا تو بیٹی...... بیٹی کہتے ان کا منہ سوکھتا۔ مطلب نکل جاتا، تو کون اور میں کون ہے۔

دن چڑھتے ہی کبھی پیاز لینے تو کبھی ٹماٹر نہیں ہے۔ اے ارم بچی تھوڑا سا گھی تو دینا...... گھر کا سودا ختم ہوا ہے...... وہ تمہارے چچا سے کہا تھا انہیں ٹائم ہی نہیں مل رہا۔ بندہ پوچھے انہوں نے کون سا کسی مال سے گروسری خرید کر لانی تھی گلی کے نکڑ سے گھی کا پیکٹ لانا ہے، وہ بھی نہیں لا رہے تو صاف ظاہر تھا بشیرے دکان دار کے حساب کا کھاتا اب اتنا بڑھ گیا ہو گا کہ اب وہ گھی کی جگہ آنکھیں دکھا رہا ہو گا۔

سارا دن ضرورت کی کوئی نہ کوئی چیز مانگنا ان کی عادت تھی، چیز لے کر، پھر انہی کے کسی بچے کے ہاتھ بھوتک ڈیلیوری کروانا بھی کوئی ان سے سیکھتا۔

"اے لونڈے، ادھر آئیو...... جا جا کر ہمارے گھر اپنی چچی کو یہ ٹماٹر دے آؤ۔"

چیز بہو کو پہنچا کر خود صوفے پر پاؤں پسار کر پروین کے پہلو میں بیٹھے شام ڈھل جاتی مگر ان کا جانے کا کوئی موڈ نہ بنتا۔

"چچی، کھانا کھالیں۔"

پوچھنے کی دیر ہوتی۔

"کیا پکا ہے۔"

"لا پھر ذرا سا سالن ڈال لا۔ اب تیرا دل بھی تو نہیں توڑ سکتی...... بڑے مزے کے کریلے گوشت بنائے ہیں میں تو انگلیاں چاٹ کر رہ گئی۔ قسم لے لو پروین، اب تو کوئی اچھا سالن کھائے مدتیں بیت گئی ہیں، ایک تو اس مہنگائی نے کمر توڑ رکھی ہے چھوٹا گوشت تو اب سونگھنے کو بھی میسر نہیں۔

دوسرا شمیم بہو کے ہاتھ کے بدذائقہ کھانے کھا کھا کر منہ کا ذائقہ بھی خراب ہو گیا ہے، اتنے سال ہو گئے اسے کھانا بنانا نہیں آیا۔"

اب بندہ پوچھے تمہیں کب کچھ بنانا آتا ہے۔

مانگ تانگ کر سارا دن گزار لیتی تھیں۔ جب اکٹھے تھے تو دیورانیاں جیٹھانیاں پکاتی تھیں۔ الگ ہوئے تو...... شوہر کو کام پر لگا دیا خود کے تو محلے کے

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے

بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

ملال زیست — آمنہ ریاض

بڑا آدمی — نسیم سحر قریشی

فصل غم کا گوشوارہ — رضیہ جمیل

دل اک گلشن — رضیہ جمیل

سوچ نگر کی رانی — رضیہ جمیل

حنا — نادرہ خاتون

چلمن — نادرہ خاتون

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار کراچی۔ فون: 32216361

pklibrary.com

چکر ختم نہیں ہوتے تھے انہوں نے کیا پکانا تھا۔

پروین سے زیادہ ان کی چٹوری عادت سے کون واقف نہ تھا، ہانڈی بھونتے ہوئے آدھا گوشت کھا جاتی تھیں۔ ساس کے دور میں آئے روز اس بات پر جھگڑا ہوتا تھا۔

"اے جنم جلی، تجھے کبھی گھر گرہستی نہ آسکے گی...... کلو گوشت لا کر دیا تھا بتا کہاں چلا گیا، ہانڈی تو چیل کے گھونسلے کی طرح خالی پڑی ہے۔" جب ایک بوٹی بھی پوری نہ آتی تو ساس جھاڑو لے کر ان کے پیچھے ہو لیتی، چوٹی پکڑ کر صحن میں گھٹنوں کے بل گرا لیتی۔

"سارا گوشت بھونتے ہوئے کھا گئی۔ کچھ شرم حیا ہے کہ نہیں تیرے دیدوں میں...... میں تو اس گھڑی کو کوستی ہوں جب تجھے بیاہ کر گھر میں لائی۔"

"معاف کردیں اماں، اب کے چھوڑ دیں آئندہ بوٹیوں کی طرف دیکھوں گی بھی نہیں۔"

اور اگلے دن پھر وہی حال ہوتا۔ پروین کبھی جو سب کے سامنے ان کے قصے سناتیں تو اس بات کی وہ خود تصدیق کرنے کو بہت تھیں۔

خیر اس کا ذہن آج کل اپنے مسئلے میں الجھا ہوا تھا۔ وہ فضول کے معاملات میں الجھ کر مزید پریشان نہیں ہونا چاہتی تھی۔

سندس کی شادی کی عمر نکلتی جارہی تھی۔ اچھی پڑھی لکھی برسر روزگار لڑکی تھی، پھر بھی کوئی ڈھنگ کا رشتہ نہیں مل پارہا تھا۔ جہاں بات چلتی چند مہینوں میں ختم ہوجاتی۔

عدیل نے چند دن پہلے اس سے کہا تھا، "ارم! اگر تم چاہو تو اپنے بھائی زاہد سے سندس کی شادی کی بات چلا سکتی ہو۔ سوچو اگر ایسا ہو جائے تو ہمارا بہت بڑا مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

عدیل کی بات سن کر اسے چپ لگ گئی تھی۔

اب وہ فوری طور پر اسے یہ نہیں بتا سکتی کہ اس کا بھائی پہلے سے کسی لڑکی میں دلچسپی رکھتا ہے۔ خود پروین آنٹی کے رویے سے اس نے محسوس کیا تھا وہ بھی ایسا چاہتی تھیں، ہوسکتا تھا انہوں نے ہی عدیل کے دماغ میں یہ بات ڈالی ہو لیکن اپنے بھائی کے چکر دیکھ کر وہ چپ ہوگئی۔ جب امی نے زاہد کی ہٹ دھرمی کا بتایا کہ کس طرح وہ اس لڑکی کے پیچھے دیوانہ ہوا جارہا ہے تو سندس کی بات کرنے کی اس کی جرأت ہی نہ ہوئی۔

وہ خاموشی سے گھر واپس آگئی۔ اس بات کو بھی گزرے کئی دن ہوگئے تھے۔

وہ سوچ رہی تھی اب وہ کیسے عدیل کو جواب دے پائے گی۔

کوثر چچی کی بات سن کر اسے احساس ہوگیا تھا کہ انہیں بھی کسی طرح اس کی ساس کے ارادوں کی بھنک پڑ گئی تب ہی تو فوراً اس کے دل میں بدگمانی ڈالنے چلی آئی تھیں۔

لیکن سندس کو اس سے بہتر کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہ اتنے سالوں سے اس گھر میں رہ رہی تھی اس نے کبھی اس میں ایسی کوئی بات نہ دیکھی تھی۔

رات کا کھانا بناتے ہوئے اس کا ذہن ان ہی باتوں میں الجھا رہا۔

☆☆☆

پروین آنٹی بازار سے آکر مغرب کی نماز پڑھ رہی تھیں جب سندس اسکول سے واپس لوٹی تھی۔

آتے ہی چادر اتار کر کچن میں ارم کی مدد کرنے چلی آئی۔

"لائیں بھابی، چاول میں بنا دیتی ہوں۔"

اب آپ جائیں آرام کرلیں۔

اس کی عادت تھی گھر میں ہوتی تو اسے کسی کام کو ہاتھ نہ لگانے دیتی۔

اس کے اصرار پر وہ چاول اس کے حوالے کر کے باہر چلی آئی پروین نماز پڑھ کر تسبیح پھیر رہی تھیں۔ جب وہ چادر اوڑھ کر بچوں کو ٹیوشن سے لینے چل پڑی۔

pklibrary.com

"امی! میں عاشر اور فارعہ کو ٹیوشن سے لے آتی ہوں ساتھ میں مدیحہ کو اس مہینے کی فیس بھی دے آؤں گی۔"

وہ ساس کو ٹیچر کے گھر کا کہہ کر بچوں کو ٹیوشن سے لینے چلی گئی۔ اسے پتا تھا اب سندس سارے کام دیکھ لے گی اسے کوئی ٹینشن نہ تھی۔

مدیحہ کے گھر بیٹھے ہوئے اسکے موبائل پر نگہت خالہ کی کال آ گئی، سلام دعا کے بعد انہوں نے جو بات کی اسے سن کر وہ حیران رہ گئی۔

وہ اس سے اپنے بیٹے امجد کے لیے سندس کا رشتہ کروانے کا کہہ رہی تھیں۔

"اچھا پھر ابھی کے ابھی اپنی ساس سے بات کر کے مجھے بتاؤ میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتی۔"

خالہ تو ہتھیلی پر سرسوں جمارہی تھیں۔

"خالہ! میں ابھی گھر جا کر ان سے بات کرتی ہوں۔"

اس نے بتایا تھا وہ بچوں کو ٹیوشن سے لینے آئی ہے۔ گھر جا کر ساس سے بات کر کے انہیں بتاتی ہے۔ نگہت خالہ کی ایک کال سے اس کی زندگی پر چھائے غم کے بادل چھٹ گئے تھے۔

سندس اس کی بہنوں کی طرح تھی امجد بھی اس کا بھائی ہی تھا، اس سے اچھا رشتہ کیا ہو سکتا تھا۔

بچوں کو ٹیوشن سے لے کر گھر آئی تو نہ صرف عاصمہ آ چکی تھی بلکہ کوثر چچی ایک بار پھر سے نازل ہو چکی تھیں۔

"اے مہارانی، تم کہاں تھیں...... سارا کام اس ننھی جان کے سر پر ڈال کر ...... وہ تو بے چاری اسکول سے تھکی ہاری آئی ہے اور تم اس پر سارا بوجھ ڈال کر دوڑ گئیں...... میں ابھی پروین سے تمہارا ہی پوچھ رہی تھی۔

گھر میں نند آئی ہے تم سیریں کرتی پھر رہی ہو بھئی کوئی جوس پلاؤ، کھانے کا انتظام کرو تمہارے پیروں میں تو بلیاں بندھی ہیں۔"

"اے توبہ ہے کوثر! وہ بے چاری کہاں نکلتی ہے گھر سے باہر، وہ تو بچوں کو ٹیوشن سے لینے کیا چلی گئی تم تو پیچھے ہی پڑ گئی۔"

پروین نے ان کی بات سن کر فوراً ٹوک دیا۔

"مجھے بتا گئی تھی اور پھر عاصمہ کوئی مہمان تو نہیں اپنا گھر ہے اس کا، اٹھ کر خود بھی پانی پی سکتی ہے۔"

اس کے بولنے سے پہلے پروین نے انہیں چپ کروا دیا۔ تھوڑی دیر میں عدیل آفس غس سے آ گیا تو وہ مسکراتے ہوئے دستر خوان لگانے اٹھ گئی۔

کھانا لگا کر وہ سب کو بلانے چلی آئی۔

"چچی، آپ بھی آجائیں۔"

سب دستر خوان پر کھانا کھانے بیٹھ گئے تو سندس نے چارپائی پر جمی کوثر کو بھی آفر کی۔

جو خوشبودار بریانی کی مہک سونگھنے کے بعد گھر جانے کا کوئی ارادہ نہ رکھتی تھیں۔

"آجاؤ کوثر" پروین کے کہنے پر وہ اٹھ کر دستر خوان پر آ چکی تھیں۔

"قورمہ بڑے مزے کا بنا ہے۔" عاصمہ نے کھانا کھاتے ہوئے کھلے دل سے سالن کی تعریف کی تھی۔

"یہ بریانی بھی لو ناں۔" سندس نے بچوں کے لیے بریانی بھی بنا دی تھی، بچے روٹی کہاں پسند کرتے تھے اب بریانی دیکھ کر دستر خوان پر بیٹھ گئے تھے اور جی بھر کر کھا بھی رہے تھے۔

"کوثر نے بیٹھتے ہی پہلے بریانی سے پلیٹ بھر لی لیکن پھیکی بریانی کا چمچ حلق سے اترتے ہی بول پڑیں۔

"بریانی کس نے بنائی ہے بھئی مرچیں تو ہیں ہی نہیں سندس نے برا اپنی بچوں کے ٹیسٹ کے مطابق بنائی تھی جو کوثر چچی کے معیار پر پوری نہیں اترتی تھی۔"

بچوں کے لیے بنائی ہے وہ زیادہ مرچیں نہیں کھا سکتے کیوں عاشر آپ کو پسند آئی ہے ناں۔"

عاصمہ چچی کے سارے انداز جانتی تھی فوراً ان

ہی کے لہجے میں جواب دیا۔ کھانا کھاتے ہوئے ایک بار پھر سے ارم کے موبائل کی بیل بج اٹھی تھی، جسے سن کر ایک ساتھ سب کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ شرمندہ سی ہو گئی۔ موبائل اسکرین پر نگہت خالہ کا نام دیکھ کر عدیل جھٹ سے بولا۔

"فون اٹھا لو ارم، نگہت خالہ کی کال آرہی ہے۔"

کوثر چچی کی موجودگی میں اس نے تھوڑا تذبذب سے کام لیا لیکن عدیل کو کیا خبر تھی، وہ تو مسلسل ہونے والی بیل دیکھ کر اسے فون اٹھانے کا کہہ رہا تھا۔ اس نے فون ریسیو کیا تو نگہت خالہ چھوٹتے ہی بولیں۔

"ارم! پھر تم نے گھر آکر پروین سے بات کی؟ وہ کیا کہہ رہی ہے؟ کیا اسے یہ رشتہ منظور ہے۔ تم ایسا کرو میری اس سے بات کرواؤ میں خود اس سے بات کرتی ہوں۔" خالہ تو نان اسٹاپ شروع ہو گئی تھیں۔ "جی خالہ! میں بات کرتی ہوں آپ فکر نہیں کریں۔ ابھی بات کرتی ہوں...... وہ کچھ مہمان بیٹھے ہیں ناں وہ کھانا کھا رہی ہیں ابھی تھوڑی دیر بعد میں آپ کی بات کرواتی ہوں ان سے۔"

خالہ کو ٹال کر اس نے موبائل بند کیا تو وہاں موجود ہر شخص کی نظریں اس کے چہرے پر گڑ چکی تھیں۔

"کیا بات ہے ارم، کیا کہہ رہی تھی نگہت...... وہ مجھ سے کیا بات کرنا چاہتی ہے۔"

عدیل کے ساتھ ساتھ پروین بھی اس کی بات سمجھ نہیں پائی تھیں۔

کوثر چچی کی وجہ سے بات کو چھپا رہی تھی اس کا خیال تھا جب بات دونوں فریقوں کے درمیان طے پا جائے گی تب باقی سب کو بھی بتا دیں گے۔ لیکن لگتا تھا ایسا کچھ نہیں ہونے والا تھا۔ اسے سارا کچھ کوثر کے سامنے ہی بتانا پڑا تھا۔

"جی وہ نگہت خالہ آپ سے سندس کے رشتے کی بات کرنا چاہ رہی ہیں۔" اس کی بات سن کر پروین کے چہرے پر ایک دم سے خوشی کے آثار عود کر آئے۔

"یہ تو اچھی بات ہے۔ امجد ہی نام ہے ناں ان کے بیٹے کا وہ تو اچھا خاصا پڑھا لکھا لڑکا ہے۔" عاصمہ نے جھٹ مسکراتے ہوئے عدیل کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں ماشاء اللہ سے ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی خاصی پوسٹ پر ہے۔ رشتہ تو بہت اچھا ہے کیوں امی!" ایک ہی پل میں گھر کے ہر فرد کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا۔ پروین تو مارے خوشی کے کچھ بول ہی نہیں پا رہی تھیں۔ بس آنکھوں سے آنسو رواں ہونے کو تھے۔

ایک بس کوثر کی بریانی حلق میں پھنس کر رہ گئی تھی۔ حلق میں پھنسی مکھی کی طرح نہ تو نکل سکی تھیں۔ اور نہ اگل پا رہی تھیں۔ وہ حیران تھیں یہ بیٹھے بٹھائے سندس کی لاٹری کہاں نکل آئی۔

ان کا تو خیال تھا اور چند سال ماں باپ کی دہلیز پر بیٹھی رہے گی تو وہ اپنے نکھٹے قدیر کے لیے اس کا رشتہ مانگ لیں گی اور پھر ساری زندگی پروین کو جوتے کی نوک پر رکھیں گی کہ انہوں نے سندس کا رشتہ لے کر اس پر کتنا بڑا احسان کیا تھا لیکن یہاں تو اور ہی معاملہ ہو گیا تھا۔

"ارم، تم خالہ کو فون کرو ہمیں یہ رشتہ پسند ہے وہ چاہیں تو کل ہی آکر کوئی رسم کر لیں۔"

عدیل نے کسی لمبے چوڑے معاملے میں پڑنے کی ضرورت نہ سمجھی تھی، نگہت ارم کی خالہ تھیں لڑکا ان کا دیکھا بھالا تھا۔ انہیں کسی قسم کی پوچھ گچھ کی ضرورت نہ تھی گھر والی بات تھی۔ اس لیے دیر کرنے کی اب کوئی وجہ نہ بنتی تھی۔

"ہاں عدیل ٹھیک کہہ رہا ہے خالہ کو کل ہی بلا لو۔ میں بھی ادھر ہوں جو کوئی رسم کرنی ہے وہ بھی ادا کر لیں گے۔"

عاصمہ نے بھی اپنی طرف سے رشتے کی منظوری دے دی تھی۔

"جو تم لوگ بہتر سمجھتے ہو کر لو۔" پروین نے آنکھ

pklibrary.com

میں اترے خوشی کے پانی کو اپنی چادر سے صاف کرتے ہوئے جواب دیا۔ ایک عرصے کے بعد وہ سندس کے چہرے پر خوشی کی رمق دیکھ رہی تھیں۔ وہ سر پر دوپٹا ٹکائے لجاتے ہوئے برتن اٹھا کر کچن کی طرف جا رہی تھی۔ پروین کی طرف سے رشتے کی منظوری ہوتے دیکھ کر کوثر چچی تڑپ اٹھی تھیں۔

"تم لوگ کچھ جلدی نہیں کر رہے۔ لڑکی کا معاملہ ہے ایک دو بار ایک دوسرے کے گھر آجا لو پھر بات بھی پکی کر لینا۔ ایسی بھی کیا جلدی ہے۔"

"انہیں لگا جتنی جلدی میں رشتہ طے کر رہے تھے کہیں ابھی لڑکی پکڑ کر رخصت نہ کر ڈالیں لیکن ان کی بات اب یہاں کون سننے والا تھا۔ سب جانتے تھے ان کے مشورے میں کہیں بھی کوئی خیر نہ چھپی تھی وہ تو بس کسی طرح اس رشتے کو ختم کرنے کے چکر میں تھیں۔ پروین نے جھٹ سے ٹوک دیا۔

"کسی کا کوئی کام ہو رہا ہو تو اس میں رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہیے۔ آگے بڑھ کر اسے حوصلہ دینا چاہیے۔" جیٹھانی کی بات سن کر وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گئیں۔

"اے میں نے کیا کہہ دیا۔ میں تو کہہ رہی تھی۔ بچی کا معاملہ ہے، یوں آنکھیں بند کر کے کسی پر بھروسا نہیں کر لینا چاہیے چھان بین کر لینے میں کیا حرج ہے۔ میں نے تو کبھی منزہ اور سندس میں کوئی فرق نہیں رکھا۔"

اپنی بیٹی کی مثال دینے کا اس سے اچھا کوئی موقع نہ تھا۔ "اللہ پاک سب کی بیٹیوں کے نصیب کھولے۔ امجد کا رشتہ بھی اچھا ہے لیکن میں نے تو سنا تھا تم سندس کا رشتہ زاہد سے کرنا چاہتی ہو تو بس اسی لیے کہہ دیا کہ دیکھ بھال کر دونوں رشتوں میں سے ایک رشتہ منتخب کر لو۔ اگر تمہیں امجد ہی پسند آگیا ہے تو پھر زاہد کا رشتہ میری منزہ سے کرا دو۔"

ارم تو پہلے ہی ان کی موجودگی میں بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ان کی نئی چال چلنے پر گھبرا کر عدیل کی طرف دیکھا۔ اس عورت سے کچھ بھی بعید نہ تھا اتنی دعاؤں کے بعد اس کی راہ کے کانٹے صاف ہوتے جا رہے تھے اور وہ اسے پھر سے انہیں گھسیٹنا چاہتی تھی لیکن پروین بے وقوف عورت نہ تھیں جو ان کی باتوں میں آجاتیں۔ ان کی ہر چال کا جواب تھا ان کے پاس۔

"بھئی زاہد بھی میرے گھر کا بچہ ہے اور امجد بھی میں تو دونوں میں کوئی فرق نہیں سمجھتی، دونوں میرے بیٹے ہیں۔ اب یہ ہماری اپنی مرضی ہے ہم دونوں میں سے کس کا انتخاب کرتے ہیں تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

پروین کا کورا جواب سن کر وہ کچھ کچی پڑ گئی تھیں۔ انہیں نظر آگیا تھا منزہ کے لیے ان کی یہاں دال نہیں گلنے والی۔

"چچی جان، زاہد بھی میرا بھائی ہے اور امجد بھی اور آپ کا ہی کہنا تھا اپنے بھائیوں کے لیے لڑکی دیکھ بھال کر لانا اور مجھے سندس سے بڑھ کر کوئی لڑکی اپنے امجد کے لیے نظر نہیں آئی۔ اسی لیے میں نے اس کا انتخاب کیا ہے اور جہاں تک بات زاہد کی تو اس کا رشتہ بھی جلد طے ہو جائے گا آپ کو جلدی اس کی شادی کی اطلاع مل جائے گی۔"

ساس کے جواب نے اسے حوصلہ دیا تھا جو وہ آج کوثر چچی کو منہ توڑ جواب دے سکی تھی۔

اس نے دیکھا گھر کا آنگن اس ایک خبر کے ملتے خوشیوں سے چہک اٹھا تھا۔ بچوں کے شور میں بڑوں کے قہقہے بھی شامل ہو گئے تھے۔ پروین ارم سے نگہت کو کال ملانے کا کہہ رہی تھیں۔

"ارم، ذرا بچوں کو تو گلی میں کھیلنے کے لیے بھیجو اور نگہت کو کال ملا کر میری بات کرواؤ۔ اسے پھر کل آنے کی دعوت دے دیتی ہوں اور دیکھنا عاصمہ کو ساتھ لگا کر سارے انتظامات اچھے سے دیکھ لینا جو جو چیزیں منگوانے والی ہیں ابھی سے لسٹ بنا کر عدیل کو دو، وہ تمہیں چیزیں لا دیتا ہے۔" پروین کی تیاریاں دیکھ، کوثر دبے پاؤں کھلے دروازے سے باہر نکل گئی تھیں۔

☆☆

pklibrary.com

بشریٰ احمد

نجاتِ دل کا عالم

آخری پرچہ دینے کی خوشی اس وقت ماند پڑ گئی جب گھر واپسی پر امی نے اطلاع دی کہ انہیں تھوڑی دیر بعد بھاول پور کے لیے نکلنا ہے۔

"میں نے تمہارے بابا کے اور اپنے کپڑے بیگ میں رکھ لیے ہیں۔ تم اپنی اور عیشا کی پیکنگ کرلو۔ بس آدھے، پونے گھنٹے تک ہم نکل رہے ہیں۔" انہوں نے عجلت بھرے انداز میں اسے بتایا تھا۔

"لیکن ہم سب کیوں جارہے ہیں۔ میرا مطلب ہے اگر بابا اور آپ چلے جائیں۔ دادی جان کی طبیعت کیا زیادہ خراب ہے؟" اسے ددھیال جانے کے تصور سے ہی ہول اٹھنے لگتے تھے، میمونہ نے اس کی حواس باختہ شکل پر ایک نگاہ ڈالی۔

"بیٹا! تمہاری دادی جان کی طبیعت زیادہ خراب ہے اسی لیے تو ہم اتنی عجلت میں نکل رہے ہیں دعا کرو وہ جلد صحت یاب ہوجائیں تو ہم دو چار دن میں واپس آجائیں گے۔" انہوں نے اسے نرمی سے سمجھایا۔

"اگر میں اور آپی خالہ جان کے ہاں رہ لیتے اور آپ دونوں وہاں کا چکر لگا لیتے۔" پیچھے سے عیشا نے آکر گویا انابیہ کے دل کی بات کردی۔

"عیشا، انابیہ بیٹا! آپ لوگ اتنے سنگ دل اور کٹھور ہوں گے مجھے ہرگز اندازہ نہیں تھا۔ وہ آپ کے بابا کی ماں ہیں، اپنے بابا کی پریشانی کا احساس کرو۔ دل پر جبر کرکے چند دن کے لیے وہاں چلی جاؤ گی تو کوئی قیامت تو نہیں آجائے گی۔" میمونہ اب بیٹیوں پر ٹھیک ٹھاک خفا ہوگئی تھیں۔ وہ دونوں چپکی کھڑی رہیں۔

"کتنے عرصے سے تمہارے بابا وہاں تم دونوں کو نہیں لے کر گئے، انہیں تمہارے جذبات کا تم سے زیادہ خیال رہتا ہے لیکن اب موقع محل کی نزاکت کو سمجھو۔ تمہارے بابا پہلے ہی بہت پریشان ہیں اگر انہیں اندازہ ہوگیا کہ تم دونوں وہاں جانے پر راضی نہیں ہو تو وہ ذہنی طور پر مزید الجھ جائیں گے۔" اس بار میمونہ نے رسانیت بھرے لہجے میں بیٹیوں کو سمجھایا۔

"ٹھیک ہے امی آپ ٹینشن نہ لیں۔ میں پیکنگ کرتی ہوں۔" انابیہ فرماں برداری سے کہتے ہوئے اور عیشا کے مشترکہ کمرے میں گھس گئی۔

"آپی! پہلے جلدی سے کھانا کھالیں آپ صبح بھی برائے نام ناشتہ کرکے گئی تھیں۔" عیشا کھانے کی ٹرے لیے اس کے پیچھے آئی۔

"ہاں رکھ دو۔ کھاتی ہوں۔ بابا اور امی نے کھالیا؟" اس نے پوچھا۔

"امی نے دو چار نوالے لیے تھے لیکن بابا تو جب سے وہاں فون ہی کیے جارہے ہیں۔ تایا جان سے ان کا مستقل رابطہ ہے۔ دادی جان آئی سی یو میں ہیں۔ اللہ انہیں شفا دے۔" عیشا دھیرے سے بولی تھی۔

"آمین۔" مومنہ نے دل سے کہا۔ دادی سے زیادہ اسے اپنے باپ کی پریشانی کا خیال تھا سو دل سے ان کی صحت یابی کی دعا کی۔

☆☆☆

"امی نے خالہ کو فون کردیا تھا۔ اویس بھائی تھوڑی دیر تک پہنچ جائیں گے۔ وہ ہی ہمیں بس ٹرمینل

pklibrary.com

مکمل ناول

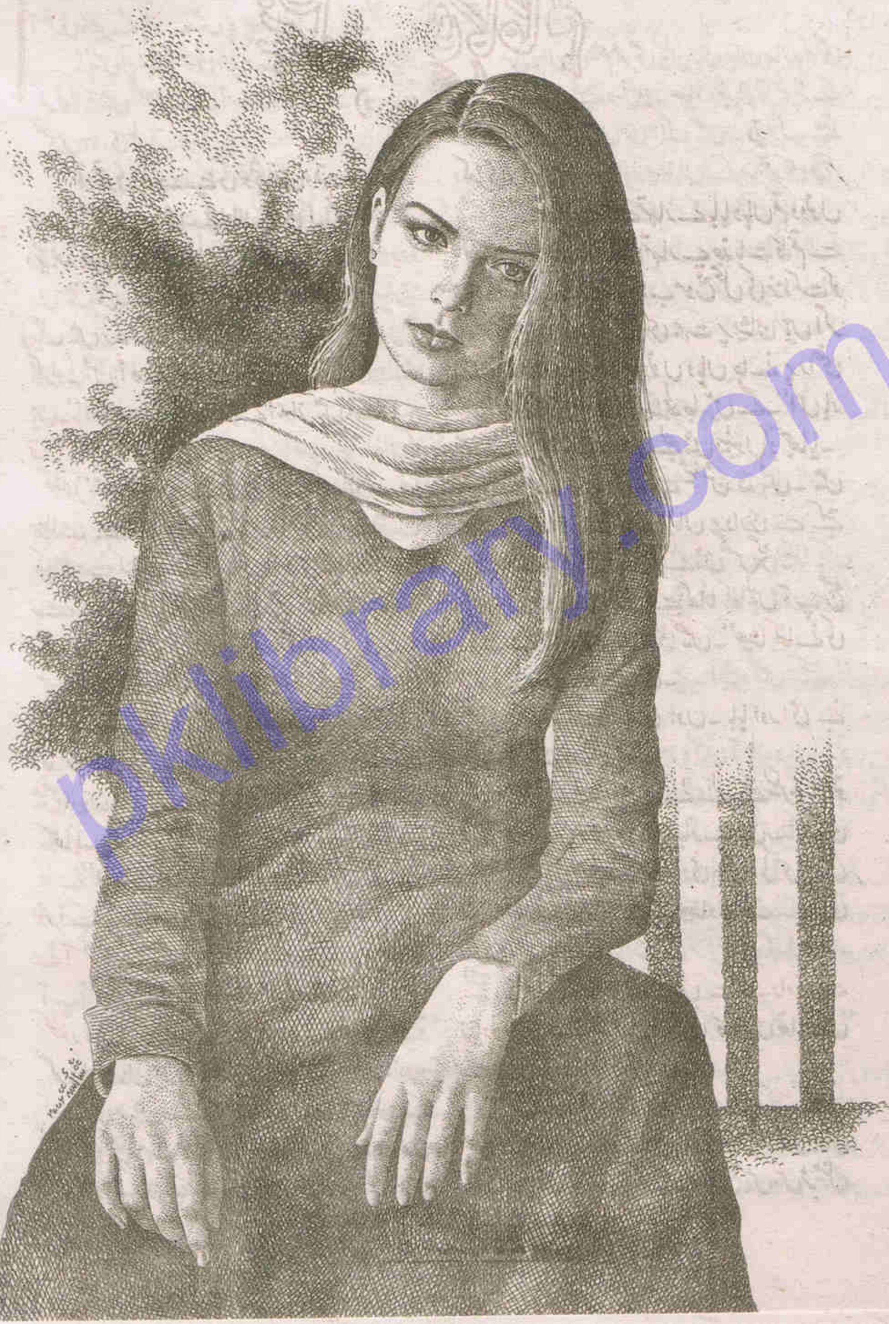

pklibrary.com

پر چھوڑیں گے۔" عیشا نے بتایا۔
انابیہ نے سر ہلا دیا۔ ابھی پرسوں ہی تو اس کی اویس سے فون پر بات ہوئی تھی وہ اس سے اس کے آخری پیپر کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔
"بس تم اپنا آخری پیپر دے لو پھر اپنا بیگ تیار کر لینا۔ میں تمہیں لینے آ جاؤں گا۔ ہفتہ دس دن تمہیں ہماری طرف رہنا ہے۔"
اویس نے اسے باور کروایا تھا۔
"دس دن بہت ہیں اویس بھائی میں دو گھنٹے لگا کر آپ کی کپڑوں کی الماری ٹھیک کر دوں گی اور دو دن میں آپ کے من پسند سارے کھانے بنا کر فریز کر دوں گی۔ ایک دن مالی کے سر پر کھڑی ہوں گی تو لان کی شکل سنور جائے گی۔ یقین کریں تین دن کے اندر سارا کام نمٹ جائے گا۔"
اس نے ہنس کر اویس کو مخاطب کیا۔ خالہ کو گھٹنوں اور جوڑوں کے درد نے عاجز کر رکھا تھا۔ گھر ملازموں کے حوالے تھا انابیہ جاتی تو گھر کے بگڑے معاملات سدھر جاتے لیکن اس بار اس کا بہت دنوں سے جانا نہیں ہوا تھا شاید اسی لیے اویس اسے لے جانے کا پروگرام بنائے بیٹھا تھا لیکن وہ اس کی بات سن کر خفا ہوا۔
"کبھی جو تم نے میرے جذبات کا خیال کیا ہو۔ تمہارا خیال ہے میں ملازموں کی سپرویژن کے لیے تمہیں لے کر جاؤں گا۔ یاد آ رہی تھیں تم۔ عیشا اور خالہ نے تو تین چار بار چکر لگا لیا ہے تمہیں آئے ہوئے بہت دن ہو گئے تھے اسی لیے سوچا تمہیں ہفتے بھر کے لیے لے جاؤں گا۔"
"ٹھیک ہے اویس بھائی میں پیکنگ کر لوں گی آپ آ کر لے جائیے گا۔" وہ مسکرا کر بولی۔
کیا خبر تھی کہ آخری پیپر دینے کے بعد پیکنگ تو کرنی پڑے گی مگر کہیں اور جانے کی۔
ددھیال جانے کا تصور ان دونوں بہنوں کے لیے کبھی بھی بہت خوش کن نہ رہا تھا۔ وہاں نہ تو کوئی انہیں پسند کرتا تھا ناں ہی ان کی ماں کو۔ اس ناپسندیدگی کا احساس انہیں بہت بچپن میں ہی ہونے لگا تھا۔ دادی ان سے ہمیشہ تیوریاں چڑھا کر بات کرتی تھیں۔ تائی جان بھی بنا بات کے جھڑک دیتیں۔
سارہ ان کی ہم عمر تھی لیکن تائی جان سارہ کو بھی ان کے ساتھ نہ کھیلنے دیتیں۔ معاذ، شیراز تو خیر لڑکے تھے۔ ان کی دلچسپیاں ہی الگ تھیں۔ وہ لوگ جتنے دن وہاں رہتے انابیہ اور عیشا ماں کے ساتھ ہی چپکی رہتیں۔ میمونہ ساس اور جیٹھانی کا دل جیتنے کی اپنی سی کوشش میں لگی رہتیں لیکن دادی جان اور تائی اماں کو اس گھر میں ان کا وجود ہی گوارا نہ تھا۔ میمونہ سامنے ہوتیں تو ان دونوں کے چہرے کے زاویے بگڑے ہی رہتے۔
انابیہ دس سال کی تھی جب اس نے پہلی بار باپ سے اس بارے میں بات کی۔
"ابو جی! کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اس بار ہم عید اپنے گھر میں ہی منائیں۔"
لئیق نے بیٹی کو گہری نگاہوں سے دیکھا جبکہ میمونہ اس کی بات سن کر بری طرح پریشان ہو گئی تھیں۔
"انابیہ، بری بات بیٹے۔ ایسے نہیں کہتے۔"
انہوں نے اسے فوراً ٹوکا تھا۔
"ہمیں وہاں بالکل مزہ نہیں آتا۔ وہاں نہ تو کوئی ہمیں پیار کرتا ہے نہ ہی کوئی آپ کو پسند کرتا ہے امی! وہ سب لوگ صرف ابو جی سے ہنس کر بات کرتے ہیں تو صرف ابو جی ہی وہاں جایا کریں گے میں اور عیشا تو وہاں بالکل نہیں جانا چاہتے۔" اس نے ماں کی گھوریوں کے باوجود جی کڑا کر کے کہہ ڈالا تھا۔
لئیق خاموش تھے۔
"آپ فکر نہ کریں میں سمجھاؤں گی اسے۔"
میمونہ شوہر کے سامنے شرمندہ تھیں۔
"نہیں میمونہ! میری بیٹی کو مت ٹوکو۔ سمجھنے کی ضرورت اسے نہیں مجھے ہے، واقعی جس گھر میں میری بیوی اور بیٹیوں کو ان کا جائز مقام نہیں دیا جا رہا۔ مجھے

pklibrary.com

بار بار تم لوگوں کو وہاں نہیں لے کر جانا چاہیے۔ میری بیٹیاں حساس ہیں اور سمجھ دار بھی انہیں رویوں کو پرکھنا آ گیا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ کوئی ان کی عزت نفس اور انا کو مجروح کرے، چاہے وہ میرے اپنے ہی کیوں نہ ہوں۔" وہ خود کلامی کے سے انداز میں بول رہے تھے پھر انابیہ کو دیکھ کر مسکرائے۔

"ٹھیک ہے بیٹا! اس بار ہم عید یہاں ہی منائیں گے۔ عید کے اگلے روز میں آپ کی دادی جان سے ملنے اکیلا جاؤں گا۔ ایک دو دن آپ لوگ اپنی خالہ جان کے ہاں رہ لینا۔" انہوں نے فوری پروگرام ترتیب دیا تھا۔ انابیہ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔

"آپ اکیلے نہیں جائیں گے، میں آپ کے ساتھ جاؤں گی بچیاں رہ لیں گی آپا کے ہاں۔" میمونہ فوراً بول اٹھی تھیں۔ لیئق احمد نے بیوی پر محبت پاش نگاہ ڈالی اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس کے بعد انابیہ اور عیشا کا ددھیال جانا بہت کم ہو گیا تھا۔ لیئق خود باقاعدگی سے گھر کا چکر لگاتے کبھی کبھار اصرار کر کے میمونہ بھی ساتھ چلی جاتیں۔ عید، تہوار پر ان کا جانا یقینی ہوتا تھا۔ ایسے میں انابیہ اور عیشا خالہ کے ہاں رہ لیتیں۔ سال، ڈیڑھ سال میں میمونہ بیٹیوں کو زبردستی اپنے ساتھ وہاں لے جاتیں۔ اب وہاں بچپن والی ڈانٹ ڈپٹ تو نہ ہوتی لیکن لاتعلقی اور گریز بھرا رویہ برقرار تھا۔

لیئق بیٹیوں کو زیادہ آزمائش سے دوچار نہ کرتے اور دو دن بعد واپس ہو لیتے۔ جب سے عیشا اور انابیہ کی پڑھائیوں کا شیڈول ٹف ہوا تھا یہ بھی کبھار کا آنا جانا بھی تقریباً ختم ہو گیا تھا۔

☆☆☆

آج بہت عرصے بعد انابیہ اور عیشا ددھیال جا رہی تھیں۔ باپ کی پریشان شکل دیکھ کر دونوں دل ہی دل میں دادی کی صحت یابی کے لیے دعا گو تھیں ساڑھے چار گھنٹے کے سفر میں لیئق احمد نے دس بار بڑے بھائی کو فون کر کے ماں کی خیریت پوچھی تھی۔

تایا جان نے ان لوگوں کو پک کرنے کے لیے بس ٹرمینل پر معاذ کو بھیج رکھا تھا۔

"بیٹا پہلے مجھے ہاسپٹل چھوڑ دو پھر اپنی چچی وغیرہ کو گھر لے جانا۔"

"بہتر چچا جان!" اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ اور جس وقت اس نے انہیں ہاسپٹل ڈراپ کیا میمونہ نے بھی ان کے ساتھ اترنا چاہا۔

"میں بھی اماں کو ایک نظر دیکھ لوں۔" انہوں نے شوہر سے اجازت چاہی۔

"اماں آئی سی یو میں ہیں۔ کسی کو ملنے کی اجازت نہیں۔ تم فی الحال بچیوں کے ساتھ گھر جاؤ۔ بس دعا کرنا اماں ٹھیک ہو جائیں۔" ان کی آواز ذرا سی کپکپائی تھی۔

"بابا پلیز آپ حوصلہ کریں۔ ان شاء اللہ دادی جان ٹھیک ہو جائیں گی۔"

انابیہ نے بے ساختہ باپ کو تسلی دی۔ معاذ نے اچٹتی نگاہ انابیہ پر ڈالی جو باپ کی پریشان شکل دیکھ کر ان سے بڑھ کر پریشان ہو رہی تھی۔ لیئق بنا کچھ بولے بیٹی کا سر تھپتھپا کر آگے بڑھ گئے تھے۔

☆☆☆

"آج تم لوگوں کو بیٹیاں ساتھ لانے کا خیال کیسے آ گیا۔" تائی جان نے رسمی انداز میں ان دونوں کے سر پر ہاتھ تو پھیر دیا تھا لیکن طنز سے باز نہ رہ پائیں۔

میمونہ جواب میں خاموش ہی رہی تھیں۔

معاذ نے ہی آواز دے کر سارہ کو بلایا تھا۔ معاذ کے آنکھ کے اشارے پر وہ ان لوگوں سے ملنے آگے بڑھی۔

"آؤ انابیہ عیشا کمرے میں سامان رکھ کر فریش ہو جاؤ۔ چچی آپ بھی تھکی ہوں گی۔ آپ لوگ فریش ہو جائیں میں کھانا لگاتی ہوں۔" وہ نرم مسکراہٹ چہرے پر سجائے ان سے مخاطب تھی۔

انابیہ اور عیشا نے دل ہی دل میں قدرے سکون کا سانس لیا۔ ماضی میں سارہ کے حوالے سے ان کے

pklibrary.com

دماغ میں زیادہ خوش گوار یادیں نہیں تھیں۔ وہ خاصی نخریلی، بدمزاج اور منہ پھٹ ٹائپ کی لڑکی تھی۔ شاید وقت گزرنے اور عمر بڑھنے کے ساتھ مزاج میں خوش گوار تبدیلی آئی تھی لیکن اگلے چند منٹوں میں ہی اس غلط فہمی یا خوش فہمی کا خاتمہ ہو گیا تھا۔

”آپ کو پتا تھا کہ چچا جان کی فیملی بھی پہنچنے والی ہے تو کھانا اضافی پکانا چاہیے تھا ناں۔ اب ٹفن بھر کر سارا کھانا اسپتال بھیج رہی ہیں۔ میں نے ان لوگوں سے کھانا لگانے کا بول دیا ہے۔ بتائیے اب کیا کھلائیں گی انہیں؟“

انابیہ اپنا ہینڈ بیگ باہر ہی بھول آئی تھی اب وہ ہی لینے گئی تو سارہ جھنجلائے ہوئے انداز میں ماں سے مخاطب تھی۔ تائی جان اس سے بڑھ کر بیزار تھیں۔

ان بن بلائے مہمانوں کی مہمان داری کا مجھ میں تو یارا نہیں۔ میمونہ پہلے بھی آتی ہے تو کچن کا کام دیکھ لیتی ہے اب تو بیٹیاں بھی ساتھ ہیں کہہ دوں گی خود ہی کھا پکا لیں۔ میرا تو ویسے بھی سر درد سے پھٹا جا رہا ہے دور نزدیک کے ہر رشتے دار نے خالہ اماں کی خیریت پوچھنے کے لیے فون کر کر کے سر کھا لیا ہے۔“

”اوکے ٹھیک ہے جو مرضی کریں۔ میرا تو ویسے بھی اسائنمنٹ جمع کروانے کا کل آخری روز ہے۔ میں جا رہی ہوں اپنے کمرے میں۔ آپ جانیں اور آپ کے مہمان۔“

وہ بے نیازی سے کہتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی انابیہ بنا ہینڈ بیگ اٹھائے ان ہی قدموں پر واپس ہو لی تھی اس گھر کے مکینوں کی فطرت شاید ہی بدل سکتی تھی۔ اس کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

☆☆☆

”مجھے پتا تو تھا کہ بابا دادی جان سے بہت محبت کرتے ہیں لیکن اس شدت کی محبت کرتے ہیں یہ اندازہ نہ تھا۔“ عیشا انابیہ سے مخاطب تھی۔

دو دن ہو گئے تھے لئیق احمد مستقل اسپتال میں ہی تھے آج دوپہر معاذ انہیں زبردستی گھر لایا تھا۔ انہوں نے نہا دھو کر ذرا سا کھانا کھایا اور پھر واپسی کے لیے تیار ہو گئے۔ تایا جان بھی ماں کے لیے فکرمند تو تھے لیکن وہ پرسکون انداز میں اپنے معمولات زندگی بھی نمٹا رہے تھے۔

شیراز بھائی جو دادی کے لاڈلے ترین پوتے تھے دادی کے لیے اپنی فیکٹری سے ایک دن کی چھٹی بھی نہ لے سکے تھے سارہ جو ہمیشہ سے ہی کتابی کیڑا تھی اب بھی اپنے نوٹس اور کتابیں کھولے ان میں ہی غرق رہتی تھی فقط معاذ تھا جو اسپتال اور گھر کے چکر لگاتے لگاتے گھن چکر بنا ہوا تھا۔

تائی جان جو ساری عمر دادی کی لاڈلی بہو بن کر رہی تھیں اب اٹھتے بیٹھتے ان کی مشکل آسان ہونے کی دعائیں کر رہی تھیں۔ شاید اس گھر میں کسی کو بھی ان کی صحت یابی کی امید نہ تھی، وہ کافی عرصے سے علیل تھیں ایک متحرک اور بھرپور زندگی جینے کے بعد وہ گھر بھر کے لیے ایک عضو معطل بن کر رہ گئی تھیں اور اب شاید وہ سب ان کی خدمت کر کے عاجز آ چکے تھے، اسی لیے کسی بھی ”ممکنہ خبر“ کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کیے بیٹھے تھے۔

”تایا جان کی فیملی کتنی خود غرض ہے ناں۔ یاد ہے ناں انابیہ آپی دادی جان ان لوگوں پر کتنی جان چھڑکتی تھیں اس بڑھاپے میں بھی ان لوگوں کی فرمائشیں پوری کرنے پر کمر بستہ رہتی تھیں مجھے یاد نہیں پڑتا، میں نے تائی جان کو اپنے بچوں کی کوئی فرمائش پوری کرتے دیکھا ہو۔ دادی جان ہر وقت اپنے لاڈلوں کے لیے کچن میں کھڑے ہو کر کچھ نہ کچھ بناتی رہتی تھیں اور آج انہیں دادی جان کی بیماری سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ معاذ بھائی کے علاوہ سب اپنی روٹین لائف میں مگن ہیں۔“ عیشا ان لوگوں کی خود غرضی دیکھ کر جی بھر کر حیران ہو رہی تھی۔

”اچھا آہستہ بولو عیشا کوئی سن نہ لے۔“

انابیہ نے اسے فوراً ٹوکا حالانکہ دل ہی دل میں وہ عیشا سے سو فیصد متفق تھی۔ انابیہ اور عیشا نے دادی

pklibrary.com

کے لاڈ پیار میں کبھی کوئی حصہ نہ پایا تھا۔ ان کا سارا پیار اپنے بڑے بیٹے کے بچوں کے لیے تھا۔ تائی جان ان کی سگی بھانجی تھیں انہوں نے ساری عمر بھانجی کو بھانجی ہی جانا تھا کبھی بہو سمجھ کر روایتی ساس کا کردار نہ نبھایا تھا۔ بہو تو ان کے لیے صرف میمونہ تھیں، وہ بھی ناپسندیدہ ترین بہو۔

انابیہ اور عیشا شکل وصورت میں ماں کا پر تو تھیں شاید اسی لیے انہوں نے دادی کے پیار اور شفقت میں کبھی حصہ نہ پایا تھا۔

انابیہ نے دادی کو بڑھاپے میں بھی بہت مستعد اور متحرک پایا تھا۔ وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتی تھیں، ان کی مصروفیت کا زیادہ سبب ان کے لاڈلے پوتے، پوتی تھے۔ شیراز، معاذ اور سارہ تینوں ہی ماں سے زیادہ دادی سے لاڈ اٹھواتے تھے اور آج جب وہ جان چھڑکنے والی دادی خود زندگی موت کی کشمکش میں مبتلا تھی تو گھر والے اتنے فکرمند نہ تھے جتنا انہیں ہونا چاہیے تھا۔

ایک معاذ تھا جو اپنے خود غرض گھر والوں سے کچھ الگ تھا۔ اب بھی وہ تھکا ہارا اسپتال سے لوٹا تھا۔

سارہ یونیورسٹی جا چکی تھی۔ تائی جان ویسے ہی دیر سے سو کر اٹھتی تھیں۔ انابیہ ماں بہن کے ساتھ ناشتہ کر کے کچن سمیٹ رہی تھی جب معاذ نے کچن میں جھانکا وہ شاید اپنا ناشتہ بنانے آیا تھا۔

دو چار دنوں میں ہی انابیہ کو گھر والوں کی روٹین پتا لگ گئی تھی۔ سارہ بنا ناشتہ کیے جاتی تھی شاید یونیورسٹی جا کر ہی کچھ کھا پی لیتی ہو۔ تائی جان اور شیراز بھائی دن چڑھے اٹھتے تھے جب تک ملازمہ بھی آ جاتی اور وہ ہی ان دونوں کا ناشتہ بناتی جبکہ معاذ خود کام کرنے کا عادی معلوم ہوتا تھا۔ ایک دن تو انابیہ نے اسے پراٹھا تک بناتے دیکھا تو وہ حیران رہ گئی تھی لیکن آج کچن میں ہوتے ہوئے اسے اچھا نہ لگا کہ معاذ ناشتہ خود بنانے کھڑا ہو جائے۔

"آپ ناشتے میں کیا لیں گے۔ ناشتہ میں بنا دیتی ہوں معاذ بھائی!" انابیہ نے اس سے پوچھا۔

"تمہیں زحمت ہو گی۔ میں بنا لوں گا خود" اس نے شائستگی سے انکار کیا۔

"زحمت کیسی ایک پراٹھا بنانے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے۔" وہ ملائمت سے بولی۔ معاذ نے ایک لمحہ سوچنے کے لیے لیا۔ پھر سر اثبات میں ہلاتے ہوئے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

ایک ہاف فرائی انڈا اور دو پراٹھے۔" معاذ نے تکلف کرنا مناسب نہ جانا۔ بھوک ہی زوروں کی لگ رہی تھی۔

"آپ ایک انڈے سے دو پراٹھے کھا لیں گے میرا مطلب ہے ساتھ سالن بھی گرم کر دوں۔" انابیہ نے پوچھا۔

"نہیں ایک پراٹھا چائے سے کھاتا ہوں۔" وہ ذرا سا مسکرایا تھا۔

"بابا کی طرح" انابیہ نے بے ساختہ کہا تھا۔

"دادی بھی یہ ہی کہتی ہیں میرا امزاج، عادتیں اور پسند، ناپسند چچا جان جیسی ہیں۔" معاذ نے دادی کی بات دہرائی تھی اور واقعی دادی کے متعلق بات کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ویسی ہی محبت بھری چمک ابھری تھی جیسی بابا کی آنکھوں میں ابھرتی تھی۔

"اللہ دادی جان کو صحت دے۔" انابیہ دھیرے سے بولی تھی۔

"ہاں بس اللہ ہی کی ذات سے امید ہے ورنہ ڈاکٹرز زیادہ پر امید نہیں۔" وہ ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے بولا تھا۔

اور جس وقت انابیہ اسے ناشتہ سرو کر رہی تھی تائی جان بھی جمائی لیتے ہوئے کچن کی طرف آ گئیں۔ اندر کا منظر دیکھ کر وہ ٹھٹھک کر رکیں۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔" عجیب نخوت بھرے انداز میں پوچھا حالانکہ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ ان کے انداز پر وہ سٹ پٹا سی گئی۔

"مجھے بھوک لگی تھی۔ میں نے انابیہ سے ناشتہ بنانے کا کہا تھا۔" معاذ نے ماں کو جواب دیا۔ ان کا

pklibrary.com

عجیب وغریب لہجہ وانداز اسے بھی کھلا تھا۔
وہ بیٹے پر ترچھی نگاہ ڈال کر رہ گئیں۔ غنیمت تھا کہ کچھ بولنے سے گریز کیا۔
''تائی جان! آپ کے لیے بھی ناشتہ بنادوں؟'' انابیہ نے پوچھا۔
''میرے ہاتھ پاؤں سلامت ہیں بی بی۔ بنالوں گی خود ہی۔'' وہ نخوت سے بولی تھیں۔
انابیہ کو عجیب ہتک کا احساس ہوا پل بھر میں ہی اس کی آنکھوں کا فرش گیلا ہوا تھا۔ معاذ نے ایک نگاہ اس پر ڈالی پھر لب بھینچ کر ماں کو دیکھا۔ انابیہ بنا کچھ کہے ہاتھ دھو کر کچن سے نکل گئی تھی۔
''کیا ہوگیا ہے امی! ایک تو بے چاری نے مجھے ناشتہ بنا کر دیا اوپر سے آپ اسے اتنے عجیب انداز میں مخاطب کر رہی تھیں۔'' معاذ نے دھیمی آواز میں ماں کو اس کی زیادتی کا احساس دلوانا چاہا۔
''بہت خوب میرا بچہ۔ ماں کا قصور فوراً نظر آ گیا۔ اس لڑکی سے ہوشیار رہو معاذ! چلتر ماں کی بیٹی ہے۔ ماں پر ہی گئی ہوگی ان ماں بیٹیوں کے چلتر پن سے اللہ بچائے بس۔''
ان کے کہنے پر معاذ نے افسوس سے سر ہلایا۔
چچی جان کے متعلق اسے ماں کی رائے سے کبھی بھی اتفاق نہ رہا تھا۔ وہ بہت شائستہ خاتون تھیں۔ بیٹیوں میں بھی ان کی مثالی تربیت کی جھلک نظر آتی تھی لیکن یہ سب رافعہ کے سامنے کہہ کر وہ ان کے غصے کو مزید ہوا نہ دینا چاہتا تھا ان کی آواز کا والیوم اتنا ہوتا تھا کہ دوسرے کمرے میں بیٹھا شخص بھی ان کے فرمودات با آسانی سن لے اور معاذ ابھی انابیہ کی بھیگی پلکیں دیکھ چکا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ماں کی کوئی اور بات اس کے کانوں میں پڑے اور وہ مزید ہرٹ ہو۔ اس نے گفتگو دادی کی طبیعت کی طرف موڑ دی۔
''ڈاکٹرز آج وینٹی لیٹر ہٹانے کا کہہ رہے تھے دعا کیجیے گا اللہ کوئی معجزہ کر دے۔''
''دعا تو کر ہی رہے ہیں میرے بچے، لیکن عمر کا بھی تقاضا ہے۔ خالہ اماں کے دن پورے ہو گئے ہیں۔ بس اللہ کے حکم پر سانس کی ڈوری بندھی ہے جو کسی بھی وقت ٹوٹ سکتی ہے۔ تم خود کو اتنا ہلکان مت کرو۔ دیکھو آنکھوں کے گرد کتنے حلقے پڑ گئے ہیں۔ نہ ڈھنگ سے کھا رہے ہو نہ نیند پوری ہو رہی ہے۔ نئی نئی نوکری ہے اتنی چھٹیاں کرلیں بس اب تم اپنی روٹین میں واپس آؤ۔ جانے خالہ اماں تو کب تک اسپتال میں رہتی ہیں یہ اسپتال والے تو اپنا بل بنانے کے چکر میں مریض کو مصنوعی سانسوں پر بھی مہینوں زندہ رکھ سکتے ہیں۔ ہم تم یوں سب کام چھوڑ کر تھوڑا ہی بیٹھ سکتے ہیں۔''
انہوں نے بیٹے کو سمجھانا چاہا۔ معاذ نے دکھ بھرے انداز میں انہیں دیکھا۔
''میں سب کچھ چھوڑ کر بیٹھ سکتا ہوں امی اور میرا دل آپ جتنا مضبوط نہیں۔ میں دادی جان کے لیے دعا کروں گا تو ان کی صحت یابی کی ہی دعا کروں گا۔ ان کی مشکل آسان ہونے والی دعا چاہنے کے باوجود میرے لبوں پر نہیں آسکتی۔''
مرد ہونے کے باوجود اس کی آواز بھر آ گئی تھی۔ رافعہ نے بیٹے پر ایک تاسف بھری نگاہ ڈالی پھر لمبی سی ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے اپنا ناشتہ بنانے کھڑی ہو گئیں۔

☆☆☆

اور پھر واقعی معجزہ ہو گیا تھا۔ دادی جان موت کی سرحد سے واپس پلٹی تھیں۔ وہ ڈسچارج ہو کر گھر تو آ گئیں لیکن ڈاکٹرز کی ہدایت تھی کہ انہیں سخت نگہداشت کی ضرورت ہے اور ان کی پل پل کی صورت حال مانیٹر کی جائے۔
گھر پر عیادت کے لیے آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ تائی جان مہمان داری بھگتا رہی تھیں بلکہ وہ صرف مہمانوں کو کمپنی ہی فراہم کرتی تھیں۔ چائے پانی کا انتظام ملازمہ کے سپرد تھا اور ملازمہ کی غیر موجودگی میں انابیہ یا عیشا میں سے کسی کو یہ ڈیوٹی بھگتانی پڑتی۔ سارہ تو یونیورسٹی کے بعد بھی پڑھائی ورنہ موبائل میں مگن رہتی۔ میمونہ ساس کو سنبھال رہی

pklibrary.com

تھیں۔

انابیہ اور عیشا بھی دادی کے پاس ہی رہتیں۔ زیادہ عرصے پہلے کی بات تو نہ تھی جب وہ ایک متحرک وجود رکھتی تھیں ہر پل کسی نہ کسی سرگرمی میں مصروف، چاق وچوبند اور ہشاش بشاش سی دادی اب دو قدم چلنے کے لیے بھی سہارے کی محتاج تھیں۔

لئیق احمد پہلے ہی دفتر سے سالانہ چھٹیاں لے چکے تھے دو دن بعد انہیں لازمی حاضر ہونا تھا اور وہ گھر والوں کی روٹین اور ماں کی حالت دیکھ کر از حد پریشان تھے۔ اور شاید ان لوگوں کی واپسی کے خیال سے تایا جان بھی پریشان تھے جب ہی انہوں نے انابیہ کو روکنے کی تجویز پیش کی۔

''انابیہ بیٹی تو امتحان دے کر فارغ ہوگئی ہے ناں تم لوگ اسے کچھ دن کے لیے یہاں چھوڑ جاؤ۔ جب ساہ کے پیپرز ہو جائیں گے تب تک اماں کے پاس انابیہ رہ لے گی۔ تمہاری بھابھی اکیلی جان، گھر کے بکھیڑے دیکھے یا اماں کی دیکھ بھال کرے۔'' تایا جان بابا سے مخاطب تھے۔

تائی جان کی خاموشی بتا رہی تھی کہ اصل تجویز کنندہ وہ ہی ہیں تایا جان نے صرف ان کی ترجمانی کے فرائض انجام دیے ہیں۔ انابیہ دل ہی دل میں استہزائیہ ہنسی ہنسی تھی۔ کہاں تائی جان کو گھر میں ان لوگوں کا وجود گوارا نہ ہوتا تھا اور اب ضرورت پڑنے پر اس کا قیام بڑھوایا جا رہا تھا۔ لئیق احمد نے اس وقت تو بھائی کی بات کا جواب دینے کے بجائے محض ہنکارا بھرنے پر اکتفا کیا۔'' وہ بیٹی کی مرضی جانے بغیر اسے یہاں رکنے پر مجبور نہ کر سکتے تھے لیکن ماں کی حالت کے پیش نظر انہیں بیٹی سے بات کرنا پڑی تھی۔

''میں جانتا ہوں بیٹا! یہاں رہنا تمہارے لیے ہرگز بھی آسان نہیں اور ہمارے بغیر تو اور بھی مشکل لیکن مجبوری ایسی آن پڑی ہے کہ عتیق بھائی کی تجویز ماننے بغیر چارا نہیں۔ ابھی تو تم لوگ اماں کا خیال رکھ رہے ہو۔ پھر تو وہ بالکل ہی بے یارو مددگار ہو جائیں گی۔ معاذ کے سوا مجھے اس گھرانے میں کسی سے کوئی امید نہیں لیکن وہ بچہ بھی اماں کے ساتھ چوبیس گھنٹے نہیں رہ سکتا۔ اگر تم ہمت کرو اور کچھ دن یہاں رہ جاؤ۔ جیسے ہی اماں کی حالت مزید سنبھلتی ہے میں اماں کو اپنے ساتھ ہی لے جاؤں گا فی الحال وہ سفر کے بھی تو قابل نہیں۔''

''آپ فکر نہ کریں بابا! میں یہاں رک جاتی ہوں۔''

''انابیہ نے باپ کی طویل تمہید کے جواب میں مختصر سا جواب دیا تھا۔ سچ تو یہ تھا کہ وہ اور عیشا دل ہی دل میں گھر جانے کے دن گن رہی تھیں لیکن بابا کی پریشانی دیکھ کر اس سے ناں نہ کی گئی۔

''خوش رہو بیٹا! یہ اصل میں میری ذمہ داری تھی۔ میں نے اپنے کندھوں کا بوجھ تمہیں منتقل کر دیا۔''

''پلیز بابا! ایسی بات مت کریں۔ دادی آپ کی ماں ہیں تو ہماری بھی تو دادی ہیں ناں۔ اگر مجھے ان کی خدمت کا موقع مل رہا ہے تو یہ میرے لیے بھی سعادت کا باعث ہے۔'' اس بار وہ واقعی دل سے بولی تھی۔

دادی جان سے بھلے انہیں کبھی اپنے حصے کی محبت نہ ملی تھی لیکن اپنے باپ کی ماں کے لیے تڑپ دیکھ کر وہ خود بھی بے چین ہو جاتی تھی۔ اگر اس کے کسی فعل سے اس کے بابا کی پریشانی سکون میں بدل سکتی تھی تو وہ اپنے دل پر جبر کر کے یہاں کچھ عرصہ مزید قیام کر سکتی تھی اور واقعی اس کی رضامندی پا کر لئیق احمد مطمئن ہو گئے تھے۔

''آپی آپ یہاں کیسے رہ پائیں گی۔ تائی جان کے تیور برداشت کرنا کوئی آسان کام تھوڑی ہے۔'' عیشا نے تنہائی میں پریشان ہو کر اسے مخاطب کیا۔

''بے فکر رہو۔ اب میں تائی جان کی مرضی کے مطابق ہی یہاں رہی ہوں کچھ نہیں کہیں گی، وہ مجھے اور ویسے بھی میں نے صرف دادی جان کا خیال رکھنا ہے۔ مجھے گھر میں کسی اور سے کوئی سروکار نہیں۔'' اس نے عیشا کے ساتھ ساتھ شاید خود کو بھی تسلی دی۔

pklibrary.com

☆☆☆

دو دن بعد جب ماں باپ چلے گئے تو اس کا دل بہت بے قرار ہو گیا۔ وہ دادی جان کے پیروں کا مساج کر رہی تھی اور آنکھیں گھر والوں کو یاد کر کے بار بار بھیگ رہی تھی۔

''لئیق نے تمہیں مشکل میں ڈال دیا۔ اب تو میں ٹھیک ہوں چلی جاتیں تم بھی ماں باپ کے ساتھ۔'' اس نے اپنے بازو سے آنکھیں رگڑیں تو دادی جان نے نحیف سے انداز میں اسے مخاطب کیا۔

''ارے نہیں دادی جان! مجھے یہاں ٹھہرنے میں کوئی مشکل یا پریشانی نہیں ہاں امی، ابو اور عیشا یاد تو آئیں گے بس آپ کی طبیعت، ذرا سی اور سنبھلتی ہے ناں پھر آپ ہمارے ساتھ ہمارے گھر چلیے گا۔ بابا بھی تو آپ کے بیٹے ہیں ناں اور آپ زندگی میں کبھی ہمارے گھر نہیں آئیں۔'' اس نے دادی سے معصوم سے شکوہ کیا۔

''ہاں بیٹا زندگی میں ایسی بہت سی غلطیاں ہوئی ہیں جن کا احساس زندگی کے اس آخری موڑ پر جا کر ہوا ہے۔'' انہوں نے آزردگی سے اعتراف کیا۔ انابیہ نے چونک کر انہیں دیکھا۔ بیماری کے بعد وہ بالکل بدل تو گئی تھیں پھر بھی وہ ان سے کسی ایسی بات کی توقع نہ کر رہی تھی۔

''اب گزرا وقت واپس نہیں آ سکتا اور نہ ہی میں ایسا کچھ کرنے پر قادر ہوں جس سے میرے اس بدصورت رویے کا ازالہ ہو سکے جو میں نے ماضی میں تم لوگوں سے روا رکھا۔ اب تو میرے پاس فقط ایک ہی راستہ بچا ہے کہ میں تم لوگوں سے معافی مانگ لوں۔ اپنی بے وقوف دادی کو معاف کر دینا بیٹا جو زندگی بھر کھرے، کھوٹے کی تمیز ہی نہ کر پائی۔'' وہ نقاہت بھرے انداز میں اس سے مخاطب ہوئیں۔

''ایسی بات کر کے مجھے کیوں گناہ گار کر رہی ہیں دادی جان۔'' انابیہ نے ان کے ہاتھ تھامے۔

''میمونہ نے بھی مجھے یہ ہی جواب دیا تھا۔'' وہ مسکرائی تھیں۔

''امی کو یا ہمیں آپ سے کوئی شکوہ نہیں دادی جان۔ اگر کوئی تھا بھی تو وہ اب دم توڑ چکا ہے۔ ہم آپ کے قریب نہیں رہتے تھے ناں بس اسی وجہ سے میں اور عیشا آپ سے جھجکتے تھے اگر قریب رہتے تو ہمارے درمیان کبھی اتنے فاصلے پیدا نہ ہوتے یہاں کم کم آنا ہمارا قصور تھا۔ آپ بلاوجہ خود کو کیوں دوش دے رہی ہیں۔'' اس نے فراخدلی سے سارا قصور اپنے کھاتے میں ڈالا۔

''میں سوچتی ہوں شاید اللہ نے مجھے موت کے منہ سے واپس بھیجا تو شاید وہ مجھے ایک موقع دینا چاہتا تھا کہ میں اپنے پیاروں سے ان کا دل دکھانے کی معافی مانگ سکوں۔''

''پلیز دادی جان! پھر سے یہ معافی کا لفظ استعمال کر کے مجھے شرمندہ مت کریں۔'' انابیہ نے تڑپ کر ان کا جھریوں بھرا ہاتھ اپنے لبوں سے لگا لیا تھا۔ اسی وقت معاذ دستک دے کر اندر آیا تھا۔ دادی پوتی کے چہرے دیکھ کر اندازہ ہو گیا تھا کہ اندر کوئی جذباتی سین چل رہا تھا۔

''آپ کا بی پی چیک کرنے آیا ہوں، صبح آفس جانے سے پہلے ذہن سے نکل گیا اور نا ہی آپ نے یاد کروایا۔ ڈاکٹر نے بلڈ پریشر کی مستقل مانیٹرنگ کی ہدایت کی تھی۔'' وہ ان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔ سائیڈ ٹیبل سے بی پی آپریٹس بھی اٹھا لیا۔

''آج ڈیجیٹل اپریٹس لے آؤں گا۔ پھر انابیہ بھی آسانی سے چیک کر لے گی۔ روزانہ کا چارٹ باقاعدگی سے مکمل کرنا ہوگا۔''

''مجھے مینوئل سے بھی آتا ہے۔ میں کر لوں گی۔ گھر پر پاپا کا بلڈ پریشر میں ہی چیک کرتی ہوں۔'' اس نے آہستگی سے بتایا تھا۔

''گڈ یہ تو اور بھی اچھی بات ہے......'' وہ مسکرایا۔

معاذ بھائی کی مسکراہٹ کتنی خوب صورت ہے۔ انابیہ نے دل ہی دل میں چپکے سے سوچا تھا۔ اسی لمحے شیراز بھائی بھی وہاں آ نکلے۔

pklibrary.com

''دادی جان! اب جلدی سے ٹھیک ہو جائیں یار! آپ بڑے غلط وقت پر بیمار ہوئی ہیں۔ اللہ اللہ کر کے تو میری شادی کی ڈیٹ فکس ہونے جا رہی تھی کہ آپ اسپتال پہنچ گئیں۔''

اس نے دادی کو ازلی بے تکلف انداز میں مخاطب کیا۔ انابیہ کو یہ شکوہ سراسر خود غرضی پر مبنی لگا۔ دادی بیمار تھیں اور شیراز بھائی کو اپنی شادی کی پڑی تھی۔ وہ پہلے بھی ان کے لبوں سے کئی بار یہ بات سن چکی تھی اور ہر بار ہی اسے ان کی خود غرضی دکھ میں مبتلا کرتی تھی۔

''کل خالہ اور عروسہ آپ کا حال پوچھنے آئیں گی۔ انابیہ تم پہلے ملی ہو اپنی بھابھی سے نہیں ملی تو کل مل لینا۔''

شیراز نے دادی کے ساتھ اسے بھی مخاطب کیا۔ وہ فقط سر ہلا کر رہ گئی عروسہ کو اس نے بچپن میں تو دیکھ رکھا تھا۔ وہ تقریباً اسی کی ہم عمر تھی۔ یہ بھی بخوبی علم تھا کہ تائی جان نے شیراز بھائی کے لیے بھانجی کو منتخب کر رکھا ہے لیکن بڑے ہونے کے بعد اس کا عروسہ سے کوئی آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔

شیراز بھائی کل آنے والے مہمانوں کے دل و جان سے منتظر دکھائی دیتے تھے۔ خوشی ان کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ انابیہ کو خیر ان مہمانوں کی آمد سے کیا سروکار ہونا تھا لیکن اگلے دن ان ہی مہمانوں کے لیے پر تکلف ضیافت کے اہتمام کی خاطر اسے کچن میں کھپنا پڑ رہا تھا۔

اب تائی جان مطلب پڑنے پر خاصی میٹھی بن جاتی تھیں۔ آج بھی لہجے میں مٹھاس سمو کر کچن کے بہت سے کام اس کے سر ڈال دیے۔ معاذ آج فلو اور بخار کی وجہ سے جلدی آف لے کر گھر آ گیا تھا۔ انابیہ کو کچن میں کھڑا دیکھا تو سیدھا وہیں چلا آیا۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو۔'' بخار کی شدت سے تمتماتے چہرے اور سرخ ہوتی آنکھوں کے ساتھ قدرے ڈپٹ کر دریافت کیا بھی یہ سوال اس کی والدہ محترمہ نے کیا تھا اور آج وہ بھی سب کچھ دیکھنے کے باوجود یہی استفسار کر رہا تھا۔

''میں یہ کباب فرائی کر رہی ہوں۔ مہمان بس پہنچنے والے ہیں۔'' وہ اس کے لہجے اور انداز سے خائف ہوتے ہوئے ذرا منمنا کر بولی تھی۔ اتنے میں ہی تائی جان بھی وہاں آ نکلیں۔

''ہاں! انابیہ چاول دم پر رکھ دیے بیٹا!'' انہوں نے ملائم لہجے میں دریافت کیا۔

''امی! اگر آج خالہ آ رہی تھیں تو آپ سارہ کو یونیورسٹی نہ بھیجتیں، انابیہ یہاں دادی جان کی تیمار داری کے لیے رکی ہے اور آپ نے اسے کچن میں کھڑا کر دیا۔'' وہ خفگی بھرے لہجے میں ماں سے مخاطب کیا۔

''تو کیا ہو گیا اگر اس نے میری ذرا سی مدد کر دی میں خالہ اماں کے کمرے میں جھانک کر آئی ہوں۔ سکون سے لیٹی تسبیح پڑھ رہی ہیں۔''

وہ بیٹے کی خفگی کو خاطر میں لائے بغیر اطمینان سے بولی تھیں۔

''امی آپ جانتی ہیں کہ دادی جان کروٹ تک بدلنے کے لیے کسی دوسرے کی محتاج ہیں۔ سرہانے پڑی میز سے پانی کی بوتل اٹھا کر گلاس میں پانی تک نہیں ڈال سکتیں۔ ان کی آواز قریب بیٹھے بندے تک بھی بمشکل پہنچتی ہے۔ وہ تو آواز دے کر کسی کو بلا بھی نہیں سکتیں اور آپ نے آج انابیہ کو کچن میں کھڑا کر دیا۔'' وہ ہنوز خفا تھا۔

''مجبوری میں ہی بندہ کسی کا احسان لیتا ہے اگر تمہاری خالہ نہ آ رہی ہوتیں تو روزانہ گھر کی ہانڈی روٹی میں ہی کرتی ہوں ناں۔ اب کچن میں مسلسل کھڑے ہونا میرے بس کی بات نہیں بس اسی لیے دو چار کام انابیہ کے سپرد کر دیے اتنا بگڑنے کی ضرورت نہیں۔''

وہ بیٹے پر جواباً خفا ہوئیں۔ انابیہ کوئی قصور نہ ہوتے ہوئے بھی سر جھکائے شرمندہ سے انداز میں کباب تلتی رہی۔

''انابیہ! تم ہٹو یہاں سے جاؤ دادی جان کے

پاس۔ کباب میں فرائی کرلوں گا۔" معاذ نے اسے مخاطب کیا۔ وہ اس کے لب و لہجے سے خائف ہوتی ہاتھ دھو کر کچن سے نکل گئی۔

"خالہ وغیرہ مہمان نہیں ہیں اگر ایک روز بنا اہتمام کے لنچ کرلیں گے تو کیا فرق پڑتا۔ ورنہ آپ ان لوگوں کو ذرا سا پہلے بلالیتیں عروسہ آپ کی ہیلپ کردیتی آخر کل کو بھی تو اس نے ہی یہ گھر سنبھالنا ہے ناں۔"

معاذ بات ختم کرنے کے موڈ میں نہ لگ رہا تھا۔ تائی جان نے کیا جواب دیا۔ وہ سن نہ پائی۔ وہ دادی جان کے پاس اپنے عافیت کدے میں پہنچ گئی تھی۔

☆☆☆

"خالہ! یہ انابیہ کب تک یہاں رہے گی۔"

انابیہ کا مہمانوں سے سرسری سا آمنا سامنا ہوا تھا لیکن اس مختصر ملاقات میں ہی عروسہ اس کے بے پناہ حسن سے خائف سی ہوگئی تھی۔ شیراز سے اس کا دن رات کا آمنا سامنا ہوتا ہوگا اور لڑکوں کا دل پلٹتے کوئی دیر تھوڑی لگتی ہے۔ منگنی کا رشتہ تو ویسے بھی بہت ناپائیدار سا ہوتا ہے۔ اسی خدشے کے تحت اس نے انابیہ کے یہاں قیام کی مدت کا اندازہ لگانا چاہا تھا۔

"کیا کہہ سکتے ہیں خالہ اماں بھی اللہ کے پاس جانے کا ٹکٹ گنوا کر واپس پلٹی ہیں بس ان ہی کی دیکھ بھال کے لیے تمہارے خالو نے اسے روک لیا ورنہ تو سالوں سے ادھر پھٹکی نہیں تھیں دونوں بہنیں۔ اب دادی کی خدمت کرکے نمبر بنارہی ہیں اور ہمیں کیا غرض بھئی کرتی رہے خدمت، آخر کو لئیق اور اس کے بچوں کی بھی ذمہ داری ہے خالہ اماں کو سنبھالنا۔ صرف ہم نے ہی تو ٹھیکہ نہیں لے رکھا ناں۔" وہ بیزاری سے بولی تھیں۔

معاذ نے تاسف سے انہیں دیکھا۔ وہ مہمانوں کے سامنے بات نہ بڑھانا چاہتا تھا ورنہ ماں کو باور کرواتا کہ دادی جان نے ساری عمر اپنی ساری توانائیاں اس گھر پر صرف کی ہیں۔ محتاجی اور معذوری کا وقت تو اب آیا تھا اور امتحان کی اس گھڑی میں صرف وہ لوگ ان کا ساتھ دینے آگے بڑھے تھے جنہوں نے کبھی ان کی ذات سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا تھا۔

"ویسے لڑکی ہے بہت خوب صورت۔ کیا رنگ روپ نکالا ہے۔" شگفتہ خالہ نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا۔

"خوب صورت تو ہوگی پوری کی پوری ماں پر پڑی ہے۔ میمونہ نے بھی تو اسی حسن و ادا سے لئیق کو پھانسا تھا ورنہ کون کنوارہ بندہ کسی بیوہ سے شادی کرتا ہے۔" رافعہ نے بہت بار کی کی گئی بات دوہرائی۔ معاذ سے پہلے شیراز ہی بول پڑا تھا۔

"رہنے دیں امی! چچی جان بے چاری ایسی نہیں۔ ابو سے ہم نے جب بھی یہ قصہ پوچھا انہوں نے یہ ہی بتایا کہ یہ شادی سو فی صد دادا جان کی مرضی سے ہوئی تھی۔"

"ارے بیٹا ہمیں تمہیں اندر کی بات کا کیا علم مانا کہ میمونہ کے ابا اور ہمارے خالو بہت گہرے دوست تھے اور خالو جان جب بھی ان سے ملنے جاتے تو لئیق بھائی ہی ان کے ہمراہ ہوتے۔ خالو نے جب میمونہ اور لئیق کا رشتہ طے کرنا چاہا تو خالہ جان نے اس بات کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ ظاہر ہے کوئی ماں اپنے کنوارے بیٹے کے لیے کسی بیوہ کو بہو بنانا تھوڑی پسند کرے گی اور تمہارے لئیق چچا جو ماں کے اتنے فرمانبردار تھے کہ ماں کی اجازت کے بغیر سانس لینا بھی گناہ سمجھتے تھے ماں کی ساری مخالفت اور ناراضگی کو پس پشت ڈالتے ہوئے باپ کی رضا میں راضی ہوگئے اگر لئیق بھائی انکار کردیتے تو خالو زبردستی تو نہیں کرسکتے ناں۔ ضرور لئیق بھائی کی اپنی منشاء بھی یہ ہی ہوگی ورنہ ہمیں تو لگتا تھا کہ انہوں نے اپنی پسند کو پانے کے لیے باپ کا کندھا استعمال کیا۔"

شگفتہ خالہ مزیدار کھانے سے انصاف کرتے ہوئے لئیق احمد اور میمونہ کی شادی پر سیر حاصل تبصرہ بھی فرمارہی ہیں۔

pklibrary.com

"چلیں اگر لئیق چچا نے پسند کی شادی کر بھی لی تو کیا غلط کیا چچی جان ہر لحاظ سے ان کے لیے بہترین انتخاب ثابت ہوئی ہیں۔" معاذ اس بار بولے بنا نہ رہ پایا تھا۔

"ماں کا دل دکھانے سے غلط بھی کچھ اور ہو سکتا ہے۔ خالہ جان کو لئیق بھائی پر جو مان بھروسا تھا سب ختم ہو گیا پھر ان کا اپنے بھائی سے تعلق خراب ہوا۔ انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کے لیے بھانجی اور بھتیجی کا انتخاب کر رکھا تھا۔ عتیق بھائی نے تو ماں کی مرضی پر کوئی چوں چرا نہ کی۔ آپا کے ساتھ ان کی شادی بخیر وخوبی نمٹی۔ لئیق بھائی کی میمونہ سے شادی کے بعد ماموں اتنے عرصے خالہ جان سے خفا رہے، وہ تو جب ہم لوگوں نے امجد بھائی کے لیے شاہانہ کا رشتہ مانگا تو بھائی بہن کے تعلقات میں کچھ بہتری آئی۔"

شگفتہ خالہ ماضی دہرا رہی تھیں۔ وہ باتیں جو پہلے ہی بار بار دہرائی جا چکی تھیں۔ دادا جان مرحوم نے لئیق احمد کی شادی اپنے دیرینہ دوست کی بیوہ بیٹی سے کر دی۔ دادی شوہر سے تو خفا ہوئیں سو ہوئیں انہوں نے بیٹے کو بھی کبھی دل سے معاف نہ کیا نہ ہی اس کی بیوی کو بہو کے طور پر قبول کیا۔ وہ اپنی بھتیجی کو بہو بنانے کی خواہاں تھیں۔

شاہانہ کی شادی رافعہ کے بھائی سے ہو گئی۔ بھتیجی شادی کے بعد اپنے گھر میں شاد آباد رہی لیکن لئیق احمد کی نافرمانی کا قلق کبھی ان کے دل سے نہ گیا۔ بیٹے نے ماں کی بات ماننے کے بجائے باپ کی زبان کا پاس رکھا وہ یہ قصور کبھی معاف نہ کر پائیں۔ جب ساس نے ہی میمونہ کو کوئی اہمیت نہ دی تو رافعہ کیوں دیورانی کو کسی گنتی شمار میں رکھتیں، شاید لاشعوری طور پر وہ میمونہ کے بے پناہ حسن اور سلیقہ شعاری اور ہنر مندی سے بھی خائف تھیں، ان کا شمار ایسے لوگوں میں ہوتا تھا جو اپنے سوا کسی کی برتری تسلیم نہ کر سکتے تھے۔ اتنے برس گزر جانے کے بعد بھی میمونہ سے ان کا بے سبب حسد ختم نہ ہو پایا تھا۔

ماں جس عورت سے اتنا چڑتی تھی، وہ اس کی بیٹی کے لیے اپنے دل میں گنجائش کہاں سے نکال پاتی۔

معاذ میاں تجھے ہی اپنے دل کو سمجھانا ہو گا۔ کیوں لئیق چچا کے نقش قدم پر چلنے کی تیاری کر رہا ہے۔ اس نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے جی ہی جی میں خود کو مخاطب کیا۔ چند دن میں ہی دل کے ساتھ عجیب واردات ہو گئی تھی لیکن وہ فی الحال دل کے بجائے دماغ کی سن رہا تھا اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ دادی جان کے دل و دماغ میں بھی کچھ اسی قسم کی کھچڑی پک رہی ہے۔

☆☆☆

وہ رات کو معمول کے مطابق دادی جان کے پاس گیا تھا۔ دادی پوتی جانے کن باتوں میں مشغول تھیں کہ دونوں کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"تم نے کھانا وانا کھانا ہے تو جاؤ کھا لو میں بیٹھا ہوں، دادی جان کے پاس۔" معاذ نے انابیہ کو مخاطب کیا۔

"جی۔ میں پہلے نماز پڑھ لوں۔ کھانا تو میں یہاں دادی جان کے پاس بیٹھ کر ہی کھا لوں گی۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"لگتا ہے اپنی پوتی سے آپ کی خوب ہی دوستی ہو گئی ہے۔" انابیہ کے جانے کے بعد معاذ نے مسکرا کر دادی کو مخاطب کیا۔

"بس بیٹا آج کل تو یہ ہی بات چین نہیں لینے دے رہی کہ میں نے ساری عمر اتنی پیاری پوتیوں کو خود سے دور رکھا۔" وہ آزردگی سے مسکرائیں۔

"چلیں کوئی بات نہیں ٹینشن نہ لیں وہ کہتے ہیں ناں دیر آید درست آید۔ اب دادی پوتی کا دن رات کا ساتھ ہے اپنی محبت اور شفقت نچھاور کرتی رہیں پوتی پر۔" وہ مسکرایا۔

"میں نے ساری عمر میمونہ سے بلاوجہ کا عناد پالے رکھا۔ حالانکہ اس بے چاری کا قصور صرف یہ تھا ناں کہ وہ لئیق سے شادی سے پہلے بیوگی کی چادر اوڑھ چکی تھی۔ وہ اتنی کم عمری میں بیوہ ہوئی تھی۔ اس

pklibrary.com

کے ماں باپ نے اس کا دوسرا گھر تو بسانا ہی تھا ناں تمہارے دادا جان نے دوست کا بوجھ بانٹنے کے لیے بیٹے کا رشتہ پیش کر دیا اور میں نے میمونہ کی اچھائیوں اور خوبیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف اس کا بیوہ ہونا یاد رکھا۔ کس قدر جہالت اور توہم پرستی کا ثبوت دیا میں نے حالانکہ وہ لئیق کے لیے بہترین شریک حیات ثابت ہوئی لیکن میں اپنی کم عقلی اور خود ساختہ انا کے ہاتھوں اتنی مجبور ہوئی کہ زندگی بھر اسے اس کا جائز مقام ہی نہ دیا۔"

"دادی جان کیوں سوچتی ہیں اتنا۔ اب سب ٹھیک ہو گیا ہے ناں۔ پلیز اتنی ٹینشن مت لیں۔"

"نہیں معاذ! اللہ نے یہ مہلت سوچنے کے لیے ہی تو دی ہے۔" وہ دھیرے سے بولیں۔

"مجھے بہو سے پرخاش تھی ناں۔ پر پوتیوں کا کیا قصور تھا۔ میں نے ساری عمر صرف ایک پوتی کے لاڈ اٹھائے تمہیں بتاؤں معاذ میرا دل کرتا ہے میں وقت کا پہیہ پیچھے سرکاؤں۔

انابیہ اور عیشا کے ویسے ہی لاڈ اٹھاؤں جیسے میں نے سارہ کے اور تم لوگوں کے اٹھائے ہیں لیکن میرے نصیب میں صرف ان سے خدمت لینا لکھا ہے۔ بس میرے روم روم سے ان کے لیے دعا نکلتی ہے اس کے سوا کچھ نہیں کر پاتی۔" ان کی آنکھوں کے گوشے گیلے ہوئے تھے۔ معاذ خاموشی سے ان کا ہاتھ تھپکنے لگا۔

"آج کل میرے دل میں ایک اور خواہش بیدار ہوئی ہے۔ بس تیری ماں کے ردعمل سے ڈر لگتا ہے پھر سوچتی ہوں عتیق سے کہہ کر دیکھوں ہو سکتا ہے وہ رافعہ کو سمجھا پائے۔"

"امی کو سمجھانا ابو کے بس کی بات نہیں۔ آپ مجھے بتائیں ناں میں کوئی تدبیر لڑاؤں گا۔ آخر بات ہے کیا؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہاں یہ بھی صحیح ہے۔ سب سے پہلے تو تجھ سے ہی پوچھنا پڑے گا لیکن میں بتائے دے رہی ہوں تو اور تیری ماں مل کر بھی کوشش کرو گے تو میری انابیہ کے جوڑ کی لڑکی نہ ڈھونڈ پاؤ گے۔"

"مطلب؟" اس نے دادی کو حیرت سے دیکھا

"میں نے تیرے لیے انابیہ کو سوچا ہے۔ تجھے کوئی اعتراض تو نہیں؟" انہوں نے بہت آس سے پوچھا۔ وہ کچھ لمحے حیرت بھری بے یقینی سے دادی کو دیکھتا رہا پھر اس کے ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ بکھر گئی۔ گردن موڑ کر کسی کے موجود نہ ہونے کا یقین کر کے وہ دادی کی طرف جھکا۔

"آپ کے اور میرے خیالات میں سو فی صد ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ دادی جان! میں نے بھی اپنے لیے کچھ اسی قسم کی بات سوچی ہے اب آپ ہیں ناں میری پشت پر تو میری ساری ٹینشن ختم۔ امی کو انوالو کیے بنا ابو اور چچا جان سے ڈائریکٹ بات کریں ہو سکتا ہے بات بن ہی جائے۔"

اس نے اپنی رضامندی دینے کے ساتھ ساتھ صلاح بھی دے دی تھی۔ دادی کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا تھا۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆

اویس صبح شام میسج کر کے انابیہ سے اس کا حال احوال لیتا تھا۔ آج اس نے کال کی تھی۔

"آپ ٹینشن نہ لیں اویس بھائی میں یہاں بالکل خیریت سے ہوں۔" انابیہ نے اس کی تسلی کروائی۔

"یار! کیا کروں تمہارے بارے میں ٹینشن نہ لینا میرے دائرہ اختیار سے باہر ہے، ہر وقت دھیان تمہاری طرف لگا رہتا ہے۔ عیشا نے بتایا ہے کہ تمہاری تائی جان کے انداز اور تیور اب بھی وہ ہی ہیں اور چڑیا جتنا تو تمہارا دل ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ کیسے رہ رہی ہو۔"

وہ واقعی اس کے لیے بہت فکر مند تھا۔ انابیہ اس کی محبت پر مغرور ہوئی۔

"اب میں تائی جان کے تیوروں سے زیادہ نہیں گھبراتی اویس بھائی کیونکہ اب میرا خیال رکھنے کو

pklibrary.com

میری دادی جان ہیں۔ ہم دونوں دادی پوتی ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں۔ میں واقعی بہت خوش ہوں کہ مجھے ان کے ساتھ رہنے اور ان کی خدمت کا موقع مل رہا ہے۔ وہ بہت اچھی ہیں۔ ہمارے درمیان جتنا بھی فاصلہ تھا وہ سمٹ گیا ہے۔ مجھے ان کی محبت اور شفقت پانا بہت اچھا لگ رہا ہے۔"

انابیہ نے ہر ممکن طریقے سے اس کی تسلی کروائی۔ "چلو اچھی بات ہے اپنا خیال رکھنا۔" اویس بھی ذرا مطمئن ہوا تھا۔ وہ اب اس سے خالہ، خالو کی خیریت دریافت کرنے لگی۔

دو ہفتے بعد لئیق میمونہ اور عیشا ملنے آئے تھے۔ بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے دادی جان کی طبیعت میں خاطر خواہ اضافہ نہ ہوا تھا اور وہ اپنی حالت کے پیش نظر جلد از جلد اپنی دلی خواہش پوری کرنا چاہتی تھیں جب ہی لئیق اور عتیق کو بلا کر انابیہ اور معاذ کے رشتے کی بات چھیڑی تھی۔

"معاذ میرے جگر کا ٹکڑا ہے اور میں اس کے لیے انابیہ سے بہتر کوئی اور انتخاب نہیں پاتی۔ میری پوتی بھی لاکھوں میں ایک ہے۔ میرا حکم سمجھ لو یا مرتی ماں کی آخری خواہش۔ مجھے میرے پوتے، پوتی کی خوشی دیکھ لینے دو۔ اگر تم دونوں میں سے کسی کو اعتراض ہے تو ابھی مجھے صاف جواب دو میں دوبارہ یہ بات اپنے لبوں پر نہیں لاؤں گی۔"

"کیسی بات کرتی ہیں اماں۔ معاذ پر آپ پورا حق رکھتی ہیں۔ اس کی زندگی کے حوالے سے آپ جو بھی فیصلہ کریں ہماری سرتابی کی مجال کہاں اور پھر آپ نے تو اس کے لیے اتنا بہترین انتخاب کیا ہے اس گھر کو انابیہ جیسی بہو کی ہی ضرورت ہے۔ شیراز کے لیے تو اس کی ماں نے من مرضی کر لی لیکن معاذ کے لیے میں نے اس کا کوئی الٹا سیدھا فیصلہ ویسے ہی قبول نہیں کرنا تھا۔ مجھے یہ تجویز دل و جان سے قبول ہے آپ لئیق اور میمونہ سے پوچھ لیں۔" عتیق احمد نے پل بھر میں ہی اپنی رضامندی دے دی تھی۔ وہ واقعی ماں کے لبوں سے یہ بات سن کر خوش ہوئے تھے اتنے دنوں سے بھتیجی ان کی نظروں کے سامنے تھی ان پر اس کے جوہر کیوں نہ کھلتے۔ اپنے لائق فائق اور فرماں بردار بیٹے کے لیے ایسی سلجھی ہوئی، نیک سیرت اور سگھڑ لڑکی کا رشتہ وہ کیوں کر قبول نہ کرتے شیراز کے لیے رافعہ کا فیصلہ انہیں ویسے ہی نہ بھاتا تھا۔ بیگم کی آنکھوں پر تو بہن اور بھانجی کی محبت کے پردے پڑے تھے لیکن شیراز کی خواہش اور رجحان بھی اسی طرف تھا سو انہوں نے اس کے رشتے میں روڑے نہ اٹکائے لیکن اس سے پہلے معاذ ماں کے کسی غلط فیصلے کی بھینٹ چڑھتا انہیں انابیہ کا رشتہ نعمت غیر مترقبہ لگا اور انہوں نے بیوی سے مشورے کی زحمت کیے بنا ماں کو فوری رضامندی دے دی تھی۔

دادی جان اب امید بھری نگاہوں سے دوسرے بیٹے کو تک رہی تھیں، لئیق عجیب مخمصے میں مبتلا تھے۔ معاذ کی اچھائیوں سے انہیں کوئی انکار نہ تھا۔ وہ ہر لحاظ سے انابیہ کے لیے بہترین انتخاب تھا لیکن دل ہی دل میں وہ بھاوج کے مزاج سے خائف تھے۔ دوسری طرف ماں تھی زندگی میں پہلے بھی ایک بار وہ ماں کا دل دکھا چکے تھے۔ ان کی ڈاکٹری رپورٹیں بتاتی تھیں کہ وہ لحہ بہ لحہ موت کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ مرتی ماں کی آخری خواہش رد کرنے کا جگرا ان میں نہ تھا۔

"آپ نے انابیہ کے لیے جو سوچا بہترین سوچا۔ مجھے بھی اس تجویز پر کوئی اعتراض نہیں۔" اپنے تمام تحفظات بالائے طاق رکھتے ہوئے وہ ماں پر محبت بھری نگاہ ڈالتے ہوئے مسکرا کر مخاطب ہوئے۔ دونوں بیٹوں کی رضامندی پا کر ان کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

☆☆☆

"آپ کیوں پریشان ہو رہے ہیں۔ آپ نے اماں کی خواہش کا مان رکھا اور اماں نے انابیہ کے لیے جو سوچا بہترین سوچا۔ سب خدشات کو ذہن سے جھٹک دیں۔"

میمونہ انہیں تسلی دے رہی تھیں لئیق نے محبت

pklibrary.com

سے بیوی کو دیکھا بجائے اس کے کہ وہ بیٹی کی زندگی کے اتنے اہم معاملے میں شریک نہ کیے جانے پر شکوہ کرتی انہیں ہی حوصلہ دے رہی تھیں۔

"بیٹی کا باپ ہوں میمونہ! سو طرح کے وہم ستاتے ہیں پھر رافعہ بھابھی کے مزاج سے بھی تم آگاہ ہو۔ پتا نہیں وہ اس رشتے کو دل سے قبول کریں گی بھی یا نہیں۔"

لئیق کے کہنے پر میمونہ ایک لمحے کو خاموش ہوئی تھیں۔ اپنی پوری زندگی ذہن کے پردے پر لہرائی ایک لمحے کے لیے ان کا دل بھی ڈوب سا گیا مگر پھر انہوں نے شوہر کے سامنے تصویر کا روشن پہلو رکھا۔

"معاذ آپ کا سگا بھتیجا ہے۔ اس میں خوبیاں ہی خوبیاں ہیں۔ کوئی خامی ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ کیا گارنٹی ہے کہ ہم انابیہ کے لیے باہر کہیں کوئی رشتہ تلاش کرتے تو ایسا بہترین بر ڈھونڈ پاتے اور ہمارے معاشرے میں عمومی طور پر بہوؤں کو ساس کا نرم گرم مزاج جھیلنا پڑتا ہی ہے۔ آپ بھابھی جان کی وجہ سے پریشان نہ ہوں۔" انہوں نے شوہر کو تسلی دی۔

لئیق نے محض ہنکارا بھرنے پر اکتفا کیا

"میرا معاملہ انابیہ سے مختلف تھا۔ انابیہ میں کوئی ایسی کمی یا خامی نہیں۔ دیکھ لیجیے گا شادی کے بعد وہ بہت جلد سسرال میں اور سب کے دل میں جگہ بنا لے گی۔" انہوں نے اپنی دانست میں شوہر کو تسلی دینا چاہی تھی لیکن لئیق اس بات پر خفا ہو گئے۔

"تم میں بھی کوئی کمی یا خامی نہیں تھی اور تم جیسا جیون ساتھی پانا میری زندگی کی سب سے بڑی خوش قسمتی ہے۔ پتا نہیں تم بار بار ایسی بات کیوں کر جاتی ہو۔" وہ ناراض ہوئے۔

"اچھا جناب غلطی ہو گئی۔ آئندہ نہیں دہراؤں گی۔" میمونہ نے پل بھر میں غلطی کا اعتراف کر لیا لئیق مسکرا دیے تھے۔

"خالہ اماں! یہ آپ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔" رافعہ ساس سے شکوہ کر رہی تھیں ۔"میرے بیٹے کی زندگی کا معاملہ تھا اور آپ سب نے مجھے ہی دودھ میں سے مکھی کی طرح پھینک دیا۔ آپ کو میرا درد سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ سب آپ کے ساتھ بھی بیت چکا ہے۔"

رافعہ نروٹھے پن سے ان سے مخاطب تھیں۔ وہ ماضی کی کس بات کا حوالہ دے رہی تھیں دادی جان کو سمجھنے میں پل نہ لگا تھا۔

"تمہارا شکوہ بالکل جائز اور برحق ہے رافعہ! لیکن خدا کے لیے تم وہ غلطی نہ کرنا جو میں کر بیٹھی تھی کھلے دل ودماغ سے سوچو گی تو میرا فیصلہ تمہیں اتنا بھی نامناسب نہیں لگے گا۔ یہ تو میں اپنی زندگی کی طرف سے بے اعتبار ہو گئی تھی جو تمہیں راضی کیے بغیر یہ فیصلہ کر بیٹھی لیکن یقین جانو میرے بعد بھی تم اس فیصلے پر مجھے دعائیں دو گی اس گھر کو اور معاذ کو انابیہ سے بہترین لڑکی کوئی اور نہیں مل سکتی تھی۔ اپنے دل میں اس بچی کے لیے گنجائش پیدا کرو۔"

وہ رسانیت بھرے انداز میں بھانجی کو سمجھا رہی تھیں رافعہ کچھ بولے بغیر خفگی سے منہ پھلائے بیٹھی تھیں۔

"تمہارے بچوں میں معاذ کی طبیعت اور مزاج سب سے الگ ہے آج کل کی لڑکیوں میں جو تیزی طراری ہوتی ہے وہ کسی ایسی لڑکی کے ساتھ نباہ کر ہی نہ سکتا تھا۔ انابیہ گھر بنانے والی اور رشتوں کو جوڑ کر رکھنے والی لڑکی ہے معاذ اس کے ساتھ بہت خوش رہے گا تم میرا یقین تو کرو۔"

"اب میرے یقین کرنے یا نہ کرنے سے کیا ہو گا۔ ہو گا تو وہ ہی جو آپ لوگ فیصلہ کر بیٹھے ہیں۔" وہ خفگی جتاتی اٹھ کر چلی گئیں۔

"اگر آپ راضی نہیں ہیں تو میں اس رشتے سے انکار کر دیتا ہوں امی۔" رات کو معاذ ان کے گھٹنے پکڑے بیٹھا تھا۔

"بس رہنے دو۔ اپنے باپ اور دادی کو رضامندی دے بیٹھے ہو جب سب کچھ طے ہو گیا ہے تو ماں کی رضامندی کا خیال آیا ہے۔" انہوں نے اس کے ہاتھ جھٹک کر پرے ہٹائے۔

pklibrary.com

''دادی جان کی آخری خواہش تھی میں انہیں کیسے منع کرتا امی۔''

اس نے اپنی پسندیدگی کا ذکر گول کرتے ہوئے سب دادی پر ڈالا۔ جانتا تھا کہ اگر ماں کو انابیہ کے بارے میں اس کے دلی جذبات کی بھنک بھی پڑ گئی تو مزید بدگمان ہو جائیں گی۔

''انابیہ اچھی بھلی لڑکی ہے امی۔ آپ کیوں اس رشتے پر ناخوش ہیں'' سارہ نے بھی حیرت سے ماں سے پوچھا۔

''تمہیں تو اچھی لگے گی ہی۔ تمہارے حصے کی ذمہ داریاں وہ جو نبھا رہی ہے۔'' رافعہ بیٹی کی رگ رگ سے واقف تھیں۔

''سچ کہہ رہی ہیں امی۔ میں تو یہ سوچ کر پریشان ہوتی تھی کہ جب انابیہ چلی جائے گی تو میں دادی جان کو کیسے سنبھالوں گی۔ میرا مطلب ہے ایک دو گھنٹے کی تیمارداری تو پھر ممکن ہے مگر چوبیس گھنٹے کی نگہداشت نہیں بھئی یہ میرے بس کی بات تو نہیں تھی۔'' وہ اپنے ازلی منہ پھٹ انداز میں بولی۔ رافعہ بس اسے گھور کر رہ گئیں۔

''ٹھیک ہے امی! جب آپ ہی راضی نہیں تو میں یہ رشتہ جوڑ کر کیا کروں گا۔ میرے لیے سب سے مقدم آپ کی رضامندی ہے۔ میں ابو اور دادی جان دونوں سے خود معذرت کر لوں گا۔'' معاذ اٹھتے ہوئے بولا۔ کن انکھیوں سے ماں کے چہرے کے تاثرات بھی ملاحظہ کر رہا تھا۔ ''رہنے دو جب تمہارے ابو اور دادی دونوں کی یہ ہی خواہش ہے تو میں انکار کر کے بری کیوں بنوں۔ مان لو ان کی بات۔ میرا کیا ہے سمجھوتہ کر ہی لوں گی۔''

وہ نروٹھے پن سے بولیں بیٹے کی سعادتمندی نے انہیں مطمئن ضرور کر دیا تھا۔

''چلیں جیسے آپ کی مرضی۔ وہ فرماں برداری دکھاتا پھر سے بیٹھ گیا تھا۔ من کی مراد اتنی آسانی سے پوری ہو جائے گی یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ دادی جان کی اگلی خواہش انابیہ اور معاذ کے نکاح کی تھی، پتا نہیں انہیں بے اعتباری بہو کی طرف سے تھی یا اپنی زندگی سے بس انہوں نے دونوں بیٹوں سے اپنی خواہش کا اظہار کر دیا تھا۔ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے دونوں کو نکاح کے بندھن میں باندھنا چاہتی تھیں۔ ان کی طبیعت پھر سے بگڑنے لگی تھی۔ لئیق اور عتیق دونوں ہی ماں کی خواہش رد نہ کر پائے۔ سادہ سی تقریب میں انابیہ اور معاذ کا نکاح پڑھوا دیا گیا۔

☆☆☆

دادی کی بگڑتی طبیعت کی پریشانی انابیہ کو پانے کی خوشی پر غالب آ گئی تھی۔ وہ اپنے ڈاکٹر دوست سے دادی کی رپورٹس فون پر ڈسکس کر رہا تھا۔ سگنلز کے مسئلے کی وجہ سے کال بار بار ڈراپ ہو رہی تھی۔ وہ فون لیے باہر کی سمت بڑھا مگر پھر ٹھٹک کر رکا تھا۔ داخلی دروازے کی سیڑھیوں پر انابیہ بیٹھی اور وہ بھی یقیناً فون پر ہی کسی سے محو گفتگو تھی۔ معاذ اس کی گفتگو سننے کے ارادے سے وہاں نہیں گیا تھا لیکن جو بات اس کے کانوں میں پڑی تو اس کا واپس پلٹنا مشکل ہو گیا۔

''مجھے کیا خبر تھی اویس بھائی کہ یوں اچانک سب کچھ طے پا جائے گا میں تو خود اب تک بے یقین ہوں۔ آپ کو بتانے تک کی بھی مہلت نہیں ملی۔'' وہ روہانسی ہو کر کسی کو وضاحت دے رہی تھی معاذ کے قدم جکڑے گئے تھے۔

''خوش ہونے یا نہ ہونے کا مرحلہ تو بعد میں آتا ہے اویس بھائی! پہلا مرحلہ تو یقین کرنے کا ہے۔'' وہ ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے بولی تھی۔ دوسری طرف سے جانے کیا کہا گیا تھا کہ وہ تڑپ کر بول اٹھی تھی۔

''میری زندگی پر آپ کا حق اور اختیار کوئی چیلنج نہیں کر سکتا۔ بابا صرف دادی جان کی طبیعت کی وجہ سے مجبور ہو گئے تھے ورنہ آپ جانتے ہیں امی بابا نے میرے حوالے سے پہلے بات آپ ہی کی مانی تھی۔'' انابیہ کی وضاحتوں کا سلسلہ ختم ہونے میں نہ آ رہا تھا اس کے لہجے کا رنج، آزردگی اور کسی اور شخص کی اس کی

زندگی میں استحقاق بھری موجودگی سننے کو باقی رہ بھی گیا تھا۔ معاذ بھول گیا تھا کہ وہ ایک ضروری کال کرنے اس طرف آیا تھا۔ دل و دماغ پر بھاری بوجھ لیے وہ دھیرے سے وہاں سے پلٹ گیا۔

☆☆☆

دادی جان کی طبیعت سنبھلنے میں نہ آ رہی تھی۔ اس بار انہیں اسپتال لے جایا گیا تو ان کا جسدِ خاکی ہی واپس آیا تھا۔ ان کی حالت کے پیشِ نظر ذہنی طور پر سب پہلے ہی یہ حقیقت تسلیم کر چکے تھے کہ ان کی عمر کی نقدی بس ختم ہونے والی ہے لیکن پھر بھی ان کے بچھڑنے کے غم سے سب نڈھال تھے۔

موت کی ہیبت اور سفا کی وقتی طور پر ہی سہی مگر سب کو زندگی کی ناپائیداری کا احساس دلا کر جھنجوڑ دیتی ہے۔ ہر آنکھ ان کی جدائی پر اشکبار تھی۔

سب سے برا حال انابیہ کا تھا۔ پچھلے کچھ عرصے سے اس کا اور ان کا دن رات کا ساتھ تھا۔ اس عرصے میں اسے دادی جان سے جو محبت اور شفقت ملی اس نے اس کی ساری عمر کی تشنگی مٹا دی تھی۔ وہ ان کو بار بار مان بھرے انداز میں باور کرواتی تھی کہ طبیعت میں بہتری آنے پر انہیں اپنے ساتھ اپنے گھر لے جائے گی، وہ اس بات پر مسکرا دیتی تھیں شاید جان گئی تھیں کہ اب زندگی ایسی کوئی بھی مہلت دینے پر آمادہ نہیں۔

اپنی پیاری پوتیوں کے ساتھ ماضی میں روا رکھے جانے والی بے گانگی انہیں ہر پل کے پچھتاوے میں مبتلا رکھتی تھی اور انابیہ انہیں بار بار یقین دلاتی کہ وہ ان کی اتنی محبت اور شفقت پانے کے بعد ماضی کو بالکل فراموش کر چکی ہے۔

''اللہ تجھے معاذ کے سنگ اتنا خوش رکھے میری بچی کہ تیری دادی کی روح تک آسودہ رہے۔'' وہ اسے دعا دیتیں۔

''ویسے تجھے معاذ اچھا تو لگتا ہے ناں؟'' وہ پوتی سے کسی گہری سہیلی کی طرح رازداری سے پوچھتیں۔

''آپ ہر وقت ان کی تعریفیں کرتی ہیں ظاہر ہے اچھے ہی ہوں گے۔'' انابیہ سر جھکا کر جواب دیتی

''اچھا نہیں بہت اچھا ہے۔ تم دونوں بنے ہی ایک دوسرے کے لیے ہو۔ ایک دوسرے کے سنگ زندگی گزارو گے ناں تو دادی کو دعائیں دو گے۔'' وہ ان کا رشتہ جڑنے پر واقعی بہت خوش تھیں۔ اور انابیہ کو کم از کم یہ اطمینان تھا کہ وہ ان کی زندگی میں آنے والی آخری خوشی کا باعث بنی۔

خالہ، خالو اور اویس بھائی دادی جان کے جنازے میں شریک ہونے آئے تھے، غم کی شدت سے معاذ نڈھال تھا لیکن جب لئیق احمد نے بھتیجے کا تعارف بیوی کے بھانجے سے کروایا تو وہ اس کا نام سن کر چونکا۔ اس نے اویس سے مصافحہ بھی کیا اور تعزیت بھی وصول کی لیکن اس سے مل کر دل پر بوجھ بڑھ گیا تھا۔

دراز قد، خوبرو اور جاذب نظر شخصیت رکھنے والا اویس یقیناً کسی بھی لڑکی کا خواب ہو سکتا تھا۔

معاذ کو اپنی جلد بازی پر غصہ آ رہا تھا۔ اس نے سوچا ہی نہیں کہ انابیہ بھی اپنی زندگی کے حوالے سے کوئی رائے رکھتی ہوگی اس نے صرف اپنے دل کی سنتے ہوئے دادی کی مدد سے جھٹ پٹ انابیہ کو اپنے نام کروالیا۔ کسی نے اس بے چاری کی رائے تک لینے کی زحمت نہ کی۔

انابیہ کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا خیال اسے بے چین کر گیا تھا۔ جو ہوا وہ ٹھیک نہ تھا۔ زندگی بھر کے بندھن میں کوئی ایک فریق دل سے راضی نہ ہو تو پھر یہ بندھن دونوں کے لیے ہی بوجھ بن جاتا ہے۔ معاذ ابھی سے ہی خود کو اس بوجھ تلے دبا محسوس کر رہا تھا۔ آگے جانے کیا ہونا تھا۔ وہ بے بسی سے لب بھینچ کر رہ گیا۔

☆☆☆

لئیق احمد بیوی اور بیٹیوں کے ساتھ رخصت ہو گئے تھے۔ انابیہ ابھی تک دادی کی جدائی کے غم سے نڈھال تھی اس کی آنکھوں کی سرخی ختم نہ ہو رہی تھی۔

pklibrary.com

معاذ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی غمزدہ صورت سے کچھ اور معنی بھی اخذ کر رہا تھا۔

جانے سے پہلے رافعہ نے دیور، دیورانی کو مخاطب کیا۔

''یہ وقت ایسی بات کے لیے مناسب تو نہیں لیکن تم بیٹی کے ماں باپ ہو۔ تمہیں ذہنی طور پر تیار کرنا میرا فرض ہے۔ میں اب شیراز اور معاذ کی شادی میں مزید تاخیر نہیں چاہتی۔ خالہ اماں کے بعد گھر ویسے ہی کاٹ کھانے کو دوڑ رہا ہے۔ بس میں اب جلد از جلد بہوئیں گھر میں لانا چاہتی ہوں۔ ہم دو مہینوں کے اندر اندر انابیہ کی رخصتی لے لیں گے۔''

انہوں نے قطعی انداز میں باور کروایا۔ معاذ جو ان لوگوں کو رخصت کرنے کے لیے دروازے پر کھڑا تھا ایک اچٹتی نگاہ انابیہ پر ڈالی جو تائی کی بات سن کر متوحش نگاہوں سے ماں باپ کو تک رہی تھی۔

''انابیہ آپ کی امانت ہے بھابی! جب چاہیں آ کر لے جائیں۔''

لئیق احمد نے متانت بھرے لہجے میں جواب دیا۔ انابیہ نے تڑپ کر باپ کو دیکھا۔ معاذ کی نگاہوں سے اس کا ردعمل مخفی نہ رہ پایا تھا وہ نگاہوں کا رخ پھیر گیا تھا۔

''میں معاذ سے مل کر مطمئن ہوا ہوں۔ وہ اچھا لڑکا ہے اب تم اپنے خدشات سے پیچھا چھڑوالو۔''

اویس آج آفس سے واپسی پر سیدھا وہیں آ گیا تھا اور انابیہ کے کمرے میں جا کر اسے سمجھانے بیٹھ گیا۔

''وہ اچھے ہیں میں ان کی اچھائی کی منکر نہیں لیکن میں ڈرتی ہوں کہ کہیں میرے مقدر میں بھی امی والی زندگی نہ ہو۔ تائی جان اس رشتے پر دل سے راضی نہیں۔ وہ صرف دادی جان کی حالت کے پیش نظر یہ کڑوا گھونٹ پینے پر راضی ہوئی ہیں اور میں اس گھر میں ان چاہا بن کر نہیں جانا چاہتی۔'' انابیہ نے اپنے مسئلے سے آگاہ کیا۔ اویس ایک پل کے لیے خاموش ہو گیا۔

''خود کو خالہ سے کمپیئر مت کرو تم جانتی ہو تمہاری پوزیشن اور ان کی پوزیشن میں زمین آسمان کا فرق ہے۔'' اس نے انابیہ کو رسان بھرے لہجے میں سمجھایا۔

''آپ ابھی میری تائی جان سے سرسری سا ملے ہیں دو دن بھی ان کے ساتھ گزارنے پڑتے تو پتا چلتا کہ ان کی گھورتی نگاہوں کا سامنا کرنا کتنا مشکل کام ہے۔'' انابیہ نے منہ بسورا تھا۔

''ارے چھوڑو یار! اسی فی صد ساسیں ایسی ہی خوف ناک ہوتی ہیں۔ بس تم جاتے کے ساتھ ہی معاذ کو مٹھی میں کر لینا۔ اپنی والدہ محترمہ سے وہ خود نمٹ لے گا۔'' اویس نے شگفتگی بھرے انداز میں اسے چھیڑا۔

''اویس بھائی!'' وہ معاذ کے ذکر پر ٹھیک ٹھاک شرما گئی تھی۔ اویس اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے ہنس پڑا تھا۔

☆☆☆

کہاں اتنی فوری شادی پر اس کا دل ڈوب ڈوب جاتا تھا اور کہاں معاذ کے تصور پر ہی دل عجیب انداز میں دھڑکنے لگا تھا۔ دادی اپنے پوتے کو ہیرا کہتی تھیں۔ یہ ہیرا انہوں نے پوتی کی جھولی میں ڈال دیا تھا۔ انابیہ کو مرحومہ دادی پر پیار تو اپنے نصیب پر رشک آنے لگا تھا۔ تائی جان کے حوالے سے اس کی گھبراہٹ بھی آہستہ آہستہ ختم ہونے لگی تھی۔ جب معاذ اس کے ساتھ ہو گا تو وہ تائی جان کا گرم، سرد رویہ بھی جھیل لے گی۔ وہ اپنے دل کو سمجھانے میں کامیاب ہونے لگی تھی۔

☆☆☆

''شادی سے پہلے کسی کے لیے دل میں پسندیدگی بھرے جذبات رکھنا کوئی گناہ تو نہیں۔ انابیہ کے کردار میں کوئی کمی یا جھول نہیں۔'' معاذ کے دل نے انابیہ کو کلین چٹ دے دی تھی۔

قصور تو ان لوگوں کا تھا جنہوں نے اس کی رضامندی جانے بغیر اسے زبردستی کے بندھن میں

باندھ دیا تھا۔ بندھن بھی ایسا مضبوط جو معاذ چاہنے کے باوجود نہ توڑ سکتا تھا سچی بات تو یہ بھی کہ دل اس معاملے میں خودغرضی دکھا رہا تھا جو انابیہ کی خوشی کے بجائے اپنی خوشی سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

میں انابیہ کو اتنی محبت، اتنا پیار دوں گا کہ وہ ماضی بھلانے پر مجبور ہو جائے گی۔ اللہ نے چاہا تو ہم دونوں ایک بھرپور زندگی جئیں گے۔ معاذ خود کو تسلی دیتا۔

جیسے جیسے شادی کے دن قریب آرہے تھے اس کی خوش فہمی اور خوش گمانی بڑھتی جارہی تھی۔ گھر میں جوش و خروش صرف شیراز اور عروسہ کے حوالے سے تھا۔ ماں من چاہی بہو کے لیے دھڑا دھڑ شاپنگ کر رہی تھی۔ ہر چیز ایک سے بڑھ کر ایک تھی لیکن شادی سے پہلے عروسہ نے اپنی پسند کی خریداری کی فرمائش کردی۔ کندھا شیراز کا استعمال کیا تھا۔

"جب پیسے خرچ ہونے ہی ہیں تو اچھی بات نہیں کہ عروسہ اپنی مرضی کی چیزیں خرید لے۔ آپ اسے ساتھ لے جایا کریں بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ آپ اس جھنجٹ میں پڑتی ہی کیوں ہیں۔ آپ اپنے گھٹنوں کے درد سے ویسے ہی عاجز رہتی تھیں میں خالہ کے اکاؤنٹ میں پیسے ٹرانسفر کر دیتا ہوں۔ عروسہ اور خالہ خود ہی شاپنگ کرلیں گی۔" شیراز نے کھانے کی میز پر یہ موضوع چھیڑا۔

"واہ بیٹا جی جب میں اتنی ڈھیر ساری شاپنگ کر چکی ہوں تب تمہیں یہ خیال آیا ہے۔ عروسہ کو سمجھا دو کہ میں نے اس کے لیے ہر چیز بہترین خریدی ہے وہ فکر نہ کرے بلکہ میں خود ہی فون کروں گی۔" انہوں نے شیراز کو تسلی دی۔

"امی آپ شاپنگ کرنے سے پہلے خالہ کو بتا ہی دیتیں۔ وہ اور عروسہ بھی ساتھ شامل ہو جاتے۔" شیراز ذرا بدمزہ ہوا تھا پھر اچانک سے خیال آیا۔ "آپ بتا رہی تھیں کہ آپ نے ابھی انابیہ کے لیے خریداری کا آغاز نہیں کیا ہے۔ تو آپ یوں کیوں نہیں کرتیں کہ عروسہ کے لیے خریدی چیزیں انابیہ کے لیے رکھ لیں عروسہ اپنی شاپنگ اپنی مرضی سے کر لے گی۔" شیراز کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

"تمہارا دماغ درست ہے میں نے عروسہ کے لیے ایک سے بڑھ کر ایک چیز خریدی ہے وہ سب انابیہ کے لیے رکھ چھوڑوں۔" وہ غصے میں بیٹے کو جھڑک بیٹھی تھیں۔

"نہیں تو بیگم صاحبہ اچھی اور مہنگی چیزوں پر کیا آپ کی بھانجی کا ہی حق ہے یا معاذ اپنی کمائی آپ کے ہاتھ پر نہیں رکھتا جو آپ ابھی سے ہی دونوں بیٹوں کی بیویوں میں فرق روا رکھ رہی ہیں۔" عتیق نے بیگم کو ٹوک دیا تھا۔

"مجھے بھانجی پیاری ہونے کا طعنہ دے رہے ہیں اور آپ کی بھتیجی جس نے ابھی بہو بن کر گھر میں قدم نہیں رکھا آپ اس کی حمایت کے لیے ابھی سے خم ٹھونک کر میدان میں اتر آئے ہیں۔ جب وہ آجائے گی جب کیا حشر کریں گے میرا۔" عروسہ اور شیراز پر آیا غصہ شوہر کی بے وقت مداخلت پر ان کی طرف منتقل ہو گیا۔

"میری بھتیجی آپ کی بھانجی سے لاکھ گنا اچھی ہے۔ جلد یا بدیر آپ کو بھی اس کا احساس ہو جائے گا۔"

انہوں نے مزید گرہ لگا دی تھی انابیہ کے لیے وہ چڑ اور بے زاری جو وقت گزرنے کے ساتھ ختم ہوتی جارہی تھی شوہر کی بات سن کر پھر عود آئی۔

"ایک تو آپ نے میری مرضی کے بغیر میرے بیٹے کا رشتہ طے کر دیا اور نہ صرف رشتہ طے کیا بلکہ نکاح تک کر ڈالا اور اب اس کی خاطر مجھ سے لڑنے مرنے پر تیار بیٹھے ہیں میں کہتی ہوں عتیق احمد آپ کی بھاوج اور بھتیجیاں جادوگرنیاں ہیں، آخری عمر میں خالہ اماں کو کیسے مٹھی میں کر کے میرے بیٹے کو تھپا لیا اب آپ اٹھتے بیٹھتے ان کے نام کی مالا جپتے رہتے ہیں۔ میں تو اس وقت سے ڈرتی ہوں جب وہ لڑکی مستقل اس گھر میں آجائے گی۔"

"میری بھاوج نے اپنی بچیوں کو خدمت، محبت اور اطاعت گزاری کا جادو سکھایا ہے۔ جس سے وہ ہر کسی کا دل مٹھی میں کر لیتی ہیں دیکھ لینا یہ جادو تم پر بھی چل کر رہے گا۔"

عتیق احمد مسکراتے ہوئے کھانے کی میز سے اٹھے اور جاتے جاتے بیوی کو مزید چھیڑ گئے تھے رافعہ کا موڈ بری طرح بگڑ چکا تھا۔ شیراز نے بھی عافیت اسی میں جانی کہ عروسہ کی شاپنگ کا ذکر کسی مناسب وقت پر اٹھا رکھے، رہا معاذ تو اسے گویا اس گفتگو سے کوئی سروکار ہی نہ تھا۔ وہ خاموشی سے سر جھکائے کھانا کھاتا رہا۔

☆☆☆

دلہن بن کر انابیہ پر اتنا روپ چڑھا تھا کہ کوئی نگاہ اس پر ٹک ہی نہ رہی تھی۔ وہ شرمگیں مسکراہٹ چہرے پر سجائے سب کے تعریفی تبصرے سن رہی تھی لیکن اس کا دل اس وقت ڈوب سا گیا جب اس نے تائی جان کی آنکھوں میں اپنے لیے وہ ہی نخوت اور سرد مہری محسوس کی۔

انہوں نے پور پور سجی۔ حسین و جمیل بہو کے لیے کسی قسم کے التفات کا مظاہرہ نہ کیا۔ وہ دولہا کی ماں بن کر آئی تھیں اور اسی کروفر کے ساتھ پنڈال میں بیٹھی تھیں۔ میمونہ کی طرف کی جو بھی رشتہ دار خاتون انہیں کمپنی دینے ذرا دیر کو رافعہ کے پاس بیٹھتی وہ باتوں ہی باتوں میں نخوت بھرے انداز میں یہ باور کروانا نہ بھولتیں کہ یہ رشتہ سراسر ان کی مرحومہ ساس کی خواہش پر طے پایا ہے۔

انابیہ نہ جانتی تھی کہ بیتے کچھ دنوں میں تایا جان اس کے لیے نادان دوست ثابت ہوئے ہیں۔ انہوں نے بیوی کی بھانجی کے ساتھ اپنی بھتیجی کا تقابلی موازنہ کر کے انہیں انابیہ سے مزید برگشتہ کر دیا ہے۔

تائی جان کا نخوت بھرا انداز کسی کی نگاہوں سے بھی مخفی نہ رہ پایا تھا۔ جب رشتہ داروں کی یہ چہ مگوئیاں اویس کے کانوں میں پڑیں تو وہ مضطرب ہو کر معاذ کے پاس آیا۔ شومئی قسمت اس وقت معاذ کے آس پاس دونوں طرف کا کوئی رشتہ دار موجود نہ تھا۔

"آپ کی والدہ کی باتوں سے صاف لگ رہا ہے کہ وہ دل سے اس رشتے پر راضی نہیں لیکن انابیہ کا خیال رکھنا اب آپ کی ذمہ داری ہے۔ انابیہ عام لڑکیوں سے بہت مختلف ہے۔ بہت حساس دل رکھتی ہے یہ۔ دوسری لڑکیاں جن باتوں کو درخور اعتنا ہی نہیں جانتیں یہ ان پر بھی پہروں کڑھ سکتی ہے۔ پلیز اس کا خیال رکھنا یہ ہمارے لیے بہت قیمتی ہے۔"

شدت جذبات سے اویس کی آواز کانپ سی گئی تھی۔ معاذ نے گہری سانس اندر کھینچی انابیہ کے حوالے سے یہ نصیحت چچا جان، چچی جان یا خاندان کا کوئی بڑا بزرگ کرتا تو بات سمجھ میں آتی تھی وہ ان کے خدشات سمجھ کر تشفی آمیز جواب دینے کی ہر ممکن کوشش کرتا لیکن انابیہ کے لیے اس شخص کا یہ استحقاق بھرا لہجہ اسے بری طرح سلگا گیا تھا۔

"انابیہ میری منکوحہ اور میری ذمہ داری ہے۔ میں اپنی ذمہ داریاں بخوبی نبھانا جانتا ہوں۔ آپ کو تردد کرنے کی ضرورت نہیں۔" معاذ نے سرتوڑ کوشش کر کے اپنے لہجے سے ناگواری نہ جھلکنے دی تھی۔

اویس اس کا کندھا تھپتھپا کر چلا گیا۔

رخصتی سے بھی جذباتی مناظر کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا تھا عیشا نے رو رو کر برا حال کیا ہوا تھا۔ سب اسے سمجھا اور سنبھال رہے تھے۔

اور آخر وہ بھی ان ہی محترم کے قابو آئی تھی اویس اسے بازو کے گھیرے میں لے کر ایک طرف چلا گیا تھا۔

انابیہ صرف ماں باپ کو پریشان نہ کرنے کے لیے اپنے آنسوؤں پر بند باندھے ہوئے تھی لیکن جیسے ہی گاڑی میں بیٹھ کر سفر کا آغاز ہوا وہ پیچھے رہ جانے والوں کو یاد کر کے وقفے وقفے سے آنسو بہاتی رہی۔ یہ سلسلہ سارے سفر میں ہی رہا تھا۔

☆☆☆

"اب میں اتنا برا بھی نہیں یار! جو میرے ساتھ زندگی گزارنے کے تصور سے ہی سارے سفر میں

pklibrary.com

تمہاری ہچکی بندھی رہی۔"

حجلۂ عروسہ میں معاذ کے لبوں سے سب سے پہلے یہ شکوہ برآمد ہوا۔ انابیہ کو یہ بات سن کر پھر سے رونا آنے لگا اگر وہ اپنی شرم، جھجک اور گھبراہٹ پر قابو پاسکتی تو اسے یہ ضرور جتاتی کہ اگر وہ لڑکی ہوتا تو اسے اپنوں کو چھوڑنے کے غم کا پتا چلتا۔ انابیہ کی خاموشی اور بھیگی پلکوں نے معاذ کو شدید ترین احساس ندامت میں مبتلا کردیا تھا۔

"تم جانتی ہو انابیہ! یہ رشتہ دادی جان کی خواہش پر جڑا تھا۔ بعض سمجھوتے آپ کے مقدر کا حصہ ہوتے ہیں وہ آپ کو چاہتے، نہ چاہتے ہوئے بھی کرنے پڑتے ہیں۔ اب ہم جس بندھن میں بندھ چکے ہیں ہمیں ہر طور اسے نبھانا پڑے گا۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ میری ذات سے تمہیں کوئی دکھ، تکلیف نہ پہنچے اور میں امید کرتا ہوں کہ تم بھی اس سمجھوتے کو نبھانے میں اپنی سی کوشش ضرور کروگی۔"

وہ بہت نرم لہجے میں اس سے مخاطب تھا۔ انابیہ کے سر پر گویا ساتوں آسمان گر پڑے تھے۔ اس نے من چاہی بہو نہ ہونے کی حقیقت تو رشتہ جڑنے کے کچھ دن بعد قبول کرلی تھی لیکن وہ معاذ کے لیے بھی فقط ایک سمجھوتہ بھرا انتخاب تھی یہ جانگسل سچائی کیسے قبول کرلیتی اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ معاذ نے جانے ان آنسوؤں سے کیا نتیجہ اخذ کیا۔

"پلیز حوصلہ کرو اور کچھ اچھے کی امید رکھو۔ دلوں میں گنجائش نکالنے والی ذات اللہ کی ہے اور میں تو سمجھتا ہوں کسی رشتے کو نبھانے کے لیے محبت سے زیادہ خلوص اور دیانت داری اہم ہوتی ہے تم میرے خلوص پر کبھی کوئی شبہ نہ کرپاؤ گی جہاں تک تمہارا تعلق ہے تم یہ رشتہ کس انداز میں نبھاتی ہو یہ تم پر منحصر ہے۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا تھا۔

"میں پوری کوشش کروں گی کہ آپ کو میری طرف سے کسی شکایت کا موقعہ نہ ملے۔" اپنے روتے کرلاتے دل کو بمشکل سنبھالتے ہوئے اسے بھی قول دینا پڑا تھا۔

یہ دونوں کی نئی زندگی کی شروعات تھیں۔

☆☆☆

ولیمے کے بعد رواج کے مطابق وہ انابیہ اور اس کے گھر والوں کے ہمراہ گیا تھا۔ چچا جان کی محبت اور شفقت اپنی جگہ، چچی جان اسے داماد سمجھ کر وی آئی پی پروٹوکول دے رہی تھیں اور وہ اتنی خاطر مدارت پر شرمندہ ہوئے جارہا تھا۔ انابیہ ویسی ہی گم صم سی تھی۔ عیشا جس نے رخصتی پر رونے دھونے کے ریکارڈ توڑے ہوئے تھے اب چونچالی کے موڈ میں تھی۔

"معاذ بھائی آپ کو پتا ہے شادی کے بعد آپ کو کون سی اضافی ڈیوٹی بھگتانی پڑے گی۔" وہ ہنستے ہوئے معاذ سے مخاطب ہوتی۔ معاذ نے مسکرا کر نفی میں سر ہلادیا۔

"آپ کو اپنے بیڈروم میں کسی بھی چھپکلی کی آمد کا راستہ روکنا ہوگا اگر خدانخواستہ کمرے میں کوئی چھپکلی آگئی اور انابیہ آپی کی اس پر نگاہ پڑگئی تو آپ وہ چھپکلی بھگانے یا مارنے کے بعد بھی سکون سے نہیں سو پائیں گے کیونکہ آپی ساری رات اٹھ اٹھ کر لائٹ جلا کر کمرے کی ساری دیواروں کا جائزہ لیتی رہیں گی اور اگر ان کے چہرے پر ان کا دوپٹہ یا لحاف کا کنارا بھی آجائے گا نا تو یہ چیخ مار کر اٹھ بیٹھیں گی۔"

عیشا کھلکھلاتے ہوئے اس کی معلومات میں اضافہ کررہی تھی۔

"چلو اطلاع دینے کا شکریہ اب میں اپنے بیڈ روم میں کسی ممکنہ چھپکلی کی آمد سے ہوشیار رہوں گا۔"

وہ ہنسا تھا اور یوں ہنستے ہوئے کتنا اچھا لگتا تھا انابیہ نے ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ اللہ نے اس شخص کو تو اس کے نصیب کا حصہ بنادیا تھا کیا ہی اچھا ہوتا وہ اس کی محبت کی بھی حق دار ٹھہرتی۔

اس کا دل کرلایا تھا وہ وہاں سے اٹھ کر باہر چلی گئی۔ ایک پل کو معاذ کے مسکراتے لب بھنچ سے گئے پھر عیشا کی طرف متوجہ ہوتے اس نے زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر سجالی تھی۔

pklibrary.com

☆☆☆

وہ چچا جان کے ساتھ عیشا کی نماز پڑھنے مسجد گیا تھا۔ وہ نماز سے واپسی پر کسی شناسا سے بات کرنے کھڑے ہو گئے معاذ گھر کی سمت بڑھ گیا۔

گھر کے باہر گاڑی کھڑی دیکھ کر وہ چونک سا گیا۔ چھٹی حس نے کوئی الارم سا بجایا۔ چچی جان عیشا کو ساتھ لگائے پر تکلف ڈنر کی تیاری میں مصروف تھیں۔ معاذ لاؤنج کی سمت بڑھا تو اویس کی جھلک دکھائی دی۔ وہ اپنے ذہن میں آنے والے خیال کی تصدیق پر بدمزا سا ہوا۔ یعنی آنے والا اویس ہی تھا۔ انابیہ اس کے بالکل قریب بیٹھی تھی۔

معاذ نے بغور دیکھا اویس انابیہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر تھپتھپاتے ہوئے جانے کن راز و نیاز میں مشغول تھا۔ اشتعال کی شدید لہر نے معاذ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے پلٹا تھا۔ جب ہی عیشا وہاں سے گزری۔

''آپ نماز پڑھ کر آ گئے معاذ بھائی! لیکن بابا کہاں رہ گئے۔ میں تو دستر خوان لگانے والی ہوں۔''

''آتے ہوں گے۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا عیشا کی آواز سن کر اویس بھی اٹھ کر اسی طرف آیا تھا اس نے معاذ سے گرم جوشی سے معانقہ کیا۔ ''میں آپ کو اور انابیہ کو انوائیٹ کرنے آیا ہوں۔ کل کا لنچ ہماری طرف کیجیے۔''

''سوری کل صبح صبح تو میں نے واپس نکلنا ہے۔ اگر انابیہ رکنا چاہے تو یہ آپ کے ساتھ لنچ کر لے گی۔'' وہ سپاٹ سے انداز میں بولا۔

اویس اس انداز پر ذرا سا ٹھٹکا تھا۔

''نو پرابلم آپ دونوں کی دعوت ادھار رہی نیکسٹ ٹائم سہی۔'' اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

''ٹھیک ہے پھر میں چلتا ہوں۔'' اویس نے دوبارہ معاذ کی طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

''کہاں چلے اویس بھائی! کھانا بالکل تیار ہے۔'' عشا نے اسے روکنا چاہا ساتھ ہی ''اویس بھائی جا رہے ہیں امی'' کہہ کر ماں کو پکارا تھا۔ میمونہ سے پہلے انابیہ وہاں آئی تھی۔

''اتنی جلدی جا رہے ہیں۔ ہمارے ساتھ کھانا تو کھا لیجیے۔'' انابیہ نے بھی اویس کو روکا۔ معاذ کو اس کی قسمت پر رشک آیا تھا۔

''یہ لڑکا اسی طرح ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتا ہے۔ چلو اویس کھانا کھا کر جانا ورنہ لئیق بھی مجھ پر ہی خفا ہوں گے۔''

''خالہ! بہت ضروری کام سے جانا ہے۔ انکل سے میں خود معذرت کر لوں گا۔ او کے انابیہ اپنا خیال رکھنا۔''

وہ اس کا سر تھپک کر چلا گیا تھا۔ معاذ نے ایک نگاہ انابیہ کے چہرے پر ڈالی اویس کے جانے کے بعد جس کے چہرے کی جوت بجھ سی گئی تھی۔ یا ایسا صرف معاذ کو ہی محسوس ہو رہا تھا۔

''معاذ بھائی یہ تو فاؤل ہے آپ نے تو کل شام کو واپس جانا تھا اب اچانک صبح واپسی کا پروگرام کیسے بن گیا۔'' عشاء اب ٹھنکتے ہوئے اس سے پوچھ رہی تھی۔

معاذ کوئی بہانہ گھڑنے لگ گیا تھا۔

☆☆☆

گھر میں دونئی دلہنیں موجود تھیں لیکن ناز نخرے صرف عروسہ کے اٹھائے جا رہے تھے۔ انابیہ کو عروسہ سے کوئی جلن یا حسد محسوس نہ ہوتا تھا جب اس کے نصیب میں شوہر کی ہی محبت نہ لکھی تھی تو باقی لوگوں کے اہمیت دینے یا نہ دینے سے کیا فرق پڑتا تھا۔

انابیہ نے از خود گھر کے کاموں میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ اسے نئی دلہن والا پروٹوکول نہ ملنے پر کوئی مسئلہ نہ تھا۔ عروسہ اور شیراز ہفتے بھر کے لیے ہنی مون منانے شمالی علاقہ جات کی طرف نکل گئے تھے۔

''معاذ بھائی آپ لوگوں نے اپنا ہنی مون پلان نہیں کیا۔'' ناشتے کی میز پر سارہ بھائی سے مخاطب ہوئی۔

''شیراز کا تو اپنا کام ہے چھٹی کا کوئی مسئلہ نہیں معاذ کو آفس سے بار بار چھٹیاں تھوڑی مل سکتی ہیں

اب دو دن تو یہ انابیہ کے میکے میں لگا آیا تھا۔"

معاذ کے کچھ بولنے سے پہلے ہی رافعہ بول پڑی تھیں۔ ساتھ ہی بیٹی کو گھورا بھی۔ انابیہ کے آنے سے اچھا بھلا سکون ہو گیا تھا کچن کے کام اس نے اپنے ذمے لے لیے تھے اور بیٹی محترمہ بھائی بھاوج کو ہنی مون پر جانے کی صلاح دے رہی تھی۔ انہوں نے فرصت ملنے پر بیٹی کے دماغ کے نٹ بچ کسنے کا سوچ لیا تھا۔

عروسہ اور شیراز ہفتے بھر کا کہہ کر گئے تھے اور گیارھویں دن گھر لوٹے ان کے جانے کے بعد گھر کی فضا پر جمود سا طاری تھا آتے ہی گھر میں ہلچل سی مچ گئی۔ وہ شام ڈھلے لوٹے تھے انابیہ نے تائی جان کی ہدایت پر خاصا پر تکلف کھانا بنایا تھا سب نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔ اب چائے کا دور چل رہا تھا جب سارہ تحفوں والے بیگ کھولنے بیٹھ گئی۔

"سارہ! یہ والا بیگ رہنے دو اس میں میرے گھر والوں کے گفٹ ہیں۔ آپ لوگوں کے گفٹس کا بیگ یہ رہا۔" عروسہ نے دوسرے بیگ کی طرف اشارہ کیا۔

"ٹھیک ہے بھابھی جان گفٹ تو ہم اپنے والے ہی لیں گے لیکن شاپنگ تو ساری دیکھیں گے ناں۔" سارہ بے تکلفی سے بولی۔

عروسہ نے شوہر کو برہم ہو کر گھورا۔ کتنا سست تھا شیراز سامان اٹھا کر کمرے میں رکھنے کی زحمت تک نہ کی۔ سارہ بیگ کھول کر سامان باہر نکال رہی تھی۔ رافعہ بھی دلچسپی سے چیزیں اٹھا، اٹھا کر دیکھ رہی تھیں دونوں بیگز کے تقابلی موازنے کے بعد سارہ کا موڈ شدید ترین آف ہو گیا تھا۔

"آپ نے حرا اور لائبہ کے لیے اتنی ڈھیر ساری چیزیں لی ہیں اور سب ایک سے بڑھ کر ایک اور میرے لیے یہ سب اسٹینڈرڈ مال اٹھا لائے۔"

سارہ دل کی بات دل میں رکھنے والوں میں سے تو تھی ہی نہیں اور اس وقت تو اس کا غصہ بجا تھا۔ عروسہ نے اپنی دونوں چھوٹی بہنوں کی شاپنگ پر دل کھول کر پیسہ خرچ کیا تھا۔ سارہ کے لیے بھی ویسے تو کافی چیزیں تھیں لیکن بہنوں اور نند کے لیے خریدے گئے سامان کے معیار میں حقیقتاً زمین آسمان کا فرق تھا۔ رافعہ بھی یہ سب دیکھ کر خاموش سی ہو گئی تھیں۔

"ناراض ہونے کی کیا بات ہے سارا۔ تمہیں یہ والی چیزیں پسند آ رہی ہیں تو تم یہ ہی رکھ لو۔ ویسے میں نے تو تمہارے لیے بھی بہت دل سے شاپنگ کی تھی۔ حیرت ہے تمہیں کچھ پسند نہیں آیا۔"

عروسہ دل کی کھولن دل میں چھپاتی بظاہر بڑے میٹھے لہجے میں نند سے مخاطب ہوئی۔

"آپ کی دل سے کی جانے والی شاپنگ بھی دیکھ لی عروسہ بھابھی اور آپ کا دل بھی۔ شکوہ مجھے آپ سے نہیں شیراز بھائی سے ہے، کیا ان کی آنکھوں پر بھی پٹی بندھی ہوتی تھی جو ماں بہن اور سسرال والوں کے لیے خریدے جانے والے سامان کا فرق ہی نہ دیکھ پائے اور یہ سامان بھی رکھیے اپنے پاس الحمدللہ میرے پاس کسی چیز کی کمی نہیں۔" وہ بد لحاظی سے بولی۔

"امی! سمجھائیں آپ سارہ کو بدتمیزی کے ریکارڈ توڑ رہی ہے یہ ابھی تو عروسہ کو اس گھر میں آئے جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے اور یہ ابھی سے نند بن کر دکھا رہی ہے۔" شیراز نے سخت برہم ہو کر ماں کو مخاطب کیا۔

"سارہ! جاؤ تم یہاں سے۔" رافعہ نے اسے ڈپٹ کر وہاں سے بھیجا وہ پاؤں پٹختی ہوئی گئی تھی۔

"سارہ کا شکوہ اتنا غلط بھی نہیں شیراز۔ اس کا انداز غلط ضرور تھا اور میں اسے سمجھاؤں گی بھی لیکن سچی بات ہے تم دونوں نے بھی مجھے بہت مایوس کیا۔" رافعہ دکھ بھرے لہجے میں بولی تھیں۔

"خالہ! اگر میں نے اپنی ماں بہن کے لیے کچھ خریدا ہے ناں تو اپنی منہ دکھائی کے پیسوں سے خریدا ہے۔ آپ کے بیٹے نے تو شادی کر کے جیب ہی جھاڑ لی ہے۔ شیراز کا ایک پیسہ خرچ نہیں ہوا ہے اس شاپنگ پر اور آپ سارہ کو سمجھائیں آئندہ مجھ سے

pklibrary.com

اس لہجے میں بات نہ کرے ورنہ مجھے بھی بدلحاظ ہوتے دیر نہیں لگے گی۔"

عروسہ بھی تن فن کرتی اٹھ کر چلی گئی تھی۔ معاذ جو اب تک خاموش تماشائی تھا اب بھی خاموشی برقرار رکھتے ہوئے اپنا چائے کا کپ اٹھا کر کمرے میں چلا گیا۔ انابیہ بیڈ پر بیٹھی ایک ہاتھ سے دوسرا شانہ دبا رہی تھی معاذ کو دیکھ کر ایک دم سیدھی ہو بیٹھی۔

"تھک گئی ہو۔" اس نے پوچھا۔

"نہیں تو۔" وہ گھبرا کر انکار میں گردن ہلا گئی۔

"خود پر اضافی ذمہ داریاں مت ڈالو۔ کسی کام کا انکار کرنا بھی سیکھو اور اگر انکار کی ہمت نہیں ہے تو مجھے فون تو کر سکتی تھیں نا۔ میں آفس سے ذرا جلد اٹھ آتا تمہاری ہیلپ ہی کروا دیتا۔ امی نے بھی آج ٹھیک ٹھاک دعوت کا اہتمام کر ڈالا۔ آئندہ اگر میں نے تمہیں کچن میں اتنا کھپتے دیکھا تو میں خود امی کے آگے بول پڑوں گا۔"

"اور پھر تائی جان خوامخواہ مجھ سے خفا ہو جائیں گی۔ آپ کبھی بھی ایسی کوئی حرکت مت کیجیے گا آپ کی یہ ہمدردی الٹا مجھے ہی مہنگی پڑے گی۔" وہ معاذ کی بات سن کر گھبرا کر بولی تھی۔

"تو کیا کروں تمہارے ساتھ کی جانے والی زیادتیاں بھی تو برداشت نہیں ہوتیں مجھ سے۔" وہ بے چارگی سے بولا۔ اس کی یہ ہمدردی انابیہ کے دل کے زخموں کو مزید ادھیڑ گئی۔

کاش معاذ میں آپ کی ہمدردی کے بجائے آپ کی محبت کی مستحق ٹھہرتی۔ اس نے دکھے دل کے ساتھ سوچا تھا۔

☆☆☆

سارہ اور عروسہ دونوں یکساں مزاج کی مالک تھیں۔ دونوں کے دل میں ایک دوسرے کے لیے بال آ چکا تھا اور اب دونوں کی چھوٹی موٹی جھڑپیں معمول کا حصہ بن چکی تھیں۔

رافعہ شوہر سے نگاہیں چراتی تھیں جنہوں نے ان کی بھانجی کے مزاج کے متعلق شادی سے پہلے ہی پیش گوئی کر دی تھی۔ اب عتیق کو عروسہ اور انابیہ کا تقابلی موازنہ کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی کیونکہ اب یہ کام دل ہی دل میں رافعہ خود انجام دیتی رہتی تھیں۔

ایک انابیہ تھی کم گو، خدمت گزار، سگھڑ اور سلیقہ مند۔ اس کی صبح کا آغاز فجر کی نماز کے وقت ہوتا تھا۔ نماز پڑھ کر پہلا کام وہ تایا، تائی کی چائے بنانے کا کرتی تھی۔ اپنے بستر پر بیٹھ کر گرم چائے کا کپ پینے کے بعد رافعہ کے لبوں سے بھی جیتی رہو بیٹا نکلنے لگ گیا تھا۔

موڈی اور بدلحاظ سارہ کو بھی انابیہ سے کوئی مسئلہ نہ تھا بلکہ انابیہ کی صورت اسے ایک اچھا سامع مل گیا تھا وہ اپنی پڑھائی کے مسئلے یونیورسٹی کے قصے، دوستوں کے چٹکلے انابیہ کو سناتی رہتی۔ انابیہ کا بھی آہستہ آہستہ اس گھر میں دل لگنے لگا تھا۔

عروسہ کی اپنی الگ روٹین تھی۔ دونوں میاں بیوی دن چڑھے تک سوتے رہتے۔ پھر شیراز اٹھ کر اپنے کام پر چلا جاتا عروسہ نے کبھی شوہر کے لیے ناشتہ بنانے کی زحمت نہ کی تھی، معاذ نے انابیہ کو سخت ہدایت کی تھی کہ وہ زبردستی کی ذمہ داریوں کا طوق اپنی گلے میں مت ڈالے۔

شیراز کے کاموں کی ذمہ داری عروسہ پر عائد ہوتی تھی معاذ نے اسے شیراز یا عروسہ کے بلاوجہ کے کام کرنے سے منع کر رکھا تھا پھر بھی وہ شیراز سے ناشتے کا پوچھ بیٹھتی تھی۔

"کچھ کام اپنی جیٹھانی کو بھی سکھا دو یار۔ اسے تو سونے اور میک اپ کرنے کے علاوہ کوئی تیسرا کام نہیں آتا۔"

شیراز بھی اب بیوی کی روٹین سے کچھ عاجز آنے لگا تھا۔ شام کو عروسہ فون کر کے شیراز کو زبردستی گھر بلواتی پھر یا تو میکے کا چکر لگتا یا باہر گھومنے پھرنے کا پروگرام بنتا۔

"میری مانیں تو بیگم صاحبہ اپنی بڑی بہو کو اوپر والا پورشن سیٹ کروا دیں۔ انہوں نے تو ہمارے گھر کو

pklibrary.com

سرائے سمجھ رکھا ہے وہ دوسری بھی کسی کی بیٹی ہے چلو ہماری خدمت تو فرض سمجھ کر کرتی ہے مگر شیراز اور عروسہ کی خدمت کیوں کرے کچن کا سارا کام انابیہ کے سپرد ہے۔ آپ کی بھانجی تو فقط رات بسر کرنے گھر آتی ہے۔"

آج عتیق احمد کو بڑے بیٹے اور بہو پر خوب تاؤ چڑھ رہا تھا۔ گھر کے خرچے کے لیے پچھلے دو مہینے سے شیراز نے ایک دھیلا تک نہ دیا تھا ساری کمائی بیوی کے چاؤ چونچلے پورے کرنے میں لگا رہا تھا۔

"اور کیا امی! مجھے تو آپ دن میں دو گھنٹے سے زیادہ اے سی چلانے نہیں دیتیں۔ بھائی کے روم کا اے سی دن رات چلتا ہے۔ اس بار بل آئے گا تو آپ کو لگ پتا جائے گا۔"

سارہ نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔ وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ پیچھے عروسہ آکر کھڑی ہوئی ہے پھر تو عروسہ نے جو ہنگامہ مچایا تو کسی کو بھی نہ بخشا۔ رافعہ حیرانی سے بھانجی کی زبان کے جوہر دیکھ رہی تھیں۔

"خالہ یہ جو آپ کی بیٹی دن رات میرے خلاف آپ کو بھڑکاتی ہے آپ کا کیا خیال ہے یہ خود شادی کے بعد ایک مثالی بہو ثابت ہوگی۔ اس کی جیسی پھاپھے کٹنیوں والی فطرت ہے ناں یہ دو مہینے بھی سسرال میں بس جائے میرا نام بدل دیجیے گا۔"

"اپنی زبان کو لگام دو عروسہ! تم حد سے بڑھ رہی ہو۔" رافعہ بھی برداشت نہ کر پائیں۔

"خالہ آپ الٹا سارہ کو شہ دیتی ہیں۔ کل میں نے آپ لوگوں کی باتیں سنیں تو یہ میرے دیر تک سونے پر باتیں بنا رہی تھی کبھی اس کو میرے میکے جانے پر مسئلہ ہوتا ہے اور کبھی یہ مجھے پھوہڑپن کے طعنے دے رہی ہوتی ہے۔ میں پوچھتی ہوں اس میں خود کون سا گن ہے۔ ایک ڈھنگ کی چائے تک تو بنانی آتی نہیں اسے۔ اگلے گھر جا کر آپ کا نام خوب روشن کرے گی۔" عروسہ استہزائیہ انداز میں مخاطب تھی۔

"امی آپ انہیں چپ کروالیں ورنہ میں ان کا منہ توڑ دوں گی۔" سارہ بھی چیخ کر بولی۔

"میرا منہ توڑنے سے پہلے میں تمہارے ہاتھ نہ توڑ دوں گی اور میں مزے کی بات بتاؤں ماموں اور شاہانہ ممانی اسامہ کے لیے ان محترمہ کو سوچے بیٹھے تھے، وہ تو امی نے اور میں نے ان کے پول کھولے تو دونوں نے کانوں کو ہاتھ لگالیے خاندان میں سے تو کوئی اس کا رشتہ لانے کی حماقت کرے گا نہیں یہ میری گارنٹی ہے۔"

غصے اور طیش میں عروسہ نے نہ بتائی جانے والی باتیں بھی کر ڈالی تھیں اور اب کافی دیر سے خاموش کھڑے عتیق احمد کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہوگیا۔

"میری بیٹی کی شادی تمہارا مسئلہ نہیں ہے بہو بیگم! تم فقط ایک کام کرو۔ اپنے میاں کو فون کر کے اپنا سامان سمیٹنا شروع کرو۔ پہلے تو میں تم لوگوں کے لیے اوپر والا پورشن سیٹ کروانے کا سوچ رہا تھا لیکن شکر ہے یہ حماقت سرزد نہیں ہوئی۔ میرے گھر میں تم جیسی زبان دراز بہو اور شیراز جیسے زن مرید بیٹے کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ جلد از جلد اپنے لیے کوئی ٹھکانہ ڈھونڈ لو۔"

وہ اپنے اشتعال کو کنٹرول کرتے بے لچک انداز میں مخاطب ہوئے۔

"معاف کیجیے گا خالو جان ہمیں بھی اس جنجال پورہ میں رہنے کا شوق نہیں، امی پہلے ہی ہمارے لیے اپنا کرائے پر چڑھا مکان کرائے داروں سے خالی کروا چکی ہیں یہ تو بس شہراز یہاں سے جانے میں آنا کانی کر رہے تھے۔ اب میں آپ کا فرمان سنا دوں گی انہیں ان کا یہاں رہنے کا جواز خود بخود ہی ختم کر دیا آپ نے، بہت شکریہ آپ کا۔"

وہ زہرخند مسکراہٹ لبوں پر سجائے وہاں سے پلٹ گئی تھی رافعہ بے یقین نگاہوں سے بھانجی کو جاتا دیکھ رہی تھیں۔

"تو یہ تھا آپ کا انتخاب رافعہ بیگم! میں جانتا تو تھا کہ آپ پر اپنی بھانجی کے جوہر کھل کر رہیں گے لیکن یہ سب اتنی جلد ہو جائے گا یہ میں نے بھی نہ سوچا

تھا۔“

عتیق احمد سر دسپاٹ انداز میں کہتے چلے گئے۔ سارہ بھی ماں کو ہی الزام دیتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ رافعہ سر ہاتھوں میں پکڑ کر بیٹھی کی بیٹھی رہ گئیں۔

☆☆☆

دو دن کے اندر اندر عروسہ اور شیراز چلے گئے تھے عروسہ نے جانے شیراز کو کیا پٹیاں پڑھائی تھیں کہ اس نے ماں باپ سے معذرت کرنے یا ان کی ناراضگی ختم کرنے کی کوشش تک نہ کی تھی۔ وہ بیوی کو مظلوم اور گھر والوں کو قصور وار گردان رہا تھا۔ رافعہ بیٹے کی بے اعتنائی پر ششدر تھیں۔ عتیق احمد نے انہیں سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ عروسہ اور شیراز کو روکنے کی کوشش بھی نہ کریں۔ اس بار رافعہ نے خاموشی سے شوہر کی بات مان لی تھی۔

”میں نے تو ایک دن بھی عروسہ کو بہو نہیں سمجھا ہمیشہ بھانجی سمجھ کر ہی اس کے لاڈ اٹھائے ناں ہی اس کے سر پر کوئی گھریلو ذمہ داری ڈالی۔ اس کی محبت میں میں نے انابیہ سے زیادتی کی اس کے بھی تو دلہناپے کے دن تھے اور وہ چولہا چوکی میں لگی رہتی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا عروسہ نے ایسا کیوں کیا۔ وہ سارہ کی چند کڑوی باتوں کو بھی نہ جھیل پائی۔“

وہ دل کا بوجھ شوہر کے سامنے ہلکا نہ کرتیں تو کیا کرتیں ان کے آنسو گال بھگو رہے تھے۔ عتیق احمد کو بیوی پر ترس آیا۔

”آپ برا نہ مانیں رافعہ بیگم۔ آپ کے علاوہ آپ کی دونوں بہنیں عروسہ کی طرح ہی شادی کے چند ماہ بعد ہی سسرال والوں سے لڑ جھگڑ کر الگ ہو گئی تھیں یہاں اماں جان نے ایسی نوبت نہ آنے دی۔ انہوں نے ہمیشہ آپ کو بھانجی سمجھ کر محبت اور شفقت لٹائی۔ بچے سنبھالنے سے لے کر گھریلو ذمہ داریاں اٹھانے تک اماں نے ہر موڑ پر آپ کا بھرپور ساتھ دیا۔ خوش قسمتی سے آپ کی کوئی نند نہیں تھی ورنہ ہو سکتا ہے اماں اتنی مثالی ساس نہ بن پاتیں اور آپ بھی اپنی بہنوں کے نقش قدم پر چل نکلتیں۔“ عتیق احمد نے صورت حال کا بے لاگ تجزیہ کیا۔ رافعہ خاموش رہی تھیں۔

”میمونہ کو اس گھر میں جائز مقام نہ ملا۔ اس میں اماں کے ساتھ آپ کا بھی قصور تھا اور شاید کسی حد تک میرا بھی۔ اپنے بیٹے سے اماں کی ناراضی کی وجہ غلط تھی یا نہیں لیکن ہم دونوں نے اس معاملے میں خود غرضی دکھائی۔ بجائے اس کے کہ اماں کا دل لئیق کی طرف سے صاف کرتے الٹا لئیق اور میمونہ کے خلاف اماں کے کانوں میں باتیں ڈالتے رہے۔ مجھے اپنے کاروبار میں لئیق کی شراکت گوارا نہ تھی اور آپ اپنی راجدھانی میں اپنے سوا کسی کی برتری تسلیم نہ کر سکتی تھیں، حالانکہ کاروبار مجھے ابا کی طرف سے ملا تھا اور اس گھر میں بھی لئیق اور اس کے بچوں کا پورا حق تھا لیکن وہ ہمارے رویوں سے دل برداشتہ ہو کر سدا دوسرے شہر میں کرائے کے مکان میں پڑا رہا اس نے اپنی بیوی بچوں کی عزت اور اہمیت پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا اور شاید اس کا فیصلہ درست تھا۔ گھریلو سیاست سے دور اس کے بچے مثالی ماحول میں پروان چڑھے اور اماں جان کو دعائیں دیں انہوں نے اپنے آخری وقت میں بھی اس گھر کا اور آپ کا فائدہ ہی سوچا۔ آپ کو انابیہ جیسی بہترین بہو دے دی ذرا تصور کریں دوسری بہو بھی آپ کی بھانجی جیسی آ جاتی تو کیا بنتا ہمارا۔“

عتیق احمد نے افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔ رافعہ نے آنکھیں پونچھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اماں صحیح کہتی تھیں ان کے درست فیصلے پر آج ان کے دل سے اماں کے لیے ڈھیروں دعائیں نکل رہی تھیں۔

☆☆☆

سارہ کی تربیت میں جو کمی، کوتاہی رہ گئی تھی رافعہ آج کل اس کو دور کرنے کی کوشش کر رہی تھیں عادتوں کا پختہ ہونے کے بعد بدلنا بہت مشکل کام تھا لیکن رافعہ نے ٹھان لی تھی کہ وہ بیٹی کی عادتوں میں

pklibrary.com

تھوڑا بہت سدھار ضرور لے کر آئیں گی۔

"پلیز امی! مجھے ہر بات میں انابیہ کی مثال نہ دیں میں اس جیسی اللہ میاں کی گائے نہیں۔" سارہ ان کی باتیں سن کر ان کو اکتا کر ٹوک بیٹھتی۔

"تم انابیہ جیسی بن بھی نہیں سکتیں میری بچی لیکن کوشش کر کے اپنے مزاج میں تھوڑی بہت تبدیلی تو لا سکتی ہو۔ گھر داری میں دلچسپی لو۔ اپنی ذات کے سوا خود سے وابستہ رشتوں کو تھوڑی بہت اہمیت دو۔ اپنی زبان پر تھوڑا سا کنٹرول سیکھو۔ کم از کم اتنا تو کر سکتی ہو کہ عروسہ نے تمہارے بارے میں خاندان بھر میں جو تاثر پھیلایا ہے وہ کم ہو جائے۔" رافعہ بہت دل سوزی سے بیٹی کو سمجھا رہی تھیں۔

"میں اگر خود کو بدلنے کی کوشش کروں گی ناں امی تو اس کی وجہ عروسہ بھابھی نہیں۔ نہ ہی مجھے ان کی باتوں کی پروا ہے۔ میں اپنی شخصیت اور عادتوں کا غیر جانب داری سے تجزیہ کروں گی اور اگر مجھے لگا کہ میری کچھ عادتیں اصلاح طلب ہیں تو میں فقط اپنی خاطر خود کو بدلوں گی۔"

سارہ نے ناراض سے انداز میں ماں کو باور کروایا۔ رافعہ نے فی الحال یہ ہی غنیمت جانا تھا۔ بعد میں انہوں نے انابیہ سے بھی اس بارے میں مدد چاہی۔

"سارہ تمہاری ہم عمر ہے آج کل اس کی تم سے خوب دوستی بھی ہو گئی ہے۔ باتوں باتوں میں تم بھی اسے سمجھانے کی کوشش کرو۔ صرف تعلیم کے میدان میں جھنڈے گاڑنے یا میڈلوں کے ڈھیر لگانے سے بات نہیں بنتی۔ لڑکیوں کی فطرت میں تھوڑی لچک ہونی چاہیے۔ انہیں اپنی منوانے کے بجائے سب کو اپنا بنانے کا ہنر آنا چاہیے۔ جو ہنر میمونہ نے تمہیں دیا ہے میں چاہتی ہوں وہ تھوڑا سا سارہ میں بھی منتقل ہو جائے۔"

تائی جان اس سے مخاطب تھیں۔ انابیہ کی پلکیں بھیگ گئیں۔ شادی سے پہلے اسے یہ سوچ سوچ کر ہول اٹھتے تھے کہ وہ ان کا مزاج کیسے جھیل پائے گی لیکن اپنی ناعاقبت اندیش جیٹھانی کے طفیل وہ تو اب ساس کے دل پر راج کرنے لگی تھی۔ رافعہ کے لبوں سے اٹھتے بیٹھتے اس کے لیے دعائیں نکلتی تھیں۔ وہ اب باقاعدگی سے میمونہ کو فون کر کے ان کا حال احوال بھی دریافت کرتی تھیں۔

سسرال کی اجنبی سرزمین پر تو انابیہ کے قدم مضبوطی سے جم گئے تھے جانے معاذ کے دل تک اس کی کب رسائی ہونی تھی، یہ ہی سوچ اسے ہر وقت مضطرب کیے رکھتی۔ اس نے معاذ کی خدمت گزاری میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی معاذ الٹا ان خدمت گزاریوں پر خفا ہونے لگتا۔ وہ تو انابیہ کے بار بار منع کرنے کے باوجود خود اس کے کاموں میں اس کا ہاتھ بٹانے کھڑا ہو جاتا۔

"شوہر کا خیال رکھنا فقط بیوی کی ذمہ داری نہیں۔ بیوی کے آرام اور راحت کا خیال رکھنا شوہر کا بھی فرض ہے سو پلیز تم میرے کام کرنے پر میری ٹینشن نہ لیا کرو۔" وہ اسے نرمی سے سمجھاتا۔ کاش معاذ آپ میرا بالکل خیال نہ رکھتے لیکن مجھ سے تھوڑی بہت محبت کر پاتے۔ میرا ساتھ آپ کے لیے فقط ایک سمجھوتہ ہے یہ سوچ ہر لمحے مجھے اذیت میں مبتلا رکھتی ہے۔

انابیہ دل ہی دل میں اس سے شکوہ کرتی۔ جانے اس میں اتنی ہمت کب آنی تھی کہ وہ یہ شکوہ زبان پر لا سکتی۔ وہ خود کو ہشاش بشاش رکھنے کی لاکھ کوشش کرتی لیکن اس کے وجود سے لپٹی پژمردگی چھپائے نہ چھپتی اسے کیا خبر تھی کہ معاذ اس بھید بھری اداسی سے کیا کیا نتیجے اخذ کرتا رہتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ دونوں کے بیچ فاصلے گھٹنے کے بجائے بڑھتے جا رہے تھے۔

☆☆☆

معاذ کمرے میں آیا تو وہ کمرے کے ایک کونے میں کھڑی خوف زدہ نگاہوں سے دیوار کی سمت دیکھ رہی تھی۔ معاذ نے اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔

"اوہ، ناٹ اگین یار۔" وہ بے بسی سے سر کے

pklibrary.com

بالوں میں ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔ جانے چھپکلیوں کو اس کا کمرہ اتنا کیوں بھا گیا تھا کہ وہ مٹر گشت کرتیں اس طرف آنکلتیں پچھلی دو راتوں سے چھپکلی بھگاؤ مہم جاری تھی اور آج کمرے میں دراندازی کرنے والی یہ مسلسل تیسری چھپکلی تھی۔

''انابیہ ہمت کرو یار بے ضرر سی مخلوق ہے بلاوجہ کسی کو کچھ نہیں کہتی۔'' معاذ نے اسے سمجھانا چاہا۔

''آپ کو کچھ نہیں کہتی ہوگی مجھے تو کہتی ہے۔''

وہ چھپکلی پر نگاہیں جمائے ذرا نروٹھے پن سے بولی۔ معاذ جانے کیوں اس مہم سے جان چھڑوا کر آج کل اسے ہی کمپرومائز کے مشورے دینے لگا تھا۔

''اچھا تمہیں کچھ کہتی ہے تو پھر تمہاری کچھ سنتی بھی تو ہوگی۔ اس باہمی ہم آہنگی سے فائدہ اٹھا کر اس سے کمرہ چھوڑنے کی درخواست کرلو۔'' وہ صاف صاف اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔

''آپ نے نہیں بھگانی تو بتا دیں میں سارہ کے پاس جا کر سو جاتی ہوں۔''

وہ خفا ہو کر کمرے سے باہر جانے لگی۔ اس اپنائیت بھری خفگی کے مظاہرے پر معاذ چھپکلی تو کیا ڈائنوسار تک مارنے کی کوشش کرسکتا تھا سو ہنستے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر روکا۔

اس کی ہنسی ویسے ہی انابیہ کے دل میں ہلچل سی مچا دیتی تھی۔ ماحول میں فسوں خیز سی خاموشی چھا گئی تھی تب ہی موبائل کی بیل بجنے لگی۔ سائیڈ ٹیبل پر انابیہ کا موبائل دھرا تھا اور اسکرین پر اویس کا نام جگمگا رہا تھا۔

''تمہارا فون ہے اٹینڈ کرلو۔'' اس نے دھیرے سے انابیہ کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ انابیہ نے کال اٹینڈ کی تھی۔

''اویس بھائی میں فارغ ہو کر آپ سے تسلی سے بات کروں گی۔'' اس نے مختصر سی سلام دعا کے بعد کال کاٹ دی تھی۔ معاذ کے اعصاب جھنجھنا گئے۔ جب بھی اس کے اور انابیہ کے بیچ کچھ ٹھیک ہونے لگتا اویس درمیان میں ٹپک پڑتا تھا۔

ایک خالہ زاد کی اس کی زندگی میں اتنی مداخلت بے وجہ نہیں ہوسکتی تھی۔ معاذ جانتا تھا کہ انابیہ کے اور بھی خالہ، ماموں تھے جن کے دو چار بیٹے کم و بیش اویس کے ہی ہم عمر تھے پھر کیوں انابیہ کی زندگی میں اویس کو ہی مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ دونوں مستقل ٹیلی فونک رابطے میں تھے اور انابیہ نے کبھی معاذ سے یہ رابطہ چھپانے کی کوشش نہ کی ہاں وہ معاذ کے سامنے اویس سے بات کرنے سے احتراز برتتی تھی۔

معاذ نے سوچ لیا تھا کہ اب اس قصے کو منطقی انجام تک پہنچا کر دم دے گا۔ اگر انابیہ اس کے ساتھ زندگی گزارنے پر اب تک خود کو آمادہ نہ کر پائی ہے تو اس رشتے کو آگے گھسیٹنا بے وقوفی تھی۔ دل پر پتھر رکھ کر اسے انابیہ کو فیصلے کی آزادی دینی ہوگی۔ دونوں میں سے کوئی ایک تو من کی مراد پالے۔

معاذ انابیہ کو حاصل کرنے کے باوجود اس کا دل نہ جیت پایا تھا۔ انابیہ کے دل کی خوشی کی خاطر وہ اپنے والدین سمیت چچا جان وغیرہ سے بھی بات کرنے پر تیار ہوگیا۔

آفس کی طرف سے ایک ورکشاپ اٹینڈ کرنے اسے اسلام آباد بھیجا جا رہا تھا۔ اور اس نے تہیہ کرلیا کہ واپسی پر وہ انابیہ سے دوٹوک بات کر کے رہے گا۔

☆☆☆

''تم جا رہے ہو تو انابیہ کو بھی اس کے میکے چھوڑتے آؤ۔ کتنے دنوں سے اس نے میکے کا چکر نہیں لگایا۔'' رافعہ بیٹے سے مخاطب تھیں۔ انابیہ نے بھی آس بھری نگاہوں سے شوہر کو دیکھا۔ گھر والوں سے ملے واقعی بہت دن ہوگئے تھے۔ شادی کے بعد وہ دو بار میکے گئی تھی۔ معاذ دفتری مصروفیت کا بہانہ بنا کر اس کے ساتھ نہ جاتا تھا۔ چچا جان خود آکر بیٹی کو لے جاتے اسے واپس لانے کی ذمہ داری وہ اپنے باپ کے کندھوں پر ڈال دیتا۔ عتیق بیٹے کی اس روش پر اس سے خوب خفگی برتتے اب تو رافعہ بھی کھلم کھلا بہو کی سائیڈ لیتیں۔ دونوں کو یہ ہی لگتا کہ معاذ انابیہ کے

pklibrary.com

معاملے میں اپنی ذمہ داریاں پوری طرح نہیں نبھا رہا ہے اب بھی رافعہ مصر تھیں کہ وہ اسے خود میکے چھوڑ کر آئے۔

''ایک ہفتے اور انتظار کرلیں امی واپس آ کر اسے خود چھوڑنے جاؤں گا۔'' معاذ نے دل میں اٹھتی ٹیسوں کو دبا کر رسان بھرے لہجے میں ماں کو جواب دیا۔

اسلام آباد پہنچے اسے دوسرا دن تھا جب رافعہ نے اسے فون کرکے بتایا کہ انہوں نے اویس کے ساتھ انابیہ کو اس کے گھر بھیج دیا ہے۔ معاذ نے اپنے اشتعال کو بہت مشکل سے کنٹرول کیا۔

''اویس اپنے دفتر کے کام سے یہاں آیا تھا انابیہ سے ملنے آیا تو میں نے سوچا کہ اسی کے ساتھ انابیہ کو گھر بھیج دوں تمہارے جانے کے بعد وہ بے چاری ویسے بھی اداس ہو رہی تھی۔ چار پانچ دن ماں باپ کے ساتھ رہ لے گی۔ تم واپسی پر اسے ساتھ لیتے آنا۔''

انہوں نے اپنی دانست میں بہترین پروگرام ترتیب دے دیا تھا۔

''وہ جانے سے پہلے مجھے ایک فون کال تک نہ کرسکی اور آپ بھی مجھے اب بتا رہی ہیں۔'' اس نے ماں پر ہی غصہ نکالا۔

''اس بے چاری کا فون خراب ہو گیا ہے۔ کان سے فون لگائے کمرے کی ڈسٹنگ کر رہی تھی ڈریسنگ ٹیبل پر چھپکلی گر پڑی اور فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ میرے فون میں دو دن سے بیلنس نہیں تھا۔ آج تمہارے ابو سے بیلنس کروا کر پیکج کروایا ہے اور پھر وہ تمہاری اجازت کی پابند تو نہیں ہم گھر کے بڑے ہیں اور ابھی زندہ ہیں وہ ہماری اجازت سے بلکہ ہمارے کہنے پر گئی ہے تم بلاوجہ کیوں اکڑ رہے ہو۔''

رافعہ بیٹے کی خفگی کو کسی خاطر میں نہ لائیں۔ معاذ لب بھینچ کر رہ گیا تھا۔

دو دن مزید گزرے تو انابیہ نے اسے فون کیا تھا۔ وہ بھی اپنے فون خراب ہونے کی وضاحت دے رہی تھی۔

''یہاں گھر میں سب کے فون تو خراب نہیں تھے ناں۔ اب بھی تم عیشا کے فون سے بات کر رہی ہو۔ تین چار دن پہلے بھی کر سکتی تھیں۔'' معاذ نہ چاہتے ہوئے بھی شکوہ کر بیٹھا۔

''امی، بابا اور عیشا کا نمبر تو آپ کے پاس بھی ہے۔'' لمحہ بھر سے پہلے جواب شکوہ موصول ہوا تھا۔ معاذ کے بگڑے موڈ پر جیسے ٹھنڈی پھوار سی برسی تھی، وہ بھول گیا تھا کہ وہ آج کل صبح شام دل میں کیا ارادے باندھ رہا ہے۔

''چلو میری طرف سے معذرت مجھے واقعی تمہیں فون کر لینا چاہیے تھا۔''

''نہیں میں اب یہ نہیں کہہ رہی۔'' وہ اس کی فوری معذرت پر گڑبڑا سی گئی۔

''تو بتا دیجیے مسز! آپ کیا کہہ رہی ہیں آج کیسے میری یاد ستا گئی۔'' معاذ مسکرایا تھا۔

''ایک بات کہوں ناراض تو نہیں ہوں گے۔'' وہ اب ذرا جھجکتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''تم سے ناراض ہی تو نہیں ہو سکتا۔ میری سب سے بڑی مجبوری ہی یہ ہے۔'' اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر سوچا تھا۔

''کہو کیا بات ہے۔'' دوستانہ انداز میں پوچھا۔

''تائی جان نے کہا تھا کہ آپ واپسی پر مجھے لینے آئیں گے میں آپ سے صرف ایک ہفتہ مزید رہنے کی اجازت لینا چاہ رہی تھی۔ دراصل اویس بھائی۔'' وہ جانے آگے کیا کہتی لیکن معاذ کی برداشت بالکل جواب دے گئی۔

''او کے انابیہ! مجھے ایک ضروری کام سے باہر جانا ہے تم فکر مت کرو میں واپسی پر تمہیں لینے نہیں آؤں گا۔ جتنا مرضی رہنا چاہتی ہو سکون سے رہو۔'' وہ برفیلے لہجے میں کہتا کال کاٹ گیا تھا۔

☆☆☆

''وہ شاید خفا ہو گئے ہیں امی! مجھے مزید رکنے کا

پوچھنا ہی نہیں چاہیے تھا۔"
انابیہ لب کچلتی ہوئی ماں کے پاس آئی۔ وہ کسی کے بھی ذرا سا تیکھے تیور برداشت نہ کرپاتی تھی اور پھر یہ تو معاملہ معاذ کی ناراضی کا تھا اس نے جس طرح یک لخت اس کی کال کاٹی انابیہ کو اندازہ ہوگیا کہ وہ میکے میں اس کے مزید قیام کا سن کر ناراض ہوا ہے۔
"یہ تو اچھی بات ہے بیٹا کہ وہ تمہارے بغیر رہنے کا عادی نہیں۔"
"شوہر کی محبت کی قدر کرو۔" میمونہ نے مسکرا کر بیٹی کی پریشان صورت دیکھی۔
انابیہ کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی اب وہ ماں کو بتا کر کیا پریشان کرتی کہ ان کے تعلق میں سب کچھ ہے سوائے محبت کے۔
"میں نے تو آج تک ان سے کوئی فرمائش یا ضد کی ہی نہیں۔ پہلی بار یہاں ہفتہ مزید رکنے کی اجازت مانگی ہے۔ بھلے سے انکار کردیتے یوں خفا تو نہ ہوتے اور اگر اویس بھائی کی منگنی کا معاملہ نہ ہوتا تو میں ان کا یہ احسان لیتی بھی نہیں لیکن ان کی خوشی میں شامل ہونے کے حق سے تو میں بھی دست بردار نہیں ہوں گی بھلے سے معاذ جتنا مرضی خفا ہولیں۔"
وہ اپنی عادت کے برخلاف ہٹ دھرمی دکھاتے ہوئے بولی۔ میمونہ نے اسے سمجھانے کے لیے لب کھولنا چاہے پھر کچھ سوچ کر خاموش ہوگئیں۔

☆☆☆

معاذ واپسی کے لیے پیکنگ کررہا تھا جب فون پر چچی جان کا نام جگمگاتا دیکھ کر حیران ہوا۔ وہ ساس پلس چچی کا دل سے احترام کرتا تھا لیکن دونوں میں ٹیلی فونک رابطہ نہ ہونے کے برابر تھا جب لئیق چچا اس سے بات کرتے تو گھڑی، دو گھڑی کے لیے چچی جان فون لے کر حال احوال لے لیتی تھیں۔
آج جانے انہیں کیوں رابطے کی ضرورت پڑی۔ اس نے حیران ہوتے ہوئے کال ریسیو کی رسمی سلام دعا کے بعد میمونہ اصل مدعا پر آئیں۔
"انابیہ کو لگتا ہے تم اس کے مزید ٹھہرنے پر خفا ہو گئے ہو اور وہ تمہاری خفگی پر از حد پریشان ہے۔" انہوں نے اسے مسکرا کر بتایا تھا۔
"اسے غلط فہمی ہوئی ہے چچی جان! ایسی کوئی بات نہیں۔" معاذ نے نرم لہجے میں ان کی بات کی تردید کی۔
"نہیں بیٹا! خفا ہونا تمہارا حق ہے انابیہ نے بتایا کہ اس نے آنے سے پہلے بھی تم سے رابطہ نہیں کیا تھا اور اب قیام کی مدت میں اضافہ بھی کررہی ہے دراصل اگلے ہفتے اویس کی منگنی ہے بس اسی میں شمولیت کی خاطر وہ رکنا چاہ رہی ہے۔" میمونہ کے کہنے پر معاذ بے یقین ہوا تھا۔
"اویس کی منگنی مگر کس سے؟" اس نے خاصا بے تکا سا سوال کیا پھر خود ہی اپنے سوال کی نا معقولیت کا احساس ہوا۔
"ویسے میں نے نوٹ کیا ہے کہ آپ اپنے بھانجے کو بہت چاہتی ہیں آپ کے گھر میں اویس کو بہت خاص حیثیت حاصل ہے۔" وہ دل میں کلبلاتا سوال زبان پر لانے کی ہمت کر ہی بیٹھا تھا۔
میمونہ یہ سوال سن کر پل بھر کو خاموش ہوگئیں۔ پھر ایک اور سوچ نے ان کے دماغ کے دروازے پر دستک دی۔ معاذ کی خفگی کا تانا بانا کہیں اویس سے تو جا کر نہ ملتا تھا۔ وہ بلا کی ذہین خاتون تھیں دل میں پیدا ہوئے خدشے کے پیش نظر انہوں نے برسوں سے اپنائی مصلحت پسندی کی روش ترک کرنے کا سوچا۔
معاذ شوہر تھا انابیہ اور اویس کی قربت سے کوئی غلط معنی بھی اخذ کرسکتا تھا اور حیرت کی بات تھی کہ یہ انہوں نے پہلے کبھی کیوں نہیں سوچا۔ میمونہ پشیمان ہوئی تھیں۔
"ہماری زندگیوں میں اویس کو خاص نہیں بلکہ خاص الخاص حیثیت حاصل ہے اور یہ تمہارے چچا جان کا بڑا پن ہے کہ انہوں نے ہماری زندگیوں میں اویس کی حیثیت کو کھلے دل سے تسلیم کیا ہوا ہے نہ صرف تسلیم کیا ہے بلکہ وہ خود بھی ہر معاملے میں اسی پر بھروسا کرتے ہیں۔ میرا تو چلو وہ سگا بیٹا ہے لیکن

تمہارے چچا جان بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ اویس کے ہوتے ہوئے انہیں زندگی میں کبھی بیٹے کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔"

میمونہ دھیرے دھیرے بول رہی تھیں۔ اور معاذ اس کا دماغ اس انکشاف پر بھک سے اڑ گیا تھا۔

"کیا کہہ رہی ہیں اویس بیٹا ہے آپ کا؟" اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

"ہاں بیٹا! یہ وہ سچ ہے جو اس دنیا کے چیدہ چیدہ لوگوں کو ہی معلوم ہے لیکن اب انابیہ کے حوالے سے تم بھی ہمارے خاندان کا فرد ہو۔ انابیہ سے وابستہ کسی بھی فرد کی زندگی کا کوئی گوشہ تم سے نہیں چھپا ہونا چاہیے۔" وہ سنجیدگی سے بولی تھیں۔ معاذ ہکا بکا انہیں سنے گیا۔

"میرے پہلے شوہر کا انتقال میری شادی کے محض پانچ ماہ بعد ہو گیا تھا۔ اویس میری کوکھ میں آچکا تھا۔ سسرال میں کوئی میرا وجود برداشت کرنے پر تیار تھا نہ ہی میرے ہونے والے بچے سے کسی کو سروکار تھا۔ ساس سسر تھے نہیں اور جیٹھانیاں میری خوب صورتی سے خائف، انہیں خدشہ ستاتا تھا کہ کہیں ان کے شوہر بیوہ بھاوج کو سہارا دینے کی خاطر کوئی قدم نہ اٹھالیں۔

مجھ پر تو پہلے ہی قیامت ٹوٹی پڑی تھی۔ ان باتوں سے دل برداشتہ ہو کر میں عدت پوری ہونے سے پہلے ہی گھر واپس آگئی۔

میری بڑی بہن بے اولاد تھیں۔ ڈاکٹری رپورٹوں کے مطابق وہ کبھی ماں بن بھی نہیں سکتی تھیں۔ میرے ماں باپ کو خدشہ ستاتا تھا کہ وہ ایک بچے کے ہوتے ہوئے میرا عقد ثانی کیسے کر پائیں گے۔ آپا اور بھائی صاحب نے اویس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اسے اپنانے کی خواہش کا اظہار کر دیا۔ بھائی صاحب کی پوسٹنگ کھاریاں میں تھی۔ آپا مجھے بھی اپنے ساتھ لے گئیں۔ میرے حمل کا بہت کم لوگوں کو علم تھا وہیں میں نے اویس کو جنم دیا اور آپا کی جھولی میں ڈال دیا۔"

اتنے برس بعد بھی ساری کتھا سناتے ہوئے میمونہ کی آواز کپکپا سی گئی تھی۔ "تمہارے دادا اور میرے والد گہرے دوست تھے بلکہ یوں کہو کہ یک جان دو قالب تھے ان کا شمار ان چند لوگوں میں ہوتا تھا جو مجھ پر ٹوٹی ساری قیامت سے واقف تھے۔"

انہوں نے اس درخواست کے ساتھ میرے لیے تمہارے چچا کا رشتہ پیش کیا کہ اویس کی حقیقت کو کسی اور کے سامنے نہیں لایا جائے گا وہ اماں جان کی ناراضی سے ڈرتے تھے۔ اماں پہلے ہی اپنے کنوارے بیٹے کے لیے ایک بیوہ کو بیاہ کر لانے پر سخت خفا تھیں ان کے علم میں آجاتا کہ بیوہ ایک عدد بیٹے کی ماں بھی ہے تب تو یہ رشتہ کبھی جڑ ہی نہ سکتا ہاں تمہارے چچا جان سب جانتے تھے اور میں خود کو دنیا کی خوش قسمت عورت گردانتی ہوں جس کو خدا نے ایسے اعلا ظرف جیون ساتھی سے نوازا۔

تمہارے چچا جان اور میرے بہنوئی کے کہنے پر ہی ہم نے اپنے بچوں کے ہوش سنبھالنے پر یہ حقیقت ان کو بھی بتا ڈالی۔ تمہارے چچا جان کہتے ہیں کہ جب میری بچیوں کو خدا نے ایک عدد بھائی سے نوازا ہے تو انہیں بھائی کی محبت اور شفقت بھی ملنی چاہیے۔ انابیہ اور عیشا جان چھڑکتی ہیں اپنے بھائی پر اور اویس کو دونوں کتنی پیاری ہیں مت پوچھو۔ خاص طور پر انابیہ میں تو اس کی جان ہے۔ کہتا ہے عیشا حوصلے والی اور بہادر ہے جبکہ انابیہ کا تو چڑیا جتنا دل ہے وہ اس کے لیے بہت پوزیسو ہے۔"

انہوں نے نم آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے بہن بھائیوں کے پیار سے پردہ اٹھایا۔

"آپا نے اویس کے لیے لڑکی منتخب کر لی تھی لیکن انابیہ نے کہہ رکھا تھا کہ جب تک وہ ہونے والی بھابھی سے نہیں ملے گی رشتہ پکا نہیں ہو گا۔ اویس تو ویسے ہی اس کی کوئی بات نہیں ٹالتا۔ اب انابیہ نے حرا کو دیکھ کر او کے کیا تو رشتہ پکا ہوا اگلے ہفتے منگنی ہے ماشاءاللہ۔"

میمونہ نے بتایا تھا ساری کتھا سن کر چند لمحوں

pklibrary.com

کے لیے تو معاذ کچھ بول ہی نہ پایا تھا۔
"آپ کو ایک مشورہ دوں چچی جان!" کچھ توقف کے بعد اس نے ساس کو مخاطب کیا۔
"بولو بیٹا!" وہ نرم لہجے میں مخاطب ہوئیں۔
"پلیز آپ لوگ اویس کی ہونے والی بیوی سے بہن بھائیوں کا رشتہ کبھی نہ چھپایئے گا اس سے سنگین غلط فہمیاں بھی جنم لے سکتی ہیں۔"
معاذ کے اپنے ذہن پر سے تو جیسے منوں ٹنوں کا وزن اتر گیا تھا لیکن، وہ پر خلوص مشورہ دیے بنا نہ رہ پایا۔
"ٹھیک کہتے ہو بیٹا۔ تمہارا مشورہ صائب ترین ہے۔" میمونہ نے تسلیم کیا۔
"انابیہ سے کہیں وہ سکون سے بھائی کی منگنی کے فنکشن کی تیاری کرے لیکن، پلیز آپ اس کے سامنے اس گفتگو کا تذکرہ مت کیجیے گا۔"
اس نے درخواست کی تھی۔ میمونہ نے ٹھیک ہے بیٹا کہہ کر الوداعی کلمات ادا کیے۔ ان کے اپنے دل پر دھرا بوجھ سرک گیا تھا۔ انہیں بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ اگر آج وہ داماد کو اویس کی حقیقت سے واقف نہ کرتیں تو بیٹی کی شادی شدہ زندگی بھی داؤ پر لگ سکتی تھی۔
"شکر ہے اللہ کا درست وقت پر درست فیصلہ ہو گیا۔" وہ دل ہی دل میں اللہ کا شکر بجا لائی تھیں۔

☆☆☆

انابیہ کے دل کی بے کلی بڑھتی جا رہی تھی۔
معاذ نے اس دن کے بعد کوئی رابطہ نہ کیا تھا۔ سارہ کے فون سے ہی پتا چلا کہ وہ گھر واپس لوٹ آیا ہے۔ سارہ اور تائی جان دن میں ایک بار ضرور فون کر کے اس کا حال احوال لیتی تھیں۔ اگر کوئی رابطہ نہ تھا تو اسی ستم گر کی طرف سے نہ تھا۔
انابیہ کو خود بھی اندازہ نہ تھا کہ وہ اسے کس شدت سے چاہنے لگی ہے۔ معاذ بھلے سے اس کے ساتھ سمجھوتا بھری زندگی گزار رہا تھا لیکن وہ اپنی زندگی کی آخری سانس تک اس کے سنگ جینا چاہتی تھی۔

دونوں کے بیچ محبت کا بندھن بندھ تو چکا تھا چاہے یک طرفہ طور پر ہی سہی۔
"کبھی تو میری محبت آپ سے اپنا آپ منوا کر رہے گی معاذ!" وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب ہوتی۔
آج وہ گھر پر اکیلی تھی۔ عیشا اور امی خالہ جان کی طرف گئے گئی تھیں۔ سب ہی کل ہونے والے فنکشن کے انتظامات میں مصروف تھے۔ اس کی طبیعت پر چھایا جمود ٹوٹنے کا نام ہی نہ لے رہا تھا اس نے بہت مشکل سے سر درد کا بہانہ کر کے عیشا سے پیچھا چھڑوایا جو اسے ساتھ لے جانے پر مصر تھی۔ عصر کی نماز پڑھ کر اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو آنسو تواتر سے اس کے گال بھگونے لگے۔
وہ رب کے حضور ہاتھ پھیلائے بیٹھی تھی جب دروازے پر نامعلوم سی دستک ہوئی۔ یہ باپ کے آنے کا وقت نہ تھا۔
وہ سلیپر پاؤں میں ڈالتی دروازے تک گئی اور کون ہے کے جواب میں جو آواز سنائی دی اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہ آیا۔ ایک بڑا سا بیگ کندھے پر ڈالے اور دوسرا ٹرالی بیگ ہاتھ میں تھامے معاذ کھڑا تھا۔
"آپ؟" وہ حیرانی سے یہی کہہ پائی۔
"سلام دعا کا رواج ختم ہو گیا یہاں۔" معاذ نے سنجیدگی سے پوچھا۔ انابیہ نے سٹ پٹا کر سلام کیا ساتھ ہی اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔
"لگتا ہے گھر پر کوئی نہیں۔" اندر آ کر اس نے گردوپیش کا جائزہ لیا۔
"جی بابا ابھی آفس سے لوٹے نہیں اور امی، عیشا خالہ کی طرف گئی ہیں۔"
انابیہ نے سرپٹ دھڑکتے دل کو قابو میں کرنے کی کوشش کرتے ہوئے دھیرے سے بتایا۔ شادی کے بعد وہ پہلی بار اتنے دنوں کے لیے معاذ سے دور رہی تھی اور اب اچانک اسے دیکھ کر حواس جانے کیوں بے قابو ہوئے جا رہے تھے۔

معاذ نے ایک تفصیلی نگاہ اس کے بوکھلائے ہوئے چہرے پر ڈالی پھر بیگ سمیت اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے تھی۔

"چائے پانی پوچھنے کا تو تمہارا موڈ نہیں لگ رہا۔ میں جلدی سے عصر پڑھ لوں۔ ٹائم تیزی سے نکل رہا ہے۔"

وہ اسے مزید شرمندہ کرتا موزے اتارنے لگا۔

انابیہ گڑبڑا کر واپس پلٹی تھی اور جس وقت وہ ٹھنڈے پانی کی بوتل اور گلاس لیے واپس آئی معاذ واش روم میں جا چکا تھا۔ انابیہ بیڈ کے ایک کونے پر بیٹھ کر حیرت سے بھاری بھرکم بیگز کو دیکھ رہی تھی آخر معاذ اتنا سامان کیوں اٹھا لایا تھا۔ معاذ وضو کر کے باہر نکلا ایک نگاہ اس کے حیران پریشان چہرے پر ڈالی پھر بنا کچھ کہے پہلے سے بچھی جائے نماز پر نماز کے ارادے سے کھڑا ہو گیا۔ انابیہ نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔ وہ پورے خشوع و خضوع سے نماز کی ادائیگی میں مصروف تھا۔

اس نے دھیرے سے ایک بیگ کی زپ کھولی اندر بھرے سامان کو دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ جس وقت معاذ سلام پھیر کر اس کی جانب متوجہ ہوا وہ ساری جھجک بالائے طاق رکھتے ہوئے بیگ کا سامان کارپٹ پر ڈھیر کر چکی تھی۔ جہیز، بری میں انابیہ کے سرد موسم کے سارے ملبوسات کے علاوہ گرم ٹوپی، مفلر، جرابیں، دستانے اور جانے کیا کچھ۔

"آپ میرا سامان دینے آئے ہیں؟" وہ آنکھوں میں ہراس لیے اس سے مخاطب تھی پل بھر کے لیے معاذ سوال سمجھ ہی نہ پایا اور جب سمجھا تو شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گیا۔ وضاحت کے لیے لب کھولنے ہی والا تھا کہ انابیہ کا وجود ہچکیوں سے لرزنے لگا۔

"میں یہاں نہیں رہوں گی۔ آپ کے ساتھ زبردستی واپس جاؤں گی۔ میرا ساتھ آپ کے لیے ناپسندیدہ سمجھوتا ہی سہی لیکن میں آپ کو بتائے دے رہی ہوں کہ میں سدا آپ کے ساتھ ہی رہوں گی۔ آپ خدا کے لیے مجھے بتائیں تو سہی جیون ساتھی کے لحاظ سے آپ کے ذہن میں کیا خاکہ ہے میں خود کو اسی سانچے میں ڈھال لوں گی پلیز آپ جس سمجھوتے پر کاربند ہیں اسی پر قائم رہیں مجھ سے پیچھا مت چھڑوائیں، میں آپ کے بغیر نہیں رہ پاؤں گی۔" وہ بری طرح رو رہی تھی۔

"پلیز انابیہ میری جان، میری زندگی خود کو یوں ہلکان اور مجھے مزید شرمندہ مت کرو۔" معاذ نے اپنے اور اس کے بیچ کا فاصلہ مٹایا تھا وہ روتے ہوئے کچھ سننے پر آمادہ نظر نہ آرہی تھی۔

"میں بار بار اپنے اور تمہارے تعلق کے لیے سمجھوتے کا لفظ استعمال کرتا تھا تو وہ میری زندگی کی سب سے بڑی بے وقوفی تھی۔ مجھے یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ تم میرے ساتھ شادی پر محض دادی جان کی وجہ سے مجبور ہوئی ہو۔ میری طرف کا سچ یہ ہے کہ میں روز اول سے تمہیں چاہتا تھا بلکہ یہ رشتہ سو بلکہ دو سو فی صد میری خواہش پر طے ہوا تھا۔

"شادی سے پہلے تمہارے لیے پسندیدگی بھرے جذبات شادی کے بعد شدید ترین بلکہ طوفانی محبت میں بدل گئے تھے لیکن تمہاری اداس صورت اور مسلسل گیلی آنکھیں مجھے اس غلط فہمی میں مبتلا رکھتی تھیں کہ شاید تم اس رشتے پر دل سے راضی نہیں۔ یہ ہی میری سب سے بڑی بے وقوفی تھی۔"

وہ اعتراف کر رہا تھا اور اس اعتراف پر انابیہ سن ہو کر رہ گئی۔

"جس لڑکی کا شوہر اسے شادی کے وقت ہی یہ باور کروا دے کہ یہ بندھن محض ایک سمجھوتہ ہے اس کی آنکھوں میں ہر وقت آنسو ہی رہنے تھے معاذ۔" وہ اپنے بے تحاشا امڈتے آنسوؤں پر قابو پانے کی کوشش کرتی کپکپاتی آواز میں بولی تھی۔

"مجھے صرف تائی جان سے ڈر لگتا تھا اور ان کے غصے کی وجہ سے آپ سے شادی کے وقت خوف زدہ تھی لیکن یہ سب شادی سے پہلے کی بات تھی۔

pklibrary.com

شادی کے بعد آپ کو ایک لمحے کے لیے بھی میری محبت اور اس رشتے سے میری کمٹمنٹ نظر نہیں آئی اور آج آپ مجھ سے محبت کے دعوے دار بن کر آ گئے ہیں۔"

وہ صرف خفا نہیں بلکہ شدید ترین خفا تھی اور معاذ بے بس سا ہو کر اسے دیکھے جا رہا تھا۔ اس کی ساری خفگی برحق تھی۔ اتنے دنوں سے وہ خود بھی تو اپنے آپ کو لتاڑنے میں مصروف تھا۔ اتنی پاک دامن بیوی کے کردار پر شک کر کے کس گناہ عظیم کا مرتکب ٹھہرا تھا وہ...... وہ بات کی وضاحت مانگ کر دل صاف کر سکتا تھا۔ جانے اس سے اتنی تاخیر کیوں ہوئی۔

قصور انابیہ کے گھر والوں کا بھی تھا جنہوں نے اس سے اویس کا حقیقی رشتہ پوشیدہ رکھا لیکن پھر اس نے خود ہی ان لوگوں کو کلین چٹ دے دی۔ سب سے زیادہ قصور اس معاشرے کا تھا جس میں ایک بچے کی بیوہ ماں عقدِ ثانی کے لیے معاشرے کی نگاہ میں ناقابل قبول ٹھہرتی ہے۔ اسلام کا دعویدار معاشرہ سنہری اسلامی تاریخ سے صرف پڑھنے کی حد تک دلچسپی رکھتا تھا۔ عملی زندگی میں کسی کو ان روشن مثالوں سے کوئی سروکار نہ تھا لیکن پھر اسے دادا جان اور لئیق چچا کا خیال آیا تا یقیناً ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے دنیا کی تابنا کی قائم تھی۔ وہ تو خود سے بھی نگاہیں ملانے کے قابل نہ تھا لیکن انابیہ کے سامنے اپنی غلط فہمی کی وجہ کا اقرار کر کے اسے دکھی اور اس کی نگاہوں میں خود کو گرانا بھی نہ چاہتا تھا۔

"اچھا اب رونا تو بند کرو۔ زندگی کی پہلی اور آخری غلطی سمجھ کر معاف کر دو۔ محبت تو ہمیشہ سے کرتا تھا ناں بس اعتراف اور اقرار میں دیر ہو گئی۔ اب بار بار اس محبت کا اقرار کروں گا بھلے سے تم اعتبار کرو یا نہ کرو۔"

"کیوں اعتبار نہیں کروں گی۔ آپ جتنی کٹھور نہیں میں۔" انابیہ نے ہتھیلی کی پشت سے اپنے آنسو پونچھے۔ چہرے سے البتہ ابھی تک خفگی کے بادل نہ چھٹے تھے۔

"صرف اعتبار ہی کرو گی یا اقرار بھی سننے کو ملے گا۔" معاذ نے محبت پاش نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ذرا دیر پہلے وہ بھی کر چکی ہوں۔ دادی جان نے آپ کی تعریفیں کر کے بلاوجہ آپ کی محبت میرے دل میں جگا دی تھی ورنہ میری محبت کے قابل نہیں تھے آپ۔" وہ ہنوز روٹھی ہوئی تھی۔

"اب بندہ ناچیز خود کو اس قابل بنا لے گا۔ کہا ہے ناں آئندہ زندگی میں کبھی شکایت کا موقع نہ دوں گا۔ بس ابھی تو خفگی ختم کر کے ایک مسکراہٹ سے نواز دو۔" اس نے گویا منت کی۔

"آپ یہ میرا سامان کیوں اٹھا لائے۔ مجھے لگا کہ آپ مجھے چھوڑنے کے ارادے سے آئے ہیں۔" اس کی آواز دوبارہ بھرا گئی۔

"ناردرن ایریاز میں کڑاکے کی سردی پڑ رہی ہو گی یار۔ اس سامان کے بغیر کب گزارا ہو گا۔" اس بار معاذ نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا۔

"وہاں کون جا رہا ہے؟" انابیہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"تمہارا بیگ لے کر میں جا رہا ہوں۔" اس بے تکے سوال پر خفا ہونے کی باری اب معاذ کی تھی۔ انابیہ خجل سی ہو گئی۔

"چھٹی لے کر آیا ہوں یار۔ کل تمہارے بھائی کی منگنی اٹینڈ کریں گے اور پرسوں صبح سویرے شمال کی طرف نکل لیں گے۔ اپنی طرف سے تو میں تمہارا سارا ضروری سامان لے آیا ہوں بلکہ سارہ نے ہی میرے ساتھ مل کر پیکنگ کروائی ہے اگر کسی چیز کی کمی بیشی ہے تو آج رات کو شاپنگ پر چل پڑیں گے۔"

"میں نے اویس بھائی کی منگنی پر اپنے جہیز یا بری کا کوئی پرانا سوٹ نہیں پہننا۔ پہلے آپ مجھے کل کے فنکشن کی شاپنگ کروائیں گے۔"

انابیہ یک لخت روایتی بیوی بنتے ہوئے فرمائش کر بیٹھی تھی۔ عیشا کے بار بار اصرار پر وہ

pklibrary.com

شاپنگ پر راضی نہ ہوئی تھی لیکن اب اسے اپنی تیاری کی فکر پڑ گئی تھی۔

''جو حکم جناب کا۔'' معاذ سر تسلیم خم کیسے نہ کرتا۔ اتنے میں ہی باہر دروازے کی اطلاعی گھنٹی بجی تھی۔

''تمہارے اویس بھائی ہوں گے۔'' معاذ نے فوراً پیش گوئی کی تھی۔

''آپ کو کیسے پتا؟'' انابیہ حیران ہوئی تھی۔

''ان کا ٹریک ریکارڈ ہے جب میں رومانٹک ہونے کا موڈ بنانے لگوں وہ ٹپک پڑتے ہیں۔'' معاذ ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے بولا۔

یہ اور بات کہ آج اویس کے ذکر پر دل و دماغ میں کوئی تلاطم برپا نہ ہوا تھا۔ انابیہ اپنا ہاتھ چھڑاتی۔ چہرے کی سرخی پر قابو پاتی دروازہ کھولنے بڑھی۔ پیچھے پیچھے معاذ تھا۔ اویس کو دیکھ کر اس کے چہرے پر جان دار مسکراہٹ بکھر گئی۔

''آپ کب آئے؟'' اویس نے بھی خوش گوار حیرت سے اسے دیکھا۔

''یار! تم نے تو اپنی منگنی کی دعوت تک نہیں دی۔ تم اکلوتے سالے ہو تو فی الحال تک تو میں بھی تمہارا اکلوتا بہنوئی ہوں۔ بن بلایا مہمان بن کر تمہاری انگیجمنٹ میں شریک ہونے پہنچ گیا ہوں۔'' معاذ نے اس سے گرم جوشی سے معانقہ کیا ساتھ ہی بے تکلفی سے شکوہ بھی کر ڈالا۔

''انابیہ! تم نے اب تک معاذ کو انوائیٹ نہیں کیا تھا۔ کتنی بار یاد دہانی کروا چکا تھا میں۔'' اویس نے بہن کو گھورا۔

''فون خراب تھا اویس بھائی۔'' اس نے منمنا کر جواب دیا۔

''یہ اس کا دوسرا سیل فون ہے جو چھپکلی دیکھ کر ہاتھ سے چھوٹا ہے۔ آپ کو یہ مستقل خرچا برداشت کرنا پڑے گا معاذ!'' اویس مسکرا کر بولا۔ فون گرنے کی وجہ سے وہ بھی بخوبی واقف تھا۔ معاذ اس کی بات سن کر ہنس پڑا تھا۔

''اور سناؤ یار کل کے فنکشن کے کسی بھی انتظام کے لیے میری کسی مدد کی ضرورت۔''

معاذ نے اپنائیت سے پوچھا۔ اویس جان چکا تھا کہ معاذ کے لہجے میں آنے والی اپنائیت کی وجہ اس کے رشتے سے واقفیت ہے۔ میمونہ نے آج ہی بیٹے کو ساری بات بتائی تھی اور وہ ماں کے اس فیصلے پر جی بھر کر مطمئن تھا۔

''بالکل جناب آپ مدد نہیں کروائیں گے تو اور کون کروائے گا اکلوتا سالا جو ٹھہرا۔'' اویس نے بھی شگفتگی سے مسکراتے ہوئے اسی کی بات لوٹائی۔

''اگر تھکے ہوئے نہیں تو چلیں میرے ساتھ۔ انتظامات کو حتمی شکل دے دیتے ہیں میری دونوں ماؤں نے تو منگنی کو بھی گرینڈ فنکشن بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔'' اویس بے تکلفی سے بولا۔

''ایک سیکنڈ میں اپنا والٹ اور موبائل لے آؤں۔'' معاذ واپس اندر مڑا پیچھے پیچھے انابیہ تھی۔

''یہ سالے صاحب جانے کب تک ظالم سماج کا فریضہ انجام دیں گے۔ چلو شکر ہے کل خود کسی کے ہتھے چڑھیں گے تو ہمیں کچھ سکون ملے گا۔'' معاذ ذرا جلے بھنے انداز میں بولا تھا۔

''آفٹر آل ٹائپ کے داماد مت بنیں۔ میرے بھائی دنیا کے سب سے اچھے بھائی ہیں۔'' انابیہ مسکرا کر بولی۔

''آپ کے بھائی کی یہ بہن بھی دنیا کی سب سے اچھی، خوب صورت اور مثالی بیوی ہے۔'' معاذ نے شرارت سے اس کی ناک دبائی۔

''تیار رہنا۔ سالے صاحب کو بھگتا لوں پھر تمہیں شاپنگ پر لے کر جاؤں گا۔'' وہ مسکرا کر کہتا کمرے سے نکلا۔

انابیہ کی پلکیں ایک بار پھر بھیگی تھیں۔ اس بار یہ تشکر کے آنسو تھے۔ رب نے اس کی جھولی میں شوہر کی محبت ڈالی تھی اور اس کا روم روم اپنے رب کا شکر گزار تھا۔

☆☆

pklibrary.com

قرۃ العین خرم ہاشمی

ناشکری عورت

اف! یہ ساون کا موسم بھی عجیب سا ہوتا ہے۔ جب دل چاہا حبس نے ماحول کو افسردہ بنا دیا جب دل چاہا بارش نے آن بسیرا کیا۔

آج اتوار کا دن تھا سب گھر والوں نے تاخیر سے ناشتا کیا تو دوپہر کا کھانا گول ہو گیا۔ اتنی شدت کی گرمی میں سب نے رات کے کھانے پر بریانی اور شامی کباب کی فرمائش کر دی۔ فرمائش کر کے سب خود تو اے سی والے کمرے میں براجمان ہو گئے۔ ناشتے کے برتن سمیٹتے سمیٹتے دوپہر کے دو بج گئے۔ ظہر کی نماز ادا کر کے وہ پھر سے کچن میں حاضر تھی۔

☆☆☆

ٹھنڈی ہوا کا جھونکا بادلوں کے درمیان سے آ رہا تھا۔ کافی دنوں سے ماحول پر چھایا حبس اس کے وجود کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوا تھا۔ کچن میں کھڑے پسینے سے شرابور اس کا دل چاہا سارا کام

pklibrary.com

چھوڑ چھاڑ وہ آنگن میں بھاگ جائے۔ وہ آنگن جس کی دیکھ بھال اس کی ہی ذمہ داری تھی، اس میں اترتے موسموں کے تغیر سے وہ ناآشنا تھی۔ کیا کیا خواب دیکھے تھے سہانی زندگی کے، شوہر کی رفاقت وقربت کے مگر یہ کیا...... سب خواب ریت کے پہاڑ کی مانند زمین بوس ہو گئے۔

''اگر تم نے میرے والدین اور میرے بہن بھائیوں کا خیال نہ رکھا تو مجھ سے بھی کوئی امید نہ رکھنا۔''

سہاگ کا سرخ جوڑا پہنے پیا کے نام کی مہندی لگائے وہ سلطنت قلب کے راجا کی منتظر تھی مگر یہ کیا یہاں تو نہ کوئی وعدہ نہ کوئی محبت نامہ کھلا، بس پھر کیا تھا اس امید کی خاطر اس نے صرف سب کا خیال ہی رکھا۔ امید پر ہی تو دنیا قائم ہے اور وہ اپنی دنیا کے قیام پر ہی خوش ہوتی رہتی تھی۔

کیا وہ واقعی خوش تھی؟

کیا موسموں کے تغیر اس کے دل کی زمین پر گلاب کھلاتے تھے؟

کیا چاندنی رات کی چاندنی وہ اپنی مٹھی میں قید کر سکتی تھی؟

کیا طلوع آفتاب کی امید اور غروب کا سکون اس کے دل کی نگری میں تھا؟

بیوی بننے سے پہلے وہ بیٹی تھی، جس کی ایک خواہش اور فرمائش پر اس کے بابا قربان ہو جاتے تھے۔ زین اس کا چھوٹا بھائی جب اس کو تنگ کرتا تھا تو بابا سے سخت سست سنتا تھا۔ ہائے بابا! آپ کی لاڈ ومحبت بھرے بول کے لیے ترس رہی ہے۔

''اے شفیق! لڑکی کے اتنے لاڈ نہ اٹھایا کر پرائے گھر جانا ہے اسے۔'' دادی کی آواز اسے زہر لگتی تھی۔

لیکن گردش ایام نے ثابت کر دیا کہ بڑوں کے تجربات ٹھیک ہوتے ہیں۔ ٹھیک ہی کہتی تھیں دادی کہ بیٹیاں تو جگر کا ٹکڑا ہوتی ہیں مگر ان کے نصیبوں سے ڈر لگتا ہے۔ وہ بہو تھی، بھابھی تھی۔ ماں تھی، کنیز تھی۔ بس سلطنت کے راجا کی محبوب رانی نہ بن سکی۔ کہانیوں میں تو پڑھا تھا راجا کی رانی کی کئی کنیزیں ہوتی ہیں مگر یہاں تو راجا نے ہی کنیز رکھ لی۔

''اس گھر میں ہر نعمت ہے۔ تمہیں کسی چیز کی کبھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔''

حیرت سے اس کی آنکھیں مزید بڑی ہوگئیں۔ وہ کیا سوچ بیٹھی تھی اس کے خوابوں کا قلعہ زمین بوس ہو گیا۔

بھلا کوئی پہلے دن کی دلہن سے ایسی باتیں کرتا ہے۔ کہاں گئے وہ قصے وہ کہانیاں؟ سب ریزہ ریزہ ہو گئے۔ اے سی کی ٹھنڈک کے باوجود دل میں بہت گھٹن ہو رہی تھی۔

''ماشاءاللہ! چشم ما روشن دل ماشاد'' سہیلوں نے اس کو دیکھتے ہی یک زبان ہو کر آواز لگائی۔

اماں نے کان کے پیچھے کالا ٹیکا لگا دیا کہ میری لاڈو رانی کو کسی کی نظر نہ لگے۔ نظر نہ آنے والے آنسو دل کی سرزمین کو سیراب کر گئے۔ ابھی وہ پچھلے جھٹکے سے باہر نہ آئی تھی کہ......

کچھ لوگ اتنا تلخ کیسے بول لیتے ہیں۔ وہ خود کو صاف گو کہتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں سوچتے کہ جسم پر لگے تلوار کے زخموں کو وقت کا مرہم بھر دیتا ہے مگر زبان کے خنجر سے لگے روح کے زخم تاحیات رہتے ہیں۔

''مجھے ناشکری عورتیں سخت ناپسند ہیں۔'' الفاظ تھے یا سینے میں چبھتا خنجر! جسے دل کے آر پار کر دیا ہو۔

نئی نویلی دلہن جو اپنی پذیرائی کے خواب بند مٹھیوں میں دبائے بیٹھی تھی، سب ریت کی طرح مٹھی سے پھسل گئے۔ پہلی ہی ملاقات میں اسے سب سمجھا دیا گیا تھا۔ اس گھر کے اصول وضوابط اور مجازی خدا کی عادات، مگر کوئی اس صنف نازک سے بھی تو پوچھے کہ وہ کیا کیا ارمان لیے بابل کے

pklibrary.com

آنگن سے پیا کے دیس میں آئی تھی ۔ دل کی سرزمین پر محبت کی کونپل کھلنے سے پہلے ہی مسل دی گئی تھی۔

"موسم میرے دل کی باتیں تم سے کہنے آیا ہے۔" کچن کی کھڑکی سے ٹیک لگائے اس کا دیور فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔

ہائے! کوئی چھین لے مجھ سے حافظہ میرا۔

اتنے برسوں میں اس نے آنسوؤں کو دل میں اتارنے کا ہنر خوب سیکھ لیا تھا۔ بادلوں کی گرج چمک کے ساتھ ہی پانی کے ننھے قطرے فلک کا سینہ چیر کر زمین کی طرف لپکنے لگے۔ جب حد سے بڑھ جائے، زندگی تنگ ہو جائے تو پانی بھی اپنا راستہ بنا لیتا ہے پھر راستے میں جو بھی رکاوٹ آئے وہ اپنی پوری آب و تاب سے گرج چمک کے ساتھ برس پڑتا ہے۔

چولہے کی آنچ ہلکی کر کے وہ تیزی سے باہر کی طرف بھاگی، جہاں صبح کے دھلے کپڑے پانی کی ننھی پھوار سے بھیگنے کو تیار تھے۔ کپڑے ٹوکری میں ڈالتے ہوئے وہ پوری طرح سے بھیگ گئی۔

موسم تو بہت حسین ہو رہا تھا مگر اس کی یادداشت بہت اچھی تھی، باتیں بھولتی ہی نہیں تھیں۔ برآمدے سے آنگن اور آنگن سے برآمدے تک بھاگتے بھاگتے، وہ ہلکان ہو گئی مگر اخبار پڑھتے ہوئے میاں کے کان پر جوں تک نہیں رینگی کہ بیوی کی کوئی مدد ہی کر دے۔

"توبہ ہے! آج کل کے حالات کیسے ہو گئے ہیں۔" اس کے لہجے میں افسوس تھا۔ اس کو نہ بارش میں بھیگتی ہوئی بیوی نظر آئی نہ اس کی آنکھوں سے برستا ساون نظر آیا۔ اس نے اپنی بات کو جاری رکھا۔

"تم نے یہ خبر پڑھی اخبار میں چار بچوں کی ماں اپنے آشنا کے ساتھ گھر سے بھاگ گئی۔ بھئی بڑی ناشکری ہوتی ہیں ایسی عورتیں، گھر بار، کھلا کھانا پینا، ہر نعمت ہوتی ہے ان کے پاس، بس بے حیائی سے عشق کا بھوت سوار ہوتا ہے ان پر، بڑی ہی ناشکری ہوتی ہیں ایسی عورتیں۔ مجھے ناشکری عورتیں بالکل پسند نہیں۔"

اس کی آنکھوں سے ابر باراں رواں تھا۔

کچن کی طرف جاتے ہوئے اس کے آنسوؤں کی خبر کسی کو نہ تھی سب سمجھ رہے تھے۔ وہ بارش میں بھیگ گئی ہے۔ رزق کا ضامن تو اللہ ہے مگر عورت کے احساسات اور جذبات کا ضامن تو وہ مرد ہے جس کے نکاح میں وہ ہو۔ مرد کبھی نہیں سمجھے گا کہ عورت کو اس کا ساتھ چاہیے، محبت بھرا لمس، پیار سے لپٹا ایک جملہ سفر زیست کی دشواریوں کو سہل کر دیتا ہے۔ پھر عورت ناشکری نہیں رہتی۔ بے وقوف عورت دو بول محبت کی خاطر زندگی کی ہر آسائش کو ٹھوکر مار دیتی ہے۔ تاحیات خود پر ناشکری کا لیبل لگا لیتی ہے۔

"اف! یہ برساون کی بارش بھی کیا ہے؟ برسنے کے بعد مزید حبس ہو گیا ہے۔"

اس نے اپنا سر جھٹکا مسالہ بھن چکا تھا مگر وہ پھر سے پیاز کاٹنے لگی کیونکہ بارش رک گئی تھی اور وہ عقل مند تھی۔

☆☆

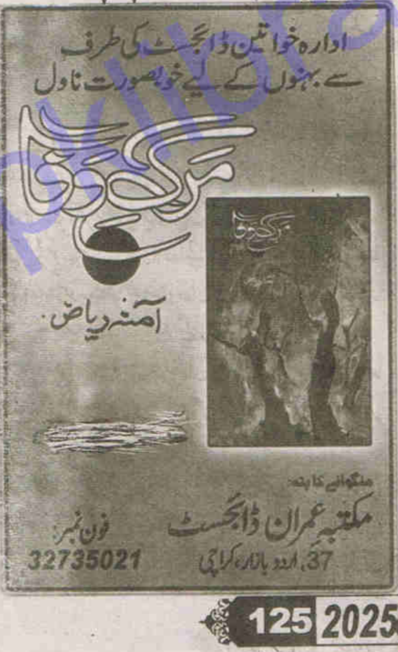

pklibrary.com

نگہت سیما

ماءِ الملوک

لاہور کے ذکی دروازے کی سمت بہت شان دار حویلیاں تھیں ان میں سے ایک مرزا جہاں زیب کے دادا مرزا ہمایوں بیگ نے بنوائی تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں جدید تقاضوں کے مطابق تبدیلیاں کی گئی تھیں۔

مرزا جہاں زیب اپنے والد کی اکلوتی اولاد تھے اللہ نے انہیں چار بیٹوں اور ایک بیٹی سے نوازا تھا۔

بیٹوں، بیٹی کی شادی ہو چکی تھی۔ اوپر والی منزل میں اورنگ زیب بیگ اور ارباب بیگ رہائش پذیر تھے جب کہ خود جہاں زیب بیگ گراؤنڈ فلور پر دونوں چھوٹے بیٹوں شاہ زیب اور ظفریاب کے ساتھ رہتے تھے۔

اورنگ زیب کی دو بیٹیاں دو بیٹے تھے۔ ارباب بیگ کا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں تھیں۔

ظفریاب کا بیٹا آزین اور شاہ زیب بیگ کی بیٹی زُحل کا نکاح ہو چکا تھا۔

شاہ زیب بیوی کے مرنے کے بعد گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ ظفریاب کچھ سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے گرفتار ہو گئے تھے، وہ بہت برا وقت تھا، نہ جانے کیا ہوا کہ ان کی بیوی نے ان کے واپس آنے کے بعد طلاق لے لی۔ ظفریاب دوسری شادی کر کے ملک سے باہر چلے گئے۔

سترہویں قسط

"جاؤ، بڑی بی بی کو بلاؤ سنا نہیں تم نے۔" اس کی آواز میں تحکم تھا۔ منیرہ فوراً ہی پلٹی تھی۔ اختر بانو برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر اب صحن میں کھڑی تھی۔ منیرہ نے آ کر بتایا تو وہ پریشان سی منیرہ کی طرح ہی تیز تیز چلتی ہوئی دروازے کے قریب آئی اور ادھ کھلے دروازے کی اوٹ سے پوچھا۔

"کیا بات ہے سائیں چاچا!"

"وہ...... وہ بی بی جی۔" اس کا سانس پھول رہا تھا۔ "انہیں اٹھا کر لے گئے وہ......" اس نے گالی دی۔

"کون کسے اٹھا کر لے گئے اور کہاں۔"

"انہیں وہ چھوٹی مہمان بی بی کو...... بڑے ڈیرے پر۔ وہ ہی دونوں۔"

"نہیں۔" اختر بانو کا دل جیسے پھٹنے لگا تھا۔

"جی...... میں اوپر تھا ٹیلوں پر۔ میں نے خود دیکھا اس خبیث نے انہیں کندھے پر ڈال لیا تھا۔ میرے نیچے آتے آتے وہ ڈیرے کے اندر جا چکے تھے۔ وہ مجھے مار دیتے اور آپ کو کبھی پتا بھی نہ چلتا کہ بی بی کہاں گئیں اور میری رانو کی طرح۔" اس کی آواز بند ہو گئی تھی...... اور بوڑھی آنکھوں میں آنسو بھر گئے تھے۔

"اس لیے میں ڈیرے پر جانے کے بجائے ادھر چلا آیا۔ جلدی کریں بی بی!"

اختر بانو کا دل جیسے پاتال میں گرتا جا رہا تھا۔ منیرہ جو شاپر صحن میں پڑے تخت پر رکھ کر واپس آ گئی تھی۔ اور وحشت بھری نظروں سے چراغ سائیں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ یکدم بولی۔

"چلو...... چلو چاچا میں...... میں چلتی ہوں

pklibrary.com

مکمل ناول

تمہارے ساتھ۔ یا اللہ ہماری زمل بی بی کی حفاظت کرنا۔ چاچا، تم دیکھو اندر مردانے میں کوئی ملازم ہے تو ساتھ لے لو۔"

"نہ۔" اختر بانو جیسے ہوش میں آئی تھیں اور دوپٹا اچھی طرح سے لپیٹتی صحن کا دروازہ اپنے پیچھے بند کرتی ہوئی تیزی سے بیرونی صحن عبور کرکے باہر آئی تھیں۔ منیرہ نے ان کا ہاتھ تھام لیا تھا وہ حویلی کا نظام

pklibrary.com

سالوں سے سنبھال رہی تھیں۔ کون سی بات حویلی سے باہر جانی چاہیے اور کون سی نہیں سمجھتی تھیں۔ اور یہاں تو ان کی پیاری زل کی عزت کی بات تھی۔ یا اللہ میری بچی کو محفوظ رکھنا۔ یا اللہ اسے کچھ نہ ہو۔ مسلسل اللہ سے دعا کرتے ہوئے اختر بانو نے خود کو سنبھالا تھا اور وہ دونوں چراغ سائیں کے پیچھے تقریباً بھاگتے ہوئے بڑے ڈیرے کے دروازے پر پہنچی تھیں۔

اور اپنا پھولا ہوا سانس درست کرنے کے لیے ذرا سی دیر کے لیے دروازے کے باہر ہی رک گئی تھیں جبکہ چراغ سائیں دروازے کو دھکا دے کر کھولتا ہوا اندر داخل ہو گیا تھا۔ سامنے ہی احاطے میں چارپائی پر وہ دونوں بیٹھے تھے۔ ان کی پیٹھ دروازے کی طرف تھی...... زور سے دھکا دے کر کھولنے کی وجہ سے جو واپس بند ہو گیا تھا یا چراغ سائیں نے ہی اسے طاقت سے پیچھے کیا تھا یہ ایک پٹ والا دروازہ تھا۔ دروازے کے باہر کھڑی اختر بانو گہرے گہرے سانس لے رہی تھیں اور منیرہ تشویش سے اسے دیکھ رہی تھی۔

چراغ سائیں کی دھاڑ دروازے کے باہر تک سنائی دی تھی۔ اس کی لمبی لمبی مونچھوں کی وجہ سے ڈیرے میں سب اسے مچھو کہتے تھے۔ چارپائی پر بیٹھے ہوئے مچھو اور اس کے ساتھی نے بیک وقت مڑ کر اسے دیکھا تھا۔

"ہاہا...... چراغ سائیں......" وہ کھڑا ہو گیا تھا۔

"مجھے شک تھا کہ اوپر اونچے ٹیلے پر کوئی بیٹھا تھا شاید تو۔ اور میرا شک صحیح ہی نکلا۔ چلو آج تمہارا قصہ بھی پاک کرتے ہیں اپنی بیٹی کو بہت یاد کرتا ہے نا چل تجھے بھی آج اس کے پاس پہنچا دیتے ہیں۔ کیا یاد کرے گا تو بھی۔"

اس نے قہقہہ لگایا تھا ساتھ ہی چراغ سائیں کی دھاڑ سنائی دی تھی۔

"چیونٹی کو بھی پر لگ گئے ہیں۔" دوسرے نے کہا تھا۔ باہر کھڑی اختر بانو اب بھی گہرے گہرے سانس لے رہی تھی اور منیرہ اس کی پیٹھ سہلا رہی تھی۔

"میں بھاگ کر چھوٹے ڈیرے سے بخشو اور دوسرے لوگوں کو بلا لاتی ہوں۔" اختر بانو نے پوری توانائی صرف کر کے خود کو سنبھالا تھا۔ اگرچہ ان کا دل جیسے ڈوبتا ہی جا رہا تھا۔ وہ ساری نزاکتیں سمجھتی تھیں۔ اس کے پیش نظر خاندان، حویلی اور زل کی عزت سب کچھ تھا اچھی طرح سے جانتی تھیں کہ بات ملازموں تک پہنچی تو کہاں تک جائے گی۔

"یا اللہ مجھے میرے باپ اور بھائیوں کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچانا یا میری بچی کی حفاظت کرنا۔" وہ بے آواز دعا کر رہی تھی۔

"یہاں جو کچھ ہوا یا ہو گا تمہاری زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکلنا چاہیے۔" اللہ سے ہمت اور حوصلے کی دعا کرتے ہوئے دروازے کو اندر کی طرف دھکیلا۔ اندر چراغ سائیں ایک شخص سے گتھم گتھا ہو رہا تھا جب کہ دوسرا ذرا فاصلے پر کھڑا اپنی مونچھوں کو بل دے رہا تھا۔

"کہاں...... کہاں ہیں وہ...... کہاں رکھا ہے انہیں......"

چراغ سائیں کے منہ سے جھاگ نکل رہا تھا......

"وہاں سے ہی ایک روز اٹھا لینا اسے جہاں سے اپنی بیٹی کی لاش اٹھائی تھی۔" مونچھوں کو بل دیتا شخص مکروہ سی ہنسی ہنسا۔

"بس...... چھوڑ دو۔ چھوڑ دو چراغ سائیں کو۔" اختر بانو کی آواز بلند تھی اس سے اسے لگا تھا جیسے اللہ نے ان کے دل کو تقویت دی ہو۔

چراغ سائیں کے ساتھ لڑتا ہوا شخص اسے چھوڑ کر سیدھا ہوا تھا۔ دوسرا شخص اختر بانو کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ منیرہ کو پہچانتا تھا کہ بخشو کی بیوی ہے جو چھوٹے ڈیرے پر اور چھوٹی حویلی کے مردانے میں ہوتا ہے اور منیرہ کے ساتھ جو کوئی بھی تھی اس کی تمکنت اور وقار بتا رہا تھا کہ اس کا تعلق مالکوں سے ہے۔ لیکن جو شخص چراغ سائیں سے لڑ رہا تھا اس نے اختر بانو پر

ایک نظر ڈالتے ہی دونوں ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

"بڑی بی بی جی...... یہ چراغ سائیں پاگل ہوگیا ہے خوامخواہ بھڑ گیا ہے آ کر۔"

حویلی کی خواتین حجاب یا عبایا نہیں پہنتی تھیں لیکن پردے کے لیے چادریں اوڑھتی تھیں...... شاید کہیں آتے جاتے اس کی نظر اختر بانو پر پڑی ہو۔ یوں ڈیرے کے ملازم حویلی آتے جاتے نہیں تھے۔

"بکواس کرتا ہے جھوٹ بولتا ہے۔" چراغ سائیں نے اسے گھونسا مارا وہ بس اسے گھور کر رہ گیا۔

"میری بچی کو کہاں رکھا ہے تم نے اور کیا نام ہے تمہارا۔" اختر بانو کی آواز دھیمی تھی لیکن اس میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔ انہیں بڑے ڈیرے یا بڑی حویلی کے مرد ملازموں کے نام معلوم نہیں تھے۔

"اور تمہاری جرأت کیسے ہوئی۔ ہماری حویلی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی اور......"

مونچھوں والا دونوں ہاتھ جوڑتا ہوا گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا تھا۔

ہم تو جی حکم کے غلام ہیں۔ ہمیں معاف کردیں ہمیں تو جی جو حکم ملتا ہے اسے مان بجا لیتے ہیں۔"

"میں نے جو کچھ پوچھا ہے اس کا جواب دو۔" اس نے برآمدے میں ایک قطار میں بنے کمروں میں سے ایک کی طرف اشارہ کیا۔ جس کے دروازے کے باہر کنڈی لگی تھی۔

"چراغ چاچا، ان کا خیال رکھیے گا بھاگنے نہ پائیں اور بھاگ کر جائیں گے کہاں پاتال سے بھی ڈھونڈ لیں گے اور پھر ان کا جو انجام ہوگا سو ہوگا ہی لیکن ان کے خاندان کا بھی کوئی فرد نہیں بچے گا۔" اسی مضبوط آواز میں کہتی ہوئی وہ تیر کی طرح بند کمرے کی طرف بڑھیں۔

منیرہ بھی چراغ سائیں کے ساتھ یوں کھڑی تھی جیسے کسی نے بھی بھاگنے کی کوشش کی تو دبوچ لے گی۔ اختر بانو نے دروازہ کھولا۔ سامنے ہی بیڈ پر زل بیٹھی ہوئی تھی۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

بساطِ دل
بھی عجیب شے ہے
افشاں آفریدی

فصل غم کا گوشوارہ
رضیہ جمیل

گلِ کہسار
فرح بخاری

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

"زمل، میری بچی۔" اختر بانو دونوں بازو پھیلائے اس کی طرف بڑھی تو زمل بھی بے تابی سے اٹھ کر اس کے بازوؤں میں سما گئی۔

"پھپھو...... پھپھو۔" اس کے لبوں سے بس اتنا ہی نکل سکا تھا۔

"تم...... تم ٹھیک ہو نا ملی۔" اختر بانو نے اسے الگ کر کے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر اس کی پیشانی چومی تو اس نے سر ہلا دیا۔" اس وقت اس سے کچھ بولا نہیں جا رہا تھا۔ سینے کی چار دیواری میں موجود دل جو کچھ دیر پہلے بڑا مضبوط تھا اب خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا اور اس کا جی چاہ رہا تھا کہ لمحے کے ہزارویں حصے میں یہاں سے نکل جائے۔ اختر بانو نم آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھیں دونوں کے پاس اس وقت کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ نہ یہ جگہ کچھ پوچھنے اور کچھ کہنے کے لیے مناسب تھی۔ کوئی اور بھی کسی بھی وقت اس طرف آ سکتا تھا، اختر بانو نے زمل کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا تب ہی باہر سے ایک مانوس سی آواز سنائی دی۔

"پھپھو...... شیدو۔ یہ پاگل یہاں کیا کر رہا ہے اور یہ لڑکی کون کھڑی ہے یہاں۔"

"یہ آواز و لب و لہجہ...... نہیں۔ شاید ان کی سماعتوں نے غلط سنا ہے یا اللہ میری سماعتوں کو مفلوج کر دے۔ اختر بانو نے بے آواز دعا کی۔

یہ تم ہو منیرہ...... یہاں کیا کر رہی ہو۔ عقل نام کی کوئی چیز ہے تم میں جدھر منہ اٹھا اٹھ کر چل پڑیں۔ ادھر اگر کسی سے کام تھا تو بخشو کو بھیجتیں۔"

وہی آواز، وہی لہجہ۔

"یا اللہ یہ آواز سننے سے پہلے میں بہری کیوں نہ ہو گئی۔ اور پھر سچ مچ آوازیں کچھ دیر کے لیے مر گئیں۔ اختر بانو نے خالی خالی نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔ یہ ایک لگژری بیڈ روم تھا یقیناً یہاں حویلی والوں کے مہمان ٹھہرتے ہوں گے۔ یک دم دروازہ کھلا۔ اختر بانو نے غیر ارادی طور پر زمل کو اپنے پیچھے کیا۔ ارد گرد جیسے ساری آوازیں زندہ ہو گئی تھیں۔

"بڑی امی۔"

آنے والا شایان ہی تھا۔

"بڑی امی!"

اس کے لبوں سے پھر نکلا تھا اختر بانو سپاٹ اور سرد نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ شایان کو الجھن ہوئی، ان آنکھوں میں اس نے ہمیشہ اپنے لیے اپنائیت، محبت اور شفقت دیکھی تھی۔ تب بھی جب اس کی اختر بانو سے بات چیت نہیں ہوتی تھی۔ لیکن آج ان آنکھوں میں کوئی جذبہ نہ تھا۔ سپاٹ اور بے مہری نظریں تھیں۔

"بڑی امی۔" وہ الجھا الجھا سا ایک قدم آگے بڑھا۔

"کاش تمہیں یہاں دیکھنے سے پہلے زمین پھٹ جاتی اور میں اس میں دھنس جاتی۔" اختر بانو کے لبوں سے نکلا۔ جیسے کوئی مرتا ہوا شخص سخت اذیت میں بات کرے۔

"مجھے شرم آ رہی ہے کہ میں نے تمہیں جنم دیا...... مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تمہیں میں نے اپنے خون سے سینچا۔ تم میرا خون ہو۔ میں نے تمہیں اپنا دودھ کئی ہفتے پلایا۔ کاش تم پیدا ہی نہ ہوتے شایان...... یا پیدا ہوتے ہی مر جاتے...... ڈائن بھی سات گھر چھوڑ دیتی ہے اور تم نے اپنے ہی گھر کی بچی کو اغوا کروایا۔"

شایان کا سر مسلسل نفی میں ہل رہا تھا۔ وہ کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ یہ بڑی امی کیا کہہ رہی تھیں۔ یہ زمل اور بڑی اماں یہاں کیوں تھیں۔ بھلا حویلی کی عورتیں بھی بھی ڈیرے پر آتی ہیں۔

"میرا خون...... میرا بیٹا اتنا گھٹیا اور اخلاق سے گرا ہوا ہو سکتا ہے۔" بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے ٹوٹی بکھری آواز میں جس میں ہزاروں کانچ کی کرچیوں کی چبھن اور اذیت تھی، اختر بانو نے کہتے ہوئے زمل کو مڑ کر دیکھا۔ وہ ابھی تک زمل کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھیں۔ زمل نے اختر بانو کے پیچھے سے ہٹ کر ان کے برابر ہوتے ہوئے دوسرا ہاتھ ان کے

بازو پر رکھا۔ شایان بے حد الجھا ہوا سا کھڑا تھا۔

''یہ بڑی امی کیا کہہ رہی ہیں...... میرا خون، میرا بیٹا۔ اغوا مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ میں تو بڑی حویلی رضی بھائی کی طرف گیا تھا وہاں سے پتا چلا کہ وہ ڈیرے پر گئے ہیں تو ادھر چلا آیا۔ اور یہاں۔''

''پھپھو، آپ شایان کی بات سن تو لیں وہ ٹھیک کہہ رہا ہے شاید۔'' زنل کو وجدان کی طرح چہرے پڑھنے کا ہنر نہیں آتا تھا پھر بھی شایان کی آنکھوں میں ٹھہری حیرت اور الجھن اسے بتا رہی تھی کہ اس کی یہاں موجودگی سے بے خبر ہے۔ پھر ان دس دنوں میں اس نے شایان کا روپ دیکھا تھا، وہ اتنی گھٹیا حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ اسے کبھی سسٹر، کبھی آپی کہنے اور بہن سمجھنے والا بھلا اسے...... ''نہیں'' زنل نے نفی میں سر ہلایا۔ ''لیکن یہ پھپھو کیا کہہ رہی تھیں۔ میرا بیٹا، میرا خون...... شایان تو ثمرہ آنٹی کا بیٹا ہے نا...... پھر...... وہ بھی شایان کی طرح الجھی ہوئی تھی۔

''مجھے پوری بات بتائیں بڑی امی۔'' اختر بانو کی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی تھی۔ اس نے زنل کی طرف دیکھا زنل نے آہستہ آہستہ مختصراً ساری بات بتادی۔

''میں انہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ان کی جرأت کیسے ہوئی۔'' وہ تیزی سے باہر کی طرف لپکا تو اختر بانو نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ ''حوصلہ اور صبر'' زنل کا ہاتھ پکڑے پکڑے باہر آئیں۔ احاطے میں وہ دونوں زمین پر بیٹھے تھے اور چراغ سائیں ان کے پیچھے ہی مستعد کھڑا تھا اور ساتھ ہی منیرہ تھی شایان تیز تیز چلتا ہوا ان سے آگے ہوا اور پاؤں سے مچھو کو ٹھوکر ماری۔

''ہمارا کوئی قصور نہیں ہے جی۔ عرفان شاہ صاحب نے حکم دے رکھا تھا کہ جیسے ہی یہ نظر آئیں انہیں ڈیرے پر پہنچادیں۔ چار پانچ دن پہلے بھی انہیں دیکھا تھا شاہ جی نے سنہری کے ساتھ کہیں جاتے ہوئے۔'' اس نے شایان کے پاؤں پکڑ لیے۔

''ہم تو جی حکم کے غلام ہیں۔ ہمیں معاف کردیں۔'' شایان نے زور سے پاؤں جھٹکا۔ غصے سے اس کا چہرہ لال سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں سے جیسے آگ نکل رہی تھی۔

''آپ لوگ گاڑی میں جا کر بیٹھیں۔''

اس نے ہاتھ میں پکڑی چابی اختر بانو کی طرف بڑھائی۔

''میں ذرا ان کا بندوبست کرتا ہوں۔'' پھر اس نے پاکٹ سے سیل فون نکال کر اپنے ڈیرے پر نظام دین کو فون کیا۔

''نظام دین چاچا، فوراً ایک بندے کو لے کر بڑے ڈیرے پر آئیں۔ پیدل آنے کے بجائے اگر کیری ڈبہ ہے ڈیرے پر تو اس میں آئیں۔'' کیری ڈبے میں سبزیاں۔ پھل وغیرہ شہر بھجوائے جاتے تھے اور جب ضرورت نہ ہوتی تو ڈیرے پر ہی موجود رہتا تھا۔ شیدو نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی تو چراغ سائیں نے اسے دبوچ لیا۔ نحیف اور کمزور سے چراغ سائیں میں جانے کیسے اتنی طاقت سما گئی تھی۔

''بھاگنے کی کوشش بیکار ہے شیدے۔ پاتال سے بھی نکال لوں گا تمہیں۔ اور تمہارے بیوی بچوں کے ٹکڑے کر کے جنگل میں پھنکوادوں گا۔

اختر بانو نے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے مڑ کر اسے دیکھا اور کچھ عرصہ پہلے کی ثوبان شاہ کی کہی بات یاد آ گئی تھی۔

''میرے بچوں میں سے شایان ایسا ہے جو اپنے چچا زمان شاہ اور دادا جان کی طرح زمینوں اور حویلی کے معاملات دیکھ اور سنبھال سکے گا۔ ورنہ باقی تینوں کو دلچسپی نہیں ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ شایان میں فوری فیصلے کرنے اور حالات کو سمجھنے کی صلاحیت ہے۔''

گاڑی میں بیٹھتے ہی اختر بانو کی ہمت جواب دے گئی تھی اور رکے ہوئے آنسو بہہ نکلے تھے۔ ''تمہیں کچھ ہو جاتا تو...... میں کیا کرتی ملی۔ میں تو زندگی بھر ابا جان کو منہ نہ دکھا سکتی۔ میں تو مرجاتی

pklibrary.com

زل...... میں نے کیوں تمہیں اکیلے جانے دیا۔"

"ریلیکس پھپھو۔" کچھ نہیں ہوا آپ حوصلہ رکھیں سنبھالیں خود کو۔" زل جو اختر بانو سے شایان کے متعلق پوچھنا چاہتی تھی فی الحال اسے بھول کر تسلی اور حوصلہ دینے لگی۔ اس نے خود کو سنبھال لیا تھا لیکن اختر بانو کی حالت اسے ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔

"میرا دل ڈوب رہا ہے زل، جیسے نیچے ہی نیچے گر رہا ہو۔ سنو وہاں لاہور میں کسی سے ذکر نہ کرنا اس واقعے کا۔"

"نہیں کروں گی آپ پریشان نہ ہوں پھپھو!"

وہ اختر بانو کے بازو پر ہاتھ رکھے ہوئے تھی۔

"اور منیرہ تمہاری زبان سے بھی ایک لفظ نہ نکلے۔"

"جی۔" منیرہ نے سر ہلایا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد شایان آ گیا۔ اس کا چہرہ بھی سرخ ہو رہا تھا۔

"فی الحال انہیں اپنے ڈیرے پر بھجوا دیا ہے۔ بابا آ جائیں تو پھر فیصلہ ہوگا۔ میں آپ کو حویلی چھوڑ کر واپس آتا ہوں ڈیرے پر۔" اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اختر بانو کو بتایا۔

"شایان...... بھائی......"

زل اختر بانو کی حالت دیکھ رہی تھی۔ کبھی وہ دل پر ہاتھ رکھتی، کبھی گہرے گہرے سانس لیتی کبھی پیشانی پر آئے پسینے کو پونچھتی نڈھال ہو رہی تھیں۔

شایان نے اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھے رکھے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

"پھپھو کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ ان کی طبیعت بہت خراب ہو رہی تھی۔ کوئی ڈاکٹر، کلینک ہے یہاں تو وہاں لے چلیں۔"

شایان نے ایک نظر اختر بانو کو دیکھا اور گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ دونوں اس وقت اپنے اندر اٹھتے سوالوں کو بھلا کر اختر بانو کے متعلق سوچ رہے تھے۔

زل نے اختر بانو کو اپنے ساتھ لگا لیا تھا کبھی اس کے ہاتھ ملتی کبھی نرم لہجے میں کہتی۔

"کچھ نہیں ہونا پھپھو میں بالکل ٹھیک ہوں آپ خود کو سنبھالیں۔" ہولے ہولے بولتی ہوئی وہ اس وقت وہ ساری اذیت بھول چکی تھی جو تھوڑی سی دیر میں اس نے اٹھائی تھی۔ خوف، ڈر، اذیت تکلیف کئی بار اسے لگا تھا کہ بس اس کا دل ختم ہو جائے گا اس سے پہلے کہ اس کے ساتھ کچھ برا ہو اسے خود کو ختم کر لینا چاہیے۔ اپنی عزت کو بچانے کے لیے حرام موت۔ نہیں مجھے اس درندے کو ہی مار دینا چاہیے۔ ان لمحوں میں اس کے ذہن میں کس کس کا خیال نہیں آیا تھا دادا جان آزین، ابا۔ بی بی اماں۔

"اترو منیرہ!" شایان نے گاڑی حویلی کے گیٹ کے قریب روکی تھی۔

اندر جا کر بتا دینا کہ میں زل اور بڑی امی کو ہاسپٹل لے کر گیا ہوں۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور یاد رکھنا اس کے علاوہ ایک لفظ بھی نہیں۔

یہاں بہدار بخت شاہ کے علاقے میں بہت اچھا چھوٹا سا ہاسپٹل ہے۔ بڑی امی کو وہاں ہی لے کر جا رہا ہوں۔ فوری ٹریٹ منٹ مل جائے گی۔" اس نے پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر کہا تھا۔

اس نے کچھ نہیں کیا تھا پھر بھی وہ زل سے نظر نہیں ملا پا رہا تھا۔ پھر ہاسپٹل تک دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ زل کے لب مسلسل ہل رہے تھے۔ وہ اختر بانو کا ہاتھ ہاتھوں میں لیے دعا مانگ رہی تھی اور شایان کے ذہن میں الجھنیں تھیں سوال تھے غصہ اور شرمندگی تھی جنہیں ایک طرف کیے فی الحال وہ اختر بانو کے لیے دعا کر رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ ذرا سا رخ موڑ کر اختر بانو کی طرف دیکھ لیتا جن کی حالت اسے مسلسل بگڑتی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھی۔

ہاسپٹل پہنچ کر جب ڈاکٹر نے اطمینان دلایا کہ خطرے کی کوئی بات نہیں ہے البتہ بی۔ پی کا مسئلہ ہے۔ کبھی یکدم لو ہو جاتا ہے کبھی ہائی تو یہ بھی خطرناک ہو سکتا ہے۔ اس لیے جب تک بی پی نارمل نہیں ہو جاتا۔ اس وقت تک ادھر ہی رہنا ہوگا۔ اور اختر بانو کی طرف سے تھوڑا سا مطمئن ہو کر اس نے ثوبان شاہ

pklibrary.com

کو فون کر کے اختر بانو کا بتایا کہ ”فی الحال وہ ہاسپٹل میں ہیں لیکن بی۔ پی نارمل ہوتے ہی گھر چلے جائیں گے۔ آپ ابھی وہاں سے نکل کر سیدھے حویلی آئیں ایک مسئلہ اور بھی ہے جس کے لیے آپ کا ہونا بہت ضروری ہے۔“

”کیا“ وہ پریشان ہو گئے تھے۔

”تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو اختر بانو......“

”بڑی امی کا بس بی۔ پی کا پرابلم ہے باقی اور کوئی پریشانی والی بات نہیں ہے۔ جو بھی مسئلہ ہے اسے فون پر ڈسکس نہیں کیا جا سکتا۔ اگر آپ کا کوئی ضروری کام بھی ہے تو اسے پوسٹ پون کر دیں۔“

اس نے فون بند کر دیا تھا۔ زل کو وہ اس وقت بہت ذمہ دار اور سمجھ دار لگ رہا تھا حالانکہ وہ اسے لاابالی اور لاپرواہ سا سمجھتی تھی۔ ایک بار نہ جانے کس بات پر وجدان احمد نے کہا تھا۔

”زل آپ کو انسانوں کی پہچان نہیں ہے۔ انسان ایسا درندہ ہے جس نے اپنے دانت اندر چھپا رکھے ہیں۔“ شاید اس روز عقیل اور اس کے والد کی بات ہو رہی تھی تو اس نے اس کے والد جو صوبائی اسمبلی کے رکن بھی رہ چکے تھے کی تعریف کر دی تھی۔

اسے یاد آ گیا تھا کہ وجدان احمد نے کس بات پر کہا تھا وہ......اور شاید صحیح ہی کہا تھا اسے واقعی انسانوں کی پہچان نہیں تھی۔ شایان کے متعلق بھی کچھ عرصہ تک اسے واقعی انسانوں کی پہچان نہیں تھی۔ شایان کے متعلق بھی کچھ عرصہ تک وہ شکوک اور غلط فہمی کا شکار رہی تھی لیکن شایان پھپھو کا بیٹا......وہ کیا کہا تھا پھپھو نے اس وقت کہ۔ تب ہی شایان نے اسے مخاطب کیا۔

”زل، امی کو ایمرجنسی سے روم میں منتقل کرنے لگے ہیں۔ آپ بھی آ جائیں۔“ وہ تیز تیز چلتا ہوا ایمرجنسی کی طرف بڑھ گیا تو وہ بھی جو کچھ دیر پہلے ہی ایمرجنسی سے وزیٹرز روم میں آ کر بیٹھی تھی، اٹھ کر اس کے پیچھے چلنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ہی اختر بانو کو روم میں منتقل کر دیا گیا۔ وہ ان کے بیڈ کے پاس ہی کرسی پر بیٹھ گئی اور اختر بانو کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

”زل! میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تمہارے ساتھ ایسا کچھ ہو جائے گا۔ مجھے۔“

”پلیز پھپھو، اس وقت آپ نے کچھ نہیں سوچنا اب۔“ تب ہی شایان جو ڈاکٹر سے کچھ پوچھنے کے لیے چلا گیا تھا کمرے میں آیا۔

”شایان بیٹا، مجھے معاف کر دینا میں نے پتا کیا کچھ کہہ دیا تھا تمہیں لیکن میں اپنے حواس میں نہیں تھی۔“ اختر بانو ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

”بڑی امی۔ فی الحال کچھ نہیں سوچنا......کوئی بات نہیں۔ اور یہ معافی والی بات پھر مت کیجیے گا۔ مائیں بچوں سے معافی نہیں مانگتیں۔ بخدا آپ اگر اس وقت دس جوتے بھی مجھے لگا دیتیں تو آپ کو حق تھا......اور اب آنکھیں بند کر لیں۔ اچھے بچوں کی طرح اور خود کو ریلیکس کرنے کی کوشش کریں۔ آپ کو ویسے بھی میڈیسن دی ہے ڈاکٹر نے اس سے آپ کو خود ہی نیند آ جائے گی؟“ اور ایسا ہی ہوا تھا کچھ دیر بعد ہی اختر بانو سو گئی تھی۔ شایان کچھ دیر وہیں بیٹھا رہا پھر کچھ دیر بعد باہر چلا گیا۔

زل نے کئی بار کن اکھیوں سے اسے دیکھا تھا پہلی بار جب اس نے شایان کو دیکھا تھا تو اسے امان اور شایان میں بہت مشابہت سی محسوس ہوئی تھی ظاہر ہے دونوں بھائی تھے لیکن آج شایان کو دیکھتے ہوئے اسے احساس ہوا تھا کہ شایان اور امان میں ابا کی مشابہت تھی۔ شاید ان کی آنکھیں، پیشانی، سلکی بال۔ تو وہ جو پھپھو کہہ رہی تھیں کہ تم میرے بیٹے ہو تو......

الجھے ذہن کے ساتھ اس نے واپس آ کر شایان کو بیٹھتے دیکھا۔

”بیدار انکل آئے تھے شاید بابا نے انہیں فون کیا تھا۔ کھانے کا پوچھ رہے تھے۔ لیکن میں نے منع کر دیا۔ آپ کو اگر کچھ کھانا ہو تو کینٹین سے کچھ لے آتا ہوں۔“

pklibrary.com

"نہیں...... میرا کچھ بھی کھانے کا جی نہیں چاہ رہا۔" اس نے بھی منع کر دیا تھا۔ بھوک پیاس سب ہی جیسے اڑ گئی تھی۔

شام تک اختر بانو کا بی۔ پی نارمل ہو گیا تو انہیں جانے کی اجازت مل گئی تھی۔ اس دوران شایان اور زل میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ سوچوں میں کھوئے ہوئے تھے۔ واپسی کے سفر میں بھی کسی نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ اختر بانو بھی خاموشی سے آنکھیں موندے سیٹ سے سر ٹکائے بیٹھی رہیں۔ ثمینہ انہیں لاؤنج میں ہی مل گئی تھی۔

"اتنی پریشان ہو گئی تھی میں جب ثمرہ آپا نے فون کر کے بتایا کہ آپ کی طبیعت خراب ہو گئی ہے اور شانی آپ کو ہاسپٹل لے کر گیا ہے۔ میرا تو آج رت جگے کا پروگرام تھا۔ دونوں بھانجیوں کو ساتھ لے کر آنا تھا۔ تب سے دعا کر رہی ہوں کہ اللہ آپ کو صحت وزندگی دے اور اپنے بچوں کی خوشیاں دیکھیں۔"

"آمین" اختر بانو اور زل کے لبوں سے ایک ساتھ نکلا تھا۔

"زل! آپ بڑی امی کو کمرے میں لے جائیں۔ میں فریش ہو کر آتا ہوں اور چچی جان۔" اس نے ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"بڑی امی کے لیے کیا بنایا ہے۔ صبح سے کچھ نہیں کھایا انہوں نے۔"

"وہی ان کا پرہیزی کھانا بغیر نمک کے سبزیاں اور چکن کا سوپ بنوایا تھا میں نے۔ اور تم لوگ بھی تو صبح سے بھوکے ہو گے کھانا لگواؤں۔" اختر بانو کی بیماری نے نہ صرف یہ کہ اس کے دل میں اختر بانو کے لیے نرم گوشہ پیدا کر دیا تھا بلکہ احساس ذمہ داری بھی پیدا ہو گیا تھا۔ وہ فطرتاً اچھی نیچر کی تھی جبکہ مفورا پہلے کی طرح ہی لاپروا اور خود میں مگن رہتی تھی۔

"نہیں۔ کھانا اب رات میں ہی اکٹھے کھائیں گے۔ بابا جان اور زمان چچا بھی بس پہنچنے ہی والے ہیں۔ ہاں بڑی امی کے لیے بھجوا دیں ابھی۔" اس نے زل کی طرف دیکھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

زل اختر بانو کو سہارا دے کر اس کے کمرے میں لے گئی۔ ثمینہ بھاگی کو ہدایت دے کر اختر بانو کے کمرے میں آ گئی تھی۔

"بس بھابی، اب میں نے آپ کو بالکل اٹھنے نہیں دینا بیڈ سے۔ مکمل آرام کرنا ہے آپ نے نومی کی شادی تک۔"

"شکریہ ثمینہ! پہلے میں کون سا ہل جوت رہی تھی۔ یوں ہی تھوڑا سا بی۔ پی کا مسئلہ ہو گیا تھا۔" اختر بانو ثمینہ کے خلوص سے متاثر ہوئیں۔

"زمان شاہ نے تو مجھے دو تین دن تک آنے کو کہا تھا۔ کہہ رہے تھے کہ حیدر آباد میں کچھ جگہ خریدنی ہے۔ پھر پتا نہیں اچانک واپسی کا کیوں پروگرام بنا لیا۔ ثوبان بھائی بھی واپس آ رہے ہیں تو شاید بات نہیں بنی۔"

ثمینہ کچھ دیر بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی پھر اٹھ کر چلی گئی۔ مفورا بھی کچھ دیر آ کر بیٹھی تھی اور طبیعت کا پتا کر کے چلی گئی البتہ ثمرہ نہیں آئی تھیں ان کا موڈ بہت خراب تھا۔ جب سے منیرہ نے آ کر بتایا تھا کہ شایان اختر بانو کو لے کر ہسپتال گیا ہے۔ تب سے ہی وہ کھول رہی تھیں۔ "لگتا ہے میرے بیٹے کو کچھ گھول کر پلا دیا ہے۔ جادو کر دیا ہے اس پر۔ بڑی امی کے قصیدے ہی ختم نہیں ہوتے اس کے۔ بھاگی نے اسے آ کر اختر بانو اور شایان کے آنے کا بتا دیا تھا لیکن وہ اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ شایان فریش ہو کر اپنے کمرے سے نکلا تو اختر بانو کے کمرے کی طرف جاتے جاتے، کچھ سوچ کر ثمرہ کے کمرے کی طرف مڑ گیا۔

"السلام علیکم! امی" دستک دے کر وہ کمرے میں آیا تو ثمرہ پر ایک نظر ڈالتے ہی وہ سمجھ گیا کہ ثمرہ کا موڈ خراب ہے۔

"فرصت مل گئی ہے تمہیں۔ آ گیا ماں کا خیال۔" ثمرہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"اف امی مجھے آئے ہوئے دیر ہی کتنی ہوئی ہے فریش ہو کر سیدھا آپ کی طرف آیا ہوں سلام

pklibrary.com

کرنے۔'' اسے ثمرہ کا اس طرح طنزیہ انداز میں بات کرنا بالکل پسند نہیں تھا لیکن ثمرہ کو تو جیسے عادت ہوگئی تھی، طنز کرنے کی جب سے اس نے اختر بانو سے بات شروع کی تھی۔

''اب آگئے ہو تو بیٹھ جاؤ دو گھڑی کے لیے یا ابھی اختر بانو کی خدمت کے لیے جانا ہے۔'' ثمرہ کا وہی طنزیہ انداز لیکن شایان کا لہجہ نارمل تھا۔

''جی، بڑی امی کی طرف ہی جا رہا تھا تاکہ زل کو بتادوں کہ روزمرہ کی دوائیوں میں سے آج کون سی میڈیسن نہیں دینی اور جو ڈاکٹر نے آج میڈیسن دی ہے اس کے متعلق بھی بتانا ہے کہ کب دینی ہے۔''

''میرا خیال ہے تم وہاں ہی اپنی بڑی امی کے کمرے میں اپنا بستر بچھالو۔ کس قدر ڈرامہ باز ہے یہ عورت۔ اور کچھ نہیں بنا تو بیماری کا بہانہ بنا کر ساتھ لے کر چلی گئی۔'' غصے میں ثمرہ کو خود پر اختیار نہیں رہتا تھا۔ جو منہ میں آتا ہی چلی جاتی تھی شایان نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

''وہ نہیں میں انہیں لے کر گیا تھا۔ اور مجھے سمجھ نہیں آتا کہ آپ کو ان سے کیا تحفظات ہیں۔''

وہ اتنا متحمل مزاج نہیں تھا جتنے تحمل کا اس وقت مظاہرہ کر رہا تھا۔ ثمرہ چند لمحوں کے لیے بالکل خاموش ہوگئیں۔ شایان کا جی چاہا کہ وہ لگے ہاتھوں ابھی اسی وقت ثمرہ سے وہ پوچھ لے، جس نے اس کے دماغ میں ہلچل مچائی ہوئی تھی۔ لیکن نہیں۔ اس نے خود کو روکا پہلے اسے بڑی امی سے وضاحت لینی تھی پوچھنا تھا انہوں نے ایسا کیوں کہا تھا۔ کیا وہ ان کا بیٹا ہے پھر آج تک کسی نے اسے بتایا کیوں نہیں۔ اگر بڑی امی نے مجھے امی کو دے دیا تھا تو اس میں چھپانے والی کیا بات تھی مجھے کیوں نہیں بتایا گیا۔

''میں...... میں نے تو بس ایسے ہی کہہ دیا...... جاؤ۔ جا کر بیٹھو اپنی بڑی امی کی پٹی سے لگ کر۔ مجھے بھلا کیا تحفظات ہو سکتے ہیں۔'' نروٹھے انداز میں کہتے ہوئے ثمرہ نے منہ موڑ لیا۔ اس سے پہلے کہ شایان کچھ کہتا۔ بیرونی گیٹ کھلنے اور ثوبان شاہ کی گاڑی کے ہارن کی آواز سن کر شایان یہ کہتے ہوئے کہ بابا جان آگئے ہیں باہر نکل گیا۔

''انہوں نے تو دو تین دن رہنا تھا حیدر آباد۔ ضرور تم نے ہی خبر دی ہوگی۔ آگئے سارے کام چھوڑ کر اپنی چہیتی کی خدمت کے لیے۔''

شایان نے ثمرہ کی بات کا جواب نہیں دیا تھا بس ایک نظر انہیں دیکھ کر باہر نکل گیا۔ ابھی وہ لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر نکلا ہی تھا کہ ثوبان شاہ صحن سے آتے نظر آئے تو وہ برآمدے میں ہی رک گیا۔

''کیسی ہے اب اختر بانو۔'' اس کے قریب آکر ثوبان شاہ نے بے قراری سے پوچھا۔

''بہت بہتر ہیں۔ کچھ دیر پہلے ہی ہم ہاسپٹل سے آئے ہیں۔ میں تھا یہاں آپ کو پریشان نہ کرتا لیکن ایک اور مسئلے میں آپ کا یہاں ہونا اور رائے ضروری تھی۔'' وہ ان کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا کہہ رہا تھا۔

''کیا بات ہے شایان۔'' وہ اختر بانو کے کمرے کے باہر رک گئے تھے۔

''مجھے بتاؤ جلدی میں پریشان ہو رہا ہوں۔ یقیناً کوئی ایسی ہی بات ہوگی جو تمہیں مجھے اور زمان کو بلانا پڑا۔ میں نے تو خیر آنا ہی تھا آج نہ آسکتا تو کل آجاتا لیکن زمان کو تو رہنا تھا ابھی۔''

جی بابا...... مشکل وقت ٹل گیا ہے آپ بڑی امی کی خیریت پوچھیں۔ میں ماسی تاج سے کہتا ہوں آج ذرا جلدی کھانا لگادے۔ کھانے کے بعد آرام سے مردانے میں چل کر بات کرتے ہیں۔ آپ پریشان بالکل نہ ہوں۔'' اس نے ثوبان شاہ کے بازو پر تسلی کے انداز میں ہاتھ رکھا۔ تو ثوبان شاہ نے ایک نظر اسے دیکھا۔ ان کا یہ لاپروا اور کھلنڈرا سا شایان اس وقت بہت بردبار اور سمجھ دار لگ رہا تھا۔

''میں خود ہی سارا معاملہ نبٹا لیتا بابا لیکن ایک تو بڑی امی کی طبیعت خراب ہوگئی تھی دوسرا اس معاملے میں بڑوں کو انوالو کرنا ضروری تھا۔ سو۔''

وہ مدھم سا مسکرایا اور ثوبان شاہ کو بہت پہلے کہی ہوئی دلاور شاہ کی بات یاد آگئی۔

pklibrary.com

"تمہارا یہ بیٹا دادا جان کا صحیح جانشین ہوگا۔ باقی تینوں تو نرے شہری ہیں۔ اس کی پڑھائی کی ٹینشن مت لو۔" اور دلاور شاہ کی بات یاد کرتے ہوئے ان کے لبوں پر بھی مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ اس کا بازو تھپتھپاتے ہوئے کمرے میں چلے گئے۔

کھانا کھا کر ثوبان شاہ، زمان شاہ اور شایان فوراً ہی مردانے میں آگئے تھے اور شایان شاہ سے ساری بات سن کر زمان شاہ یک دم کھڑے ہو گئے تھے ان کا رنگ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

"میں اس عرفان کے بچے کو زندہ نہیں چھوڑوں گا اس کی جرأت کیسے ہوئی، ہماری حویلی میں مہمان بچی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی اور پھر وہ بچی بھی کوئی غیر نہیں بھابھی جان کی بھتیجی ہے۔"

"بیٹھ جاؤ زمان! ہمیں حویلی کی عزت کا بھی خیال رکھنا ہے تمہارا کوئی بھی جذباتی عمل نہ صرف تمہارے لیے نقصان دہ ہوگا بلکہ اس سے حویلی اور زنل کی عزت پر بھی حرف آئے گا اور ہمیں زنل کی عزت ہر شے سے بڑھ کر ہے۔" ثوبان شاہ ہمیشہ سے ہی متحمل مزاج تھے گو جب شایان سب بتا رہا تھا تو ان کا بھی خون کھول رہا تھا اور انہیں بار بار اختر بانو کا بھی خیال آ رہا تھا۔

"تو ثوبان بھائی ہم کچھ نہ کریں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہیں۔" زمان شاہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ابھی جا کر اس کا گلا دبا دیں۔

"نہیں ہمیں جو بھی کرنا ہے سوچ سمجھ کر کرنا ہے۔ شایان، ابھی دلاور بھائی کو فون کر کے اپنے ڈیرے پر آنے کے لیے کہو ہمیں صبح ہونے سے پہلے اس مسئلے کو حل کرنا ہے۔"

ثوبان شاہ کھڑے ہو گئے تھے۔

"اور ہاں اندر بتا دینا کہ ڈیرے پر کچھ لوگ ملنے آگئے ہیں تو اس لیے ہم وہاں جا رہے ہیں۔"

ڈیرے پر دلاور شاہ اور وہ آگے پیچھے ہی پہنچے تھے۔

"خیر ہے نا ثوبان شاہ۔ اس وقت کیوں بلایا ہے شانی نے کچھ بتایا ہی نہیں...... ساتھ والوں سے پانی کی باری پر جھگڑا تو نہیں ہو گیا۔ میں احتیاطاً بندوں کو تیار رہنے کا کہہ آیا تھا۔" رہائشی حصے کی طرف جاتے ہوئے دلاور شاہ نے پوچھا تو ثوبان شاہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں......اب تو کئی سال ہو گئے ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔" ثوبان شاہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر" دلاور شاہ نے ان کی طرف دیکھا وہ فکر مند ہو گئے تھے کہ کہیں ثمرہ نے پھر کوئی حماقت تو نہیں کر دی۔

"اندر چل کر آرام سے بات کرتے ہیں بھائی صاحب۔" زمان شاہ کی آنکھوں میں اب بھی سرخی تھی۔

اور جب ثوبان شاہ نے ساری بات بتائی تو کچھ دیر کے لیے وہ بالکل خاموش ہو گئے تھے۔ پھر پوچھا۔

"کہاں ہیں وہ دونوں نمک حرام۔"

ڈیرے کا چوکی دار اور ایک دوسرا ملازم ساتھ والے گوٹھ میں کسی کام سے گئے ہوئے تھے۔ شام کو واپس آئے تو انہوں نے بتایا تھا کہ وہ دونوں ڈیرے پر نہیں ہیں ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ دونوں کیا حرکت کر چکے ہیں۔ گو انہیں یقین تھا کہ ان دونوں نے عرفان شاہ کے کہنے پر ہی سب کچھ کیا ہوگا۔ وہ عرفان شاہ کی ایسی حرکتوں سے نالاں ہی رہتے تھے۔ اسی لیے تو انہوں نے اسے باہر بھجوا دیا تھا پھر بھی ایک بار وہ ان دونوں سے خود بھی تصدیق کرنا چاہتے تھے۔ ثوبان شاہ نے شایان کو اشارا کیا تھا اور وہ ان دونوں کو لے آیا تھا۔ ان دونوں کی گردنیں جھکی ہوئی اور رنگت پھیکی پڑ گئی تھی۔ آتے ہی وہ دلاور شاہ کے قدموں پر گر گئے تھے۔

"ہمیں معاف کر دیجیے شاہ جی۔ ہم تو حکم کے غلام ہیں جی۔ جو حکم ملا۔"

"بکواس بند کرو اور ساری بات بتاؤ مجھے۔"

دلاور شاہ نے پاؤں کو زور سے جھٹکا تو شیدا جو ان کا پاؤں پکڑے بیٹھا ہوا تھا پیچھے کو الٹ گیا۔ وہ دھاڑے تو ہاتھ باندھتے ہوئے چھو نے وہ ساری

بات دہرائی جو پہلے شایان اور اختر بانو کو بتا چکا تھا۔

"عرفان کو فون کر کے بلواؤ اور یہ بھی کہہ دینا کہ ساتھ بارات لانے کی ضرورت نہیں ہے اکیلا ہی آئے۔" انہوں نے شایان کی طرف دیکھا۔ جو سر ہلاتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ اور پھر عرفان شاہ کے آنے تک خاموشی ہی رہی کسی نے کوئی بات نہیں کی تھی۔

"کیا ہوا بابا سائیں خیریت ہے نا۔ کیوں بلوایا ہے مجھے" اور بات کرتے کرتے اس کی نظر کونے میں دیوار سے لگے بیٹھے مچھو اور شیدے پر پڑی تو اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ انہوں نے زمل کو اغوا کر لیا تھا۔

"یہ...... یہاں کیا ہوا بابا سائیں۔"

"بیٹھ جاؤ۔" دلاور شاہ جیسے غرائے تھے اور پھر ان دونوں کی طرف دیکھا۔

"ادھر آؤ تم دونوں اور پھر سے ساری کہانی سناؤ۔"

"دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور مچھو نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا۔ اگر وہ مکر جاتے ہیں اپنی بات سے اور اگر وہ سچ بولتے ہیں۔ موت تو دونوں صورتوں میں ان کا مقدر ہے تو پھر سچ بول کر ہی کیوں نہ مرا جائے۔ شاید سچ بولنے میں کچھ بچنے کا امکان ہو۔ اور مچھو نے وہ ساری بات دہرا دی۔ جو پہلے بتا چکا تھا۔

"یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ الزام لگا رہا ہے مجھ پر۔ عرفان شاہ نے جو چند لمحوں کے لیے ساکت رہ گیا تھا سنبھلتے ہی اسے مارنے کے لیے ہاتھ بلند کیا ہی تھا کہ دلاور شاہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔ عرفان شاہ نے نظریں جھکا لیں۔

"ہمیں جو بھی سزا دیں ہمیں منظور ہے شاہ جی لیکن ہم جھوٹ نہیں بول رہے۔ چاہیں تو قرآن شریف پر ہاتھ رکھوا کر۔"

"چپ کرو۔" دلاور شاہ کی آنکھوں کی سرخی اور لہجہ ان کے طیش اور غصے کا پتا دے رہا تھا۔ مچھو اور شیدا اب سر اٹھائے اعتماد سے کھڑے تھے۔ ڈیرے کے ملازم جی دار اور وفادار ہوتے تھے۔ بات اگر حویلی کی بچی کی نہ ہوتی تو شاید کبھی زبان نہ کھولتے۔

"شایان، انہیں لے جاؤ ان کے متعلق بعد میں فیصلہ کرتے ہیں۔"

"ہاں تو سید عرفان شاہ۔"

ان کے جانے کے بعد دلاور شاہ نے عرفان کی طرف دیکھا اور کھڑے ہو گئے۔

"قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہنے کو تیار ہو کہ یہ دونوں جھوٹ بول رہے ہیں۔"

"سوری بابا سائیں، مجھے علم نہیں تھا کہ وہ چچی کی بھتیجی ہے میں سمجھا تھا کہ سنہری کی کوئی رشتہ دار ہے۔ کہیں دوسرے گوٹھ سے آئی ہوئی ہے۔" عرفان شاہ کو کبھی اپنی حرکتوں پر شرمندگی نہیں ہوئی تھی لیکن قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر، جھوٹ بولنے کی اس کی ہمت نہیں تھی سو ڈھٹائی سے اعتراف کر لیا۔ ایک دفعہ بابا سائیں معاف کر دیں پھر ان دونوں کا تو وہ حشر کرے گا کہ عمر بھر یاد رکھیں گے۔

"تو تمہارے نزدیک کامیوں کی کوئی عزت نہیں ہے۔" دلاور شاہ کا زوردار تھپڑ اس کے گال پر پڑا تھا وہ رخسار پر ہاتھ رکھے حیرت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"ہمارے علاقے میں آج تک حویلی کے کسی مرد نے کسی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ بھلے وہ ہماری کامی ہوں یا سیپی۔" سیپی مطلب جو سارا سال کام کرتے ہیں بغیر تنخواہ کے جیسے حجام وغیرہ اور سال کے آخر میں انہیں اناج وغیرہ دے دیا جاتا ہے عید تہواروں پر کپڑے اور رقم بھی دی جاتی ہے۔

"چند سال پہلے چراغ سائیں کی بیٹی کے ساتھ جو واقعہ ہوا تھا، تب بھی مجھے تم پر اور تمہارے دوستوں پر شک تھا۔ سوچتا تھا ہمارے لیے چراغ

سائیں کی آنکھوں میں نفرت کیوں ہوتی ہے۔ ہماری گاڑی پر پتھر کیوں پھینکتا ہے۔ ایک بار تم سے کیوں لڑ پڑا تھا۔ اگر تمہارا گارڈ اسے پکڑ نہ لیتا تو وہ مار ہی دیتا تمہیں۔ لیکن باپ ہوں نا۔" دلاور شاہ کی آواز بھرا گئی تھی۔

"ہر بار اپنے شک کو دل سے نوچ کر پھینک دیتا کہ میرا بیٹا ایسا نہیں ہو سکتا۔ بیٹی کے دکھ نے چراغ سائیں کا دماغ خراب کر دیا ہے لاش چونکہ ہمارے ڈیرے کے پچھلی طرف سے ملی تھی تو اس لیے...... پھر بھی میں نے تمہیں باہر بھجوا دیا کہ کہیں اپنے پاگل پن میں وہ تمہیں مار ہی نہ ڈالے۔"

"بابا سائیں...... وہ میرے دوست تھے جو چراغ سائیں۔" عرفان شاہ نے جھکا ہوا سر اٹھایا تھا۔

"بس۔"

دلاور شاہ نے ہاتھ بلند کیا۔

"مجھے کوئی وضاحت نہیں چاہیے۔"

اور اسے بازو سے پکڑ کر ثوبان شاہ کے سامنے کھڑا کیا۔

"ثوبان شاہ...... اس کے ساتھ جو دل چاہے سلوک کرو۔ بے شک ابھی اس کے سینے میں گولی اتار دو۔ میں اس کا خون تمہیں معاف کرتا ہوں۔ یہ بڑی سے بڑی سزا کا مستحق ہے تم جو سزا ابھی دو گے میں اف تک نہیں کروں گا۔" ثوبان شاہ صرف چچازاد ہی نہیں، بہنوئی بھی تھے۔ فیصلہ ثوبان شاہ کے ہاتھ میں دے کر گویا انہوں نے ان کے ہاتھ باندھ دیئے تھے۔ سیاست دان تھے جانتے تھے کہ ثوبان شاہ نرم دل ہیں اور کیسے ان کا دل جیتنا ہے۔

"نہیں دلاور بھائی، اللہ نے ہماری عزت رکھ لی۔ شکر ہے اللہ تعالیٰ کا۔ ساری زندگی چراغ سائیں کا احسان مند رہوں گا اور ساری زندگی میری نظریں اختر بانو کے سامنے جھکی رہیں گی۔"

ثوبان شاہ جانتے تھے کہ عرفان شاہ، دلاور شاہ کا بڑا بیٹا ہے کتنا لاڈلا ہے اور ان کے بے جا لاڈ نے ہی اسے بگاڑا ہے۔ زمان شاہ غصے سے مٹھیاں بھینچے بیٹھے تھے ورنہ ان کا اور شایان کا جی تو یہی چاہ رہا تھا کہ ابھی اس شخص کی گردن اڑا دیں۔ جو اس وقت سر جھکائے کھڑا تھا۔

"نکل جاؤ یہاں سے عرفان شاہ اور صبح مجھے حویلی میں نظر نہ آؤ سورج نکلنے سے پہلے حیدر آباد چلے جاؤ اور پھر وہاں سے پہلی دستیاب فلائیٹ پر واپس چلے جاؤ۔ وہاں ہی رہو عمر بھر گوروں کے ملک میں۔ یہاں رہنے کے قابل نہیں ہو تم۔" اس کے جانے کے بعد دلاور شاہ نے ثوبان شاہ کی طرف دیکھا۔

"ان دونوں کا کیا کرنا ہے ثوبان شاہ۔"

"وہ آپ کے ملازم ہیں بھائی صاحب، جو آپ مناسب سمجھیں کریں۔ لیکن کچھ ایسا مت کیجئے گا کہ علاقے میں چہ میگوئیاں ہوں لوگوں کی انگلیاں اٹھیں اور حویلی کی عزت پر حرف آئے۔" جواب زمان شاہ نے دیا تھا۔

"یہ حکم کے غلام ہیں دلاور بھائی، انہوں نے وہی کرنا ہے جو انہیں حکم دیا جاتا ہے۔" ثوبان شاہ کھڑے ہو گئے تھے اور ان کے ساتھ ہی زمان شاہ اور شایان بھی۔

"بس ان کی زبانیں بند رہنی چاہئیں۔ آپ بہتر سمجھتے ہیں کہ ان کی زبانوں کو کیسے بند رکھا جا سکتا ہے۔" دلاور شاہ نے سر ہلایا تھا۔

"رات یہ ادھر ہی رہیں گے صبح بات ہو گی ان سے...... اور ثوبان شاہ زمان شاہ بہت شرمندہ ہوں۔ مجھے معاف کر دینا یار۔ یہ اولاد کو یوں ہی تو فتنہ نہیں کہا گیا۔ کیسے کٹہرے میں لا کھڑا کیا ہے اس اولاد نے۔"

"بھول جائیں دلاور بھائی، جو ہوا۔ یہ بات یہاں ہی ختم ہو گئی ہے اس کو اب نہ ہم دہرائیں گے نہ آپ۔" ثوبان شاہ نے دلاور شاہ کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ اور وہ تینوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے احاطے میں آئے تھے جہاں نظام دین چارپائی پر

pklibrary.com

کمبل لپیٹے بیٹھا حقہ گڑگڑا رہا تھا۔

''چاچا، تم اتنی سردی میں یہاں باہر کیوں بیٹھے ہو۔'' شایان اس کے پاس رکا تھا۔

''آپ کا انتظار کر رہا تھا شاہ جی۔'' وہ کھڑا ہو گیا تھا۔

''جاؤ کمرے میں جا کر آرام کرو بیمار ہو گے۔'' شایان اسے ہدایت دے کر تیز تیز چلتا ہوا ثوبان شاہ کے قریب آیا تھا۔ جو احاطے کا دروازہ کھول رہے تھے۔ جوں ہی وہ لوگ احاطے سے باہر نکل کر اپنی گاڑیوں کی طرف بڑھے ان کی نظر باہر احاطے کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے چراغ سائیں پر پڑی۔ جو گھٹنوں پر سر رکھے رو رہا تھا۔

''چراغ سائیں، اتنی سردی میں یہاں کیا کر رہے ہو۔ بیمار ہو جاؤ گے۔'' ثوبان شاہ اسے اس وقت وہاں بیٹھے دیکھ کر حیران ہوئے تھے۔

''شاہ جی۔'' وہ کھڑا ہو گیا تھا۔

''شاہ جی...... میری رانو مر گئی۔ میری گڈی خاک میں مل گئی۔'' وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ رانو کی موت پر اور اس کے بعد کسی نے اسے روتے نہیں دیکھا تھا آج جیسے سالوں کے رکے آنسو بہہ نکلے تھے۔

''چراغ سائیں حوصلہ کرو۔'' ثوبان شاہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''آج جو احسان تم نے کیا ہے ہم پر۔ ہمارے پاس اس کا بدلہ نہیں ہے ہم ساری زندگی تمہارے احسان مند رہیں گے۔''

ثوبان شاہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہیں کس طرح اسے تسلی دیں۔ چراغ سائیں۔ اس طرح رو رہا تھا۔ جیسے اسے اپنے آنسوؤں پر اختیار نہ ہو۔ دلاور شاہ گاڑی کی طرف بڑھتے بڑھتے مڑے تھے۔

''چراغ سائیں! ہو سکے تو ہمیں معاف کر دینا۔'' چراغ نے بس زخمی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

دلاور شاہ کو مظلوموں کی بددعاؤں سے ڈر لگتا تھا۔ چراغ سائیں پر ایک نظر ڈال کر وہ تیزی سے چلتے ہوئے اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے۔

''چاچا آ جائیں ہمارے ساتھ ہی۔'' شایان کے لہجے میں آج نرمی اور ہمدردی تھی۔

چراغ سائیں کا کوارٹر بھی دوسرے ملازمین کے کوارٹروں کے ساتھ حویلی کی پچھلی سائیڈ پر تھا۔ وہ بنا کچھ کہے شایان کے اشارے پر ان کی گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔

انہوں نے اسے اس کے کوارٹر کے پاس اتارا تھا لیکن صبح وہ قبرستان میں اپنی بیٹی کی قبر پر سر رکھے بازو اس کے گرد حمائل کیے پڑا تھا۔ لوگ کہتے تھے اتنے سالوں میں آج تک کسی نے اسے بیٹی کی قبر پر جاتے نہیں دیکھا تھا لیکن آج وہ نہ جانے کب کس پہر یہاں آ کر بیٹھ گیا تھا۔ پاس ہی وہی میلی کچیلی کپڑے کی گڑیا پڑی تھی۔ جب لوگوں نے اسے اٹھا کر چارپائی پر ڈالا تو اس کا جسم ابھی تک نرم تھا ہونٹ تھوڑے سے نیم وا تھے اور چہرے پر وہ سکون اور اطمینان تھا جو پچھلے سالوں میں کبھی نظر نہیں آیا تھا۔ وہ گڑیا سینے سے لگائے سارا دن مضطرب اور بے چین سا گاتا پھرتا تھا۔

بابل میری گڈیاں۔

اور جب حویلی کے احاطے سے اس کا جنازہ اٹھا تو ثوبان شاہ جنازے کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے سوچ رہے تھے کہ وہ آج اپنی بیٹی کے بعد بھی اب تک زندہ تھا تو شاید اس لیے کہ اس نے حویلی کی عزت بچائی تھی۔ اور فضا میں جیسے چاروں طرف اب بھی اس کی پرسوز آواز گونج رہی تھی۔ اور ان کے کانوں میں آتی تھی۔

بابل میریاں گڈیاں تیرے گھار رہ گیاں

بائیں کندھے پر شولڈر بیگ لٹکائے دائیں ہاتھ میں فائل پکڑے زنل نے ڈیوڑھی کا دروازہ کھول

کر صحن میں قدم رکھا تو تخت پر بیٹھی بی بی اماں ڈیوڑھی کے دروازے پر ہی نگاہیں جمائے بیٹھی تھیں بے قراری سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھیں۔

"اتنی دیر کر دی زنل، خیریت تھی نا۔ بڑے صاحب بھی بہت پریشان ہو رہے تھے۔ زین بھی ابھی تک نہیں آیا کہ اسے ہی تمہارے اسکول بھیج دیتی شیخو بھی شاہ زیب کو لے کر باہر نکلا ہے کچھ دیر پہلے ہی۔ سحرش نے بتایا کہ بلال بھی گھر پر نہیں ہے۔ مجھے تمہارے اسکول کا کچھ اتا پتا نہیں کہ کہاں ہے ورنہ خود ہی چلی آتی۔ میں کہے دیتی ہوں۔ مجھے کسی روز ساتھ لے جا کر اپنا اسکول دکھا دو۔"

وہ جس طرح تیز تیز بول رہی تھیں اس سے ان کی پریشانی کا اندازہ ہو رہا تھا۔

"اب جاب میں دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے۔ آپ پریشان نہ ہوا کریں تین چار دن بعد بچوں کا رزلٹ ہے اسی سلسلے میں پرنسپل کے ساتھ میٹنگ تھی۔ بچوں کے والدین نے بھی رزلٹ والے دن آنا ہوتا ہے۔ تو بس اسی بارے میں ہدایات دیں۔ ٹیچرز کی ڈیوٹیز لگائیں۔"

وہ بی بی اماں کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی صحن سے برآمدے میں آئی۔ تقریباً ایک ماہ ہونے والا تھا اسے اس پرائیویٹ اسکول میں جاب کرتے لیکن آج پہلی بار لیٹ ہوئی تھی۔

"پہلے کبھی اتنی دیر نہیں ہوئی تو اس لیے دل بہت گھبرا رہا تھا۔ جانے کیا کیا وہم آ رہے تھے۔" بی بی اماں سچ مچ بہت پریشان تھیں۔

"سنو پھر کبھی دیر سے آنا ہو تو فون کر دینا۔ فون ہے نا تمہارے اسکول میں۔" زنل نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے شولڈر بیگ اور فائل تخت پر رکھی اور وہاں ہی بیٹھ گئی۔

"میں کہتی ہوں تم وہ لے لو۔ وہ ہی چھوٹا سا فون جو سمیرا کے پاس ہے۔ اب تو سحرش اور مہرین نے بھی لے لیا ہے سحرش کہہ رہی تھی پانچ ہزار کا ہے۔" بی بی اماں ابھی تک کھڑی تھیں۔

"لے لوں گی بی بی اماں۔" وہ بے حد تھکی تھکی سی لگ رہی تھی۔

"میں تو کہتی ہوں جاب کی ضرورت کیا تھی۔ ایک ماہ ہوا نہیں اور شکل دیکھو کیا ذرا سی نکل آئی ہے۔ اور یہ زین نہ جانے اس کے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔ منہ سے کچھ پھوٹتا ہی نہیں۔ پہلے تو بڑا بولتا تھا کہ اگر مجبوری نہ ہو تو عورتوں کو جاب نہیں کرنی چاہیے اور اب جب میں نے بتایا کہ زنل جاب کرنا چاہتی ہے تو ایک لفظ تک منہ سے نہیں نکالا جیسے میں کسی تیسرے بندے کی بات کر رہی ہوں۔" بی بی اماں بڑبڑائیں۔

"آپ کو کیا پتا کہ مجھے کتنی ضرورت تھی جاب کی۔ پیسے کے لیے نہیں جاب کی میں نے، مجھے تو بس مصروفیت چاہیے تھی۔ اور کتنا غنیمت لگا تھا مجھے جب ثوبیہ نے اس جاب کے متعلق بتایا تھا۔" اس نے دل ہی دل میں سوچا اور بی بی اماں کی طرف دیکھا۔

"پڑھائی ختم ہو گئی تھی۔ سارا دن گھر میں بھی فارغ رہ کر کیا کرتی۔ وہاں اسکول میں بچوں کے ساتھ دھیان بٹ جاتا ہے۔"

"جانے کس کی نظر لگ گئی میرے بچوں کو۔" بی بی اماں نے ایک گہری سانس لی۔

"ایک نے دھیان بٹانے کے لیے نوکری کر لی اور دوسرا جو ہے۔ آفس سے اٹھ کر نہ جانے کہاں دھکے کھاتا پھرتا ہے۔ کبھی دو نوالے کھا لیتا ہے کبھی بھوک نہ ہونے کا کہہ کر کمرے میں گھس جاتا ہے، چلو اٹھ کر منہ ہاتھ دھو لو میں کھانا گرم کرتی ہوں۔"

"بھوک نہیں ہے بی بی اماں۔ اسکول میں سموسہ کھا لیا تھا۔ اب چائے پیوں گی۔ رات کو ہی کھانا کھاؤں گی۔"

"اب ایسا بھی کیا کہ ایک سموسے سے پیٹ بھر گیا۔ خیر۔ عصر کی اذان ہونے والی ہے نماز پڑھ کر چائے بناتی ہوں۔ تب تک بڑے صاحب بھی جاگ جائیں گے۔ بی۔ پی کچھ ہائی ہو گیا تھا مہرین نے

pklibrary.com

چیک کر کے دوا دی تھی تو سو گئے، اچھا ہوا جاگتے رہتے تو تمہارے لیے پریشان ہوتے رہتے۔" بی بی اماں بات کر کے اپنے کمرے کی طرف جاتے جاتے رک گئیں۔

"اب یہاں ہی بیٹھ گئی ہو۔ فریش ہو کر تھوڑا آرام کر لو۔ صبح سات بجے کی نکلی ہو عصر ہونے والی ہے تھک گئی ہو گی۔"

"کچھ دیر ادھر ہی بیٹھوں گی۔ کھلی فضا میں اچھا لگ رہا ہے۔" مارچ کا آخری ہفتہ تھا موسم اس وقت بہت خوش گوار تھا۔

ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی درختوں اور پودوں نے سبز پتوں کا لبادہ اوڑھ لیا تھا نکھرے نکھرے سے پودے اور درخت اچھے لگ رہے تھے۔ یہ بھی قدرت کا کتنا خوب صورت نظام ہے۔ موسم ہمیشہ ایک سے نہیں رہتے۔ سردی، گرمی بہار خزاں۔ ابھی ایک ماہ پہلے تک خزاں نے ان درختوں اور پودوں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ سوکھے زرد پتے، ٹنڈ منڈ درخت اور پھر مارچ کے آغاز سے پہلے ہی کونپلیں پھوٹنے لگی تھیں۔ اگر ہمیشہ ایک ہی سا موسم رہے خزاں یا بہار تو شاید آدمی اوب ہی جائے۔ انسان تو ایسا ہی ہے نا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بھی تو من وسلویٰ کھا کھا کے بیزار ہو گئی تھی۔ لہسن اور مسور کی دال مانگنے لگی تھی۔

وہ یوں ہی سامنے کیاریوں میں پھدکتی چڑیوں پر نظریں جمائے اوٹ پٹانگ باتیں سوچ رہی تھی۔ بی بی اماں نے جو پانی شاید صبح کیاریوں میں دیا تھا وہ ابھی تک تھوڑا بہت کیاریوں میں موجود تھا۔ چڑیاں اسی پانی میں اپنے پروں کو بھگو کر پھر پروں کو پھڑ پھڑا کر پانی جھاڑ رہی تھیں۔ شاید موسم کی خوش گواری ان پر بھی اثر انداز ہوئی تھی۔

تو خزاں رخصت ہوئی اور بہار آ گئی ہے۔ اپریل تک سب پودے پتوں اور پھولوں سے بھر جائیں گے۔ زندگی تبدیلی کا ہی نام ہے۔ اقبالؒ نے کہا تھا جمود موت ہے۔ ابھی بہار کی آمد آمد ہے کل خزاں آ جائے گی اور یہ تبدیلی کا عمل جو صدیوں سے جاری وساری ہے ایسے ہی جاری رہے گا۔ انسان کے ساتھ بھی تو ایسا ہی ہے آج اگر کوئی دل حزیں ہے تو کل اسی دل میں خوشیاں رقص کرتی ہوں گی۔ وہ بھی کتنی مطمئن اور پرسکون زندگی گزار رہی تھی اور یکا یک زندگی کے چہرے پر دراڑیں پڑ گئی تھیں۔ کیا یہ دراڑیں کبھی بھر سکیں گی۔ کیا وہ پھر پہلے جیسی ہی پرسکون اور مطمئن زندگی گزار سکے گی۔ کیا زین پھر پہلے جیسا ہو جائے گا۔

اس کی نظریں خاکستری چڑیا کے ساتھ ساتھ ہر کیاری میں بھٹک رہی تھیں۔ جہاں جہاں چڑیا جاتی تھی اس کی نظریں بھی ادھر ہی چلی جاتی تھیں۔ اسے یقین نہیں آتا تھا کہ زین اتنا بدل گیا ہے۔ یہ وہ زین تو نہیں تھا جو اتنا خیال رکھنے والا اور محبت کرنے والا تھا۔ اماں کے مرنے کے بعد وہ کس طرح اس کا سایہ بن گیا تھا۔ حالانکہ وہ خود کوئی بہت بڑا تو نہیں تھا پھر بھی وہ اسے خوش رکھنے کے ہزاروں جتن کرتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر خود بھی رونے والا ہو جاتا تھا۔ تب وہ خود بھی بچہ ہی تو تھا لیکن اب جب کہ وہ ایک ذمہ دار اور سمجھ دار مرد میں ڈھل چکا تھا اور وہ اب صرف اس کی کزن ہی نہیں، اس کی منکوحہ بھی تھی اس نے یکا یک خود کو اس سے دور کر لیا تھا اور یوں بے نیاز ہو گیا تھا جیسے ان کے درمیان کچھ بھی کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔ اس نے کتنی بار کوشش کی تھی کہ وہ اس سے کھل کر بات کرے جو کچھ اس کے دل میں ہے بتائے۔ لیکن وہ ٹال دیتا تھا۔

"کیا بات ہے زین۔ اتنے چپ چپ سے کیوں رہتے ہو۔" وہ بس اتنا ہی پوچھ پائی تھی۔

"نہیں تو تمہارا وہم ہے۔" یا "کچھ نہیں" کہہ کر وہ فوراً ہی ادھر ادھر ہو جاتا تھا بلکہ جب سے وہ اختر بانو کے گھر سے واپس آئی تھی وہ گھر میں ٹکتا ہی نہیں تھا

اول تو دیر سے گھر آتا اور اگر کبھی جلدی آ بھی جاتا تو کمرے میں گھسا رہتا تھا۔ ناشتے اور رات کے کھانے پر وہ نگاہیں جھکائے بیٹھا رہتا تھا۔ جلدی جلدی کھاتا اور اٹھ جاتا کبھی کبھار بی اماں اور دادا جان سے کوئی بات کر لیتا اور بس۔ اس سے تو نظریں ہی نہیں ملاتا تھا۔

"جب دل میں چور ہوتا تو تب ہی نظریں ملا کر بات نہیں کرتا بندہ۔ اور تابی کے دل میں بھی چور ہے۔" آج بریک میں ہی تو نہ جانے کس بات پر ایک ساتھی ٹیچر دوسری سے کہہ رہی تھی۔ نہ جانے کس کے متعلق بات ہو رہی تھی، وہ بھی اسٹاف روم میں ایک طرف بیٹھی ہوئی تھی اور خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

اور اس وقت اس ٹیچر کی بات یاد کر کے وہ یک دم چونکی تھی۔ زین بھی تو مجھ سے نظر ملا کر بات نہیں کرتا تو کیا اس کے دل میں بھی کوئی چور ہے۔ کیا مرتضیٰ بھائی نے زین کے متعلق جو کہا تھا وہ سچ تھا۔ اندر کہیں کوئی آنسو ٹوٹ کر گرا تھا۔

"نہیں" اس کے دل نے نفی کی۔ زین ایسا نہیں ہو سکتا۔ حیدر آباد سے لاہور تک کے سفر میں مرتضیٰ نے بہت باتیں کی تھیں۔ لیکن کیا کیا اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ کچھ یاد نہیں آ رہا تھا اس نے دھیان سے اس کی باتیں سنی ہی کب تھیں۔ بس یہ ایک بات ذہن کے کسی گوشے میں رہ گئی تھی۔ جو اس وقت پوری جزئیات کے ساتھ یاد آ گئی تھی لیکن تب اس نے مرتضیٰ کی بات پر کوئی ردعمل نہیں دیا تھا۔ کہ اس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔

☆☆☆

وہ ایک عام سی کمزور سی لڑکی ہی تو تھی۔ اور ایک روز قبل جو واقعات ہوئے تھے ابھی تک اس کا دل دہلا ہوا تھا۔ اور اس کا اثر نہ جانے کب تک اس کے دل و دماغ پر رہنا تھا بظاہر تو اس نے خود کو سنبھال لیا تھا لیکن اندر جو اضطراب، بے چینی اور خوف تھا وہ ختم نہیں ہو پا رہا تھا۔

جب تک ثوبان شاہ وغیرہ ڈیرے سے واپس نہیں آئے تھے وہ اختر بانو کے بیڈ روم میں ان کے پاس ہی بیٹھی رہی تھی۔ دونوں کے پاس ایک دوسرے سے بات کرنے کے لیے جیسے کچھ بھی نہ تھا پھر بھی وقفے وقفے سے وہ دونوں ہی ایک دوسرے سے کوئی نہ کوئی بات کر لیتی تھیں۔ یوں ہی کوئی ادھر ادھر کی بات جس کا تعلق صبح والے واقعے سے نہیں ہوتا تھا۔ دراصل اندر ہی اندر دونوں ہی مضطرب تھیں کہ جانے ڈیرے پر کیا ہو رہا ہوگا۔ ثوبان شاہ اور زمان شاہ نے کیا کہا ہوگا۔ اور جب ثوبان شاہ آئے تو بے اختیار وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ہمیں معاف کر دینا بیٹی، کہ ہمارے گھر میں تمہیں اس تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ اگر خدانخواستہ کچھ غلط ہو جاتا تو ہم بھی خود کو معاف نہ کر سکتے۔ زندگی بھر ہم خود سے بھی نظر نہ ملا سکتے۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

"آپ کیوں معافی مانگ رہے ہیں انکل۔ میری بھی غلطی ہے مجھے گھر سے اکیلے نہیں نکلنا چاہیے تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے بچا لیا۔" وہ شرمندہ تھی اگر وہ اکیلی گھر سے نہ نکلتی تو یہ واقعہ بھی نہ ہوتا۔

"اللہ کا تو جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے بیٹی۔" ثوبان شاہ بیٹھ گئے تھے۔

"کیا ہوا۔ کیا فیصلہ کیا آپ لوگوں نے۔ دلاور بھائی نے آپ کی بات پر یقین کر لیا نا۔" اختر بانو کی سوالیہ نظریں ان پر جمی تھیں۔

"ہاں۔" ثوبان شاہ ڈیرے پر جو کچھ ہوا تھا سب تفصیل سے بتانے لگے وہ خاموشی سے کھڑی سن رہی تھی۔ بات ختم کر کے انہوں نے شایان کی طرف دیکھا تھا۔ جو ان کے ساتھ ہی اندر آیا تھا جب کہ زمان شاہ اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔

"شایان بیٹا یہ بات آج یہاں اسی کمرے میں دفن ہو جائے۔"

pklibrary.com

"جی بابا! آپ بے فکر رہیں۔" اس نے انہیں یقین دلایا تھا۔

"اب تم دونوں جاؤ آرام کرو۔" اختر بانو کو فکر ہوئی تھی اور وہ شب بخیر کہہ کر ساتھ ساتھ ہی اختر بانو کے روم سے باہر نکلے تھے۔

"سوری زل۔" اپنے کمرے کی طرف جاتے جاتے شایان لاؤنج میں رکا تھا۔

"آپ لوگوں کا بھلا اس میں کیا قصور ہے۔ کچھ باتیں ہونا لکھا ہوتا ہے اور وہ ہو جاتی ہیں۔ بھول جاؤ جو ہوا میں بھی بھول جاؤں گی۔" وہ کوشش کر کے مسکرائی تھی۔

"ہاں لیکن جس نے یہ حرکت کی وہ کوئی اور نہیں میرے ماموں کا بیٹا تھا۔ تو شاید یہ قصور کچھ نہ کچھ ہمارے کھاتے میں بھی تو لکھا جائے گا نا۔" وہ نادم سا لگ رہا تھا۔

"نہیں شایان۔ کسی کا قصور کسی دوسرے کے کھاتے میں نہیں لکھا جاتا اور نہ ہی کسی کے گناہ کی سزا اس کے بہن بھائیوں اور عزیز و اقارب کو دی جاتی ہے۔ سزا کا مستحق بھی وہی ہوتا ہے جو قصور والا ہوتا ہے۔" زل کا انداز سمجھانے والا تھا۔ شایان نے سر ہلایا۔

"لیکن وہ عرفان بھائی۔" اسے یک دم بڑی امی کی باتیں یاد آئی تھیں۔ کچھ کہتے کہتے وہ جھجک سا گیا تھا۔

"زل! وہ بڑی امی نے وہاں ڈیرے پر جو کچھ کہا تھا اور جو کچھ میں نے سمجھا اگر وہ صحیح اور سچ ہے تو پھر میرا عرفان بھائی سے وہ رشتہ نہیں بنتا جو میں ساری زندگی سمجھتا رہا۔"

شایان ایسا نہیں تھا جیسا اس وقت لگ رہا تھا۔ الجھا ہوا۔ پریشان اور بے بس سا وہ، تو زل کو ہمیشہ ہی جب سے وہ اس سے ملی تھی کچھ مغرور اور خود پسند سا لگا تھا لیکن اس وقت دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کیے، دونوں ہاتھوں کو سختی سے جکڑے اس کے سامنے کھڑا شایان اس شایان سے کتنا مختلف لگ رہا تھا جسے وہ اب تک جانتی تھی۔

"اگر تمہارا اس سے وہی رشتہ ہو تب بھی تم یا تمہاری فیملی قصوروار نہیں ہے شایان۔" زل کچھ دیر کے لیے اپنی ذہنی اذیت اور تکلیف بھول کر وہ ہی زل بن گئی تھی جو بقول بی بی اماں کے سب کے درد کا درماں بن جایا کرتی تھی۔

"وہ یہ بات نہیں ہے زل۔ دراصل وہ میں۔ جو بڑی امی نے میرے متعلق کہا۔ تم جانتی تھیں پہلے سے اس کے متعلق۔ اور یہ کہ کیا وہ سچ کہہ رہی تھیں کیا انہوں نے مجھے جنم دیا ہے۔"

"میں اس بارے میں اتنی ہی بے خبر اور انجان ہوں جتنے تم ہو۔ میں بھی پھپھو سے اس کے متعلق پوچھنا چاہتی تھی۔ لیکن اس ڈر سے نہیں پوچھا کہ کہیں

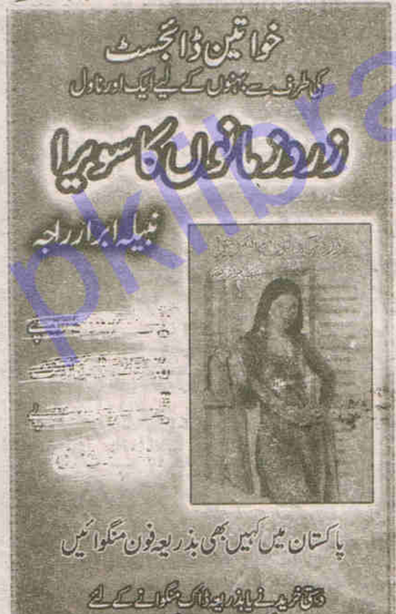

pklibrary.com

ان کی طبیعت مزید خراب نہ ہو جائے۔ وہ جو کچھ انہوں نے غصے اور جذباتی کیفیت میں کہا وہ جھوٹ تو نہیں ہو سکتا شایان، لیکن جو راز اتنے سالوں سے چھپا ہوا تھا اس کو یوں جذبات میں آ کر عیاں کرنے پر شاید وہ خود بھی نادم ہوں۔ پلیز ابھی ایک دو روز ان سے کچھ مت پوچھنا۔ اور نہ ہی ثمرہ آنٹی سے بات کرنا۔ میں سمجھ سکتی ہوں اس انکشاف نے تمہارے اندر کتنی ہلچل مچا رکھی ہوگی۔ تم کتنے الجھے ہوئے اور پریشان ہوگے۔ پھر بھی کہوں گی کہ اب اس کے متعلق کچھ بھی نہ سوچنا اور سکون سے آنکھیں بند کر کے سو جانا۔ میں بھاگی سے کہتی ہوں وہ گرم دودھ تمہیں دے جاتی ہے۔ دن بھر جو ٹینشن اور بھاگ دوڑ رہی ہے اس نے تمہارے دماغ کی دہی بنادی ہوگی۔" وہ مدہم سا مسکرائی تھی۔

"نہیں دودھ تو اس وقت پینے کا موڈ نہیں ہے سونے کی کوشش کروں گا۔ واقعی دماغ تھک سا گیا ہے لیکن مجھ سے زیادہ اذیت اور ٹینشن میں تو آپ رہی ہیں۔" شایان حیران ہوا تھا کہ اتنے تکلیف دہ اور اذیت ناک لمحات سے گزرنے کے بعد بھی زل اسے کچھ نہ سوچنے اور سکون سے سونے کی تلقین کر رہی تھی۔

"آپ بھی کچھ مت سوچیے گا اور سونے کی کوشش کیجیے گا۔ بلکہ اگر آپ کہیں تو میں آپ کو سکون کی کوئی دوا لا دیتا ہوں امی کے پاس ہوتی ہیں۔ آدھی گولی پرسکون نیند کے لیے کھا لیجیے گا۔"

"ہاں میں کچھ نہیں سوچوں گی اور مجھے سکون کی گولی کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے شایان کو کہا تھا لیکن کوشش کے باوجود اسے نیند نہیں آ سکی تھی۔ آنکھیں بند کرتی تو آنکھوں کے سامنے وہ منظر آ جاتا جب شیدے نے اسے ڈیرے میں لا کر بیڈ پر پھینکا تھا۔

"کون ہو تم اور مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔"

اس نے اپنے خوف کو چھپاتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ہم کون ہیں یہ تو تم رہنے دو البتہ کیوں لائے ہیں اس کا تمہیں جلد پتا چل جائے گا۔" وہ خباثت سے مسکرایا تھا۔

"اور چیخنے چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں سے تمہاری آواز باہر نہیں جائے گی۔" وہ دروازہ بند کر کے چلا گیا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر تک بیڈ پر ساکت بیٹھی رہی تھی اس کے تو تصور میں بھی نہیں تھا کہ اس کے ساتھ ایسا کچھ ہو جائے گا۔ اور اب وہ کیا کرے۔ پھپھو کو تو پتا بھی نہیں چلے گا۔ یا اللہ میری مدد فرما۔ کون تھا اللہ کے سوا مدد کرنے والا سو وہ اسی کو پکارتی رہی یہاں تک کہ پھپھو آ گئی تھیں۔ اور اگر جو چراغ سائیں پھپھو کو نہ بتاتا تو۔

اس نے جھرجھری سی لے کر کارپٹ پر گہری نیند سوئی سنہری کو دیکھا تھا۔ جب سے وہ آئی تھی پھپھو کے کہنے پر سنہری اس کے کمرے میں ہی کارپٹ پر بستر بچھا کر سو جاتی تھی۔

جب پہلے روز پھپھو نے سنہری کو اس کے کمرے میں سونے کے لیے کہا تھا تو وہ حیران ہوئی تھی۔

"میں کوئی چھوٹی بچی ہوں پھپھو جو مجھے ڈر لگے گا اکیلے۔"

"چھوٹی بچی نہیں ہو لیکن اجنبی جگہ پر بے آرامی ہوتی ہے۔ پھر رات کو کچھ پرابلم ہو جائے تو سنہری ہوگی تو بے فکر رہو گی۔" تب پھپھو کی بات پر اسے حیرانی ہوئی تھی لیکن آج سنہری کا دم اسے غنیمت لگ رہا تھا۔ ورنہ اکیلے میں اور گھبراہٹ ہوتی۔ گو سنہری تو اس کے کمرے میں آتے ہی کچھ دیر بعد سو گئی تھی۔ وہ کچھ دیر کروٹیں بدلتی رہی تھی پھر اپنے بیگ سے الطاف فاطمہ کا "دستک نہ دو" نکال کر پڑھنے لگی تھی لیکن پڑھنے میں بھی دل نہیں لگا تھا۔ رات بھر وہ بے چین ہی رہی تھی۔ فجر کی نماز کے بعد ہی اسے نیند آئی تھی۔

☆☆☆

ماہنامہ کرن

فروری 2025ء کے شمارے کی ایک جھلک

- مشہور مصنفہ "ریاض فاطمہ" کا بہو سے ساس تک کا سفر،
- اداکارہ "خدیجہ سلیم" کہتی ہیں "میری بھی سنیئے"،
- "تاش گھر" ایمل رضا کا سلسلے وار ناول،
- "گنوا کر دل وجاں، ہم" اُمِ طیفور کا مکمل ناول،
- "آ گھر چلیں میرے ہمدم" ام ہانی کا مکمل ناول،
- "محبت کے دو پنکھ" عنبرین ابدال کا مکمل ناول،
- "نخلِ وفا" فرح بخاری کا ناولٹ،
- "ایک دن محبت کا" سدرۃ المنتہیٰ کا ناولٹ،
- شاہدہ اعظم، قرۃ العین خرم ہاشمی اور عقیلہ ہاشمی کے افسانے اور مستقل سلسلے،
- **"کرن کتاب"**

دلچسپ معلوماتی مضامین اور مزے دار کھانوں کی ترکیبوں کے ساتھ،

فروری 2025ء کا شمارہ شائع ہوگیا

pklibrary.com

اور جب اس کی آنکھ کھلی تو سنہری کمرے میں نہیں تھی۔ سامنے گھڑی پر نظر پڑی تو دس بجنے والے تھے۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی فریش ہو کر باہر آئی تو لاؤنج میں اختر بانو صوفے پر بیٹھی تھیں۔

"السلام علیکم پھپھو، اتنی دیر ہو گئی کسی نے مجھے جگایا ہی نہیں۔"

"بھاگی جا رہی تھی تمہیں ناشتے کے لیے بلانے میں نے خود ہی منع کر دیا تھا جگانے سے۔ پتا نہیں رات کو تمہیں ٹھیک سے نیند بھی آئی تھی یا نہیں۔ میں تو خود دیر تک جاگتی رہی پھر نیند کی گولی کھانا پڑی تو تب کہیں جا کر نیند آئی۔" اختر بانو نے اپنے پاس صوفے پر پڑا اخبار اٹھا کر اس کے بیٹھنے کے لیے جگہ بنائی۔

"جی پھپھو، میں بھی فجر کے بعد لیٹی تو آنکھ لگ گئی تھی۔" وہ اختر بانو کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔

"میں ان لمحوں کے متعلق سوچتی ہوں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اللہ نے کرم کیا اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔" اختر بانو نے ساتھ ہی بھاگی کو آواز دے کر ناشتے کے لیے کہا۔

"نہیں پھپھو، صرف چائے لوں گی۔ کچھ بھی کھانے کو جی نہیں چاہ رہا۔"

زل کا سر بہت بھاری ہو رہا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ پراٹھا وغیرہ نہ کھاؤ لیکن ایک دو سلائس لے لو۔"

اختر بانو نے بھاگی کے آنے پر اسے چائے کے ساتھ سلائس اور بوائل انڈے لانے کو کہا تو وہ خاموش ہی رہی۔ تب ہی اسے لاؤنج کے کھلے دروازے سے ہلکے شور اور بہت سارے لوگوں کی ہولے ہولے بولنے کی آوازیں آئیں کبھی ہلکی کبھی کچھ بلند۔

"باہر کون لوگ آئے ہوئے ہیں۔"

"احاطے میں چراغ سائیں کا جنازہ رکھا ہوا ہے۔ گیارہ بجے اٹھائیں گے۔ علاقے میں جس جس کو پتا چل رہا ہے وہ آ رہے ہیں۔ رات کو کسی وقت اس کا انتقال ہو گیا۔ فجر کے وقت خیر دین کو نظام دین چاچا نے بھیجا تھا بتانے کے لیے۔" وہ افسردگی سے تفصیل بتانے لگیں۔

"میں نے سوچا تھا جانے سے پہلے خود جا کر ان کا شکریہ ادا کروں گی۔ اگر وہ آپ کو نہ بتاتے تو۔"

اور وہ جو کل سے لے کر اب تک نہ روئی تھی اب اس کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے تھے۔ اختر بانو نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا اور ہولے ہولے تھپکنے لگیں۔

"اللہ چراغ سائیں کی مغفرت کرے زل، کئی بار میرے ذہن میں خیال آیا تھا کہ چراغ سائیں نے اس دکھ کو کیسے برداشت کیا اکلوتی بیٹی تھی تیرہ چودہ سال کی، ماں کے مرنے کے بعد چراغ سائیں نے اس کو بہت لاڈ سے پالا تھا۔ اندر سے تو وہ اسی روز مر گیا تھا زل، جب اس نے اپنی بیٹی کی کٹی پھٹی لاش دیکھی تھی۔ ایک بے روح جسم تھا جسے اٹھائے پھرتا تھا۔ اللہ نے اسے شاید اسی دن کے لیے زندہ رکھا تھا کہ اسے ہمارے لیے وسیلہ بننا تھا۔"

اختر بانو کی آنکھوں میں نمی تھی۔ زل نے ہاتھوں کی پشت سے اپنی آنکھیں پونچھیں، تب ہی ثمرہ اپنے کمرے سے باہر نکل کر لاؤنج میں آئیں اور چند لمحوں کے لیے اختر بانو کے سامنے کھڑی رہی۔

"یہ تم بار بار بیمار ہو جاتی ہو اختر بانو۔ ڈاکٹر سے کہتی کیوں نہیں ہو کہ کچھ ایسی دوا دیں کہ روز روز کی بیماری سے جان چھوٹے۔" زل کو ان کا لہجہ اور بات کرنے کا انداز اچھا نہیں لگا تھا لیکن اختر بانو نے نرمی سے کہا تھا۔

"ڈاکٹروں نے تو اپنا جو حیلہ کرنا تھا کر دیا۔ اب کسی کا بیمار ہونا ان کے اختیار میں تو نہیں ہوتا نا۔"

تب ہی بھاگی اس کے لیے چائے اور سلائس لے آئی تھی ساتھ میں بسکٹ بھی تھے۔

"تم آج بہت سوئیں کیا رات بھر جاگتی رہی تھیں۔" ثمرہ اب زل سے مخاطب تھی۔

"جی۔ سر میں درد تھا تو نیند نہیں آ رہی تھی۔"

pklibrary.com

"ظاہر ہے دن بھر اسپتالوں میں جو خوار ہونا پڑا۔" طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے وہ واپس کمرے میں چلی گئی تھیں اس نے اختر بانو کی طرف دیکھا۔

"یہ" لیکن اختر بانو نے ہاتھ کے اشارے سے اسے کچھ کہنے سے منع کر دیا۔ تو وہ کپ اٹھا کر گھونٹ گھونٹ کر کے چائے پینے لگی۔ کچھ بھی کھانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ کانوں میں چراغ سائیں کی آواز آرہی تھی۔

بابل میریاں گڈیاں......

تب ہی باہر سے بہت سے لوگوں کی آواز آئی پھر ہولے ہولے یہ آوازیں مدھم ہوتی گئیں۔ تو اس کی آنکھیں پھر نم ہونے لگی تھیں۔

"زنل! کچھ دیر سو جاؤ جا کر۔ بہت تھکی تھکی اور نڈھال لگ رہی ہو۔ آج زین نے بھی آنا ہے۔ تمہاری یہ حالت دیکھ کر پریشان ہو جائے گا۔ ایک دن میں سالوں کی بیمار لگنے لگی۔" اختر بانو صحیح ہی کہہ رہی تھیں۔ زین اس کی سوجی ہوئی آنکھیں اور اسے یوں نڈھال دیکھ کر پریشان ہو جائے گا اور ضرور اس کا سبب پوچھے گا تو کیا کہے گی وہ۔

"ٹھیک ہے پھپھو، میں کچھ دیر سو جاتی ہوں۔ یوں بھی سر بہت بوجھل ہو رہا ہے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور پھر دو تین گھنٹے کی نیند لے کر وہ خود کو بہت بہتر محسوس کرنے لگی تھی۔ اور جب باتھ لے کر ہلکی پھلکی تیار ہو کر اختر بانو کے کمرے میں آئی تو اختر بانو جو بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے جانے کیا سوچ رہی تھیں سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔

"ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہو زنل۔ ایسے ہی رہا کرو ہمیشہ" اور وہ جھینپ گئی تھی۔ اس نے تو بس لپ گلوز اور ہلکا سا بلشر لگایا تھا تا کہ وہ فریش لگے۔

"تم تو خوش ہو زنل اور میں تمہارے جانے سے بہت اداس ہو جاؤں گی اور اس اداسی کو یہ احساس اور بھی بڑھا رہا ہے کہ جانے سے پہلے تمہارے ساتھ۔"

"پلیز پھپھو" زنل ان کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔

"انکل نے کہا تھا نا کہ اس موضوع کو یہاں ہی ختم کر دیں تو آپ بھی بھول جائیں جو ہوا۔"

اختر بانو نے سر ہلایا، پھر بہت دیر تک وہ اور اختر بانو باتیں کرتی رہیں۔ اختر بانو اسے مریم کی صبوحی کی شاہ زیب کی اور ظفریاب کی باتیں بتاتی رہیں اس نے بہت دلچسپی سے سب سنا۔ ابا اور اماں کے متعلق جاننا اور سننا اسے اچھا لگتا تھا۔

جب بی بی اماں اور دادا جان بات کرتے تھے ان کے متعلق تو تب بھی وہ یوں ہی شوق سے سنا کرتی تھی۔ اس روز لنچ پر صرف گھر کی خواتین تھیں۔ شایان زین کو لینے حیدر آباد چلا گیا تھا جب کہ ثوبان شاہ اور زمان شاہ باہر مردانے میں ہی تھے۔ چراغ سائیں کے جنازے میں شامل ہونے والے علاقے کے لوگوں کے لیے کھانے کا انتظام کروایا گیا تھا۔ وہ لوگ عصر کے بعد ہی اندر حویلی میں آئے تھے۔

☆☆☆

آج حویلی میں بہت ہی خاموشی تھی۔ نہ بھاگی اور ماسی تاج کی باتوں کی آوازیں آرہی تھیں، نہ ہی سنہری کی گنگناہٹیں جب سے نعمان کی شادی کی تیاری شروع ہوئی تھی، وہ چلتے پھرتے گنگناتی رہتی تھی سب ہی چراغ سائیں کی وجہ سے اداس تھے اور خود اس کے لیے ایک ایک پل جیسے سالوں کا ہو گیا تھا۔ سردیوں میں دن چھوٹے ہوتے ہیں۔ بی بی اماں کہا کرتی تھیں کہ یہ سردیوں کے دن تو یوں پلک جھپکنے میں گزر جاتے ہیں، ادھر آنکھ کھلی اور ادھر شام ڈھلنے لگی لیکن اسے تو لگ رہا تھا جیسے آج کا دن بہت ہی لمبا ہو گیا ہو۔ شاید انتظار کے لمحے یوں ہی طویل ہو جایا کرتے ہیں۔ خدا خدا کر کے انتظار ختم ہوا سب لاؤنج میں بیٹھے زین اور شایان کا انتظار کر رہے تھے کہ ڈنر ان کے آنے پر ہی کرنے کا پروگرام تھا۔ لیکن شایان کے ساتھ مرتضیٰ کو آتے دیکھ کر بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

"زین نہیں آیا گیا۔" اس کی اس بے ساختگی

پر جہاں شایان اور اختر بانو کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی وہاں مرتضیٰ کی پیشانی پر شکن سی پڑی تھی۔

''زین نے منع کر دیا تو دادا جان نے مجھ سے کہا کہ تم چلے جاؤ۔'' وہ اس کی بات کا جواب دے کر سب سے ملنے لگا تھا لیکن زل کو جیسے تسلی نہیں ہوئی تھی۔

''وہ ٹھیک تو تھا نا۔''

''پاؤں پر معمولی سی چوٹ لگ گئی تھی اسی کا بہانہ بنا کر اس نے آنے سے انکار کر دیا۔'' مرتضیٰ جلے کٹے لہجے میں کہتے ہوئے بیٹھ گیا تھا۔

''کیسے چوٹ لگی زیادہ چوٹ تو نہیں ہے۔'' وہ بے قرار ہوئی تھی اسے مرتضیٰ کی بات پر یقین نہیں آیا تھا کہ چوٹ معمولی ہوگی چوٹ زیادہ ہی ہوگی، ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ زین دادا جان کو انکار کر دیتا۔

''بائیک سے گر گیا تھا۔ لیکن معمولی سی چوٹ تھی۔'' سرسری انداز میں کہتے ہوئے وہ ثوبان شاہ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا لیکن وہ پریشان ہو گئی تھی۔ اور اس کی پریشانی کو محسوس کرتے ہوئے اختر بانو نے اسے تسلی دی۔

''تم پریشان نہ ہو زل! مرتضیٰ صحیح کہہ رہا ہے۔ چوٹ معمولی ہوگی۔ احتیاطاً ابا جان نے منع کر دیا ہوگا سفر سے۔''

''جی۔ ایسا ہی ہوگا۔'' اس نے خود کو یقین دلایا تھا لیکن اس مایوسی کا کیا کرتی جو زین کے نہ آنے پر اسے ہوئی تھی۔ اس نے کھانا بھی بے دلی سے کھایا تھا۔ دل بھر بھر آ رہا تھا۔ لیکن وہ سب کے ساتھ ہی ٹیبل سے اٹھی تھی۔

''صبح فجر کے بعد یہاں سے نکلیں گے۔ آپ تیار ہو جائیے گا۔'' ٹیبل سے اٹھتے اٹھتے شایان نے اس سے کہا تو اس نے سر ہلا دیا ثمرہ نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''تم انہیں حیدر آباد چھوڑنے بھی جاؤ گے۔ ڈرائیور چلا جائے گا۔ لینے تو خیر تم چلے گئے تھے کہ ڈرائیور مرتضیٰ کو نہیں پہچانتا۔''

''جی امی! میں نے مرتضیٰ بھائی سے کہا ہے کہ میں واپسی پر بھی انہیں اسٹیشن تک چھوڑنے آؤں گا۔''

ثمرہ کو جواب دے کر وہ ثوبان شاہ سے کوئی بات کرنے لگا تھا وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ آج رات پھر نیند نہیں آنے والی تھی۔ کچھ دیر وہ یوں ہی بیڈ پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھی رہی پھر سنہری کو دیکھنے کے لیے اٹھی کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ وہ آ جاتی تو وہ بھی سونے کی کوشش کرتی۔ سنہری کچن میں بھاگی کے ساتھ مصروف تھی۔

''وہ ماسی تاج کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ ان کے سر میں درد تھا۔ چراغ چاچا کے مرنے کا سن کر بہت روئی تھیں نا تو بھاگی نے کہا میں کچن سمیٹنے میں ان کی مدد کر دوں۔ بس ابھی دس منٹ میں آتی ہوں۔''

''زل''

شایان نے جو مرتضیٰ کو گیسٹ روم میں چھوڑ کر آ رہا تھا، اسے کچن سے نکل کر لاؤنج کی طرف جاتے دیکھ کر بے اختیار آواز دی۔ زل رک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''آپ مرتضیٰ کے ساتھ نہیں جانا چاہتیں تو میں بڑی امی سے کہتا ہوں کہ وہ مرتضیٰ بھائی اور نانا جان سے کہہ دیں کہ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لیے وہ آپ کو چند روز بعد بھیجیں گی۔ بعد میں آپ کو میں چھوڑ آؤں گا۔''

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' وہ شایان کی اس گہری نظر اور مشاہدے پر حیران ہوئی تھی۔

''شیور'' شایان نے بغور اسے دیکھا۔

''شیور'' وہ مدھم سا مسکرائی تھی۔

''دراصل جب میں جا رہا تھا تو آپ کے چہرے پر جو چمک تھی اور آنکھوں میں جو جگمگاہٹ تھی مرتضیٰ بھائی کو دیکھ کر یکدم وہ چمک مفقود ہو گئی تھی تو۔''

''ہاں مایوسی تو ہوئی ہے۔'' اس نے اعتراف کیا تھا۔

"جب آپ کسی اور کے منتظر ہوں اور کوئی دوسرا آجائے تو مایوسی ہونا فطری ہے۔ اور وہ "کسی اور" بہت خاص ہو۔" شایان ہولے سے ہنسا تھا۔

"سب کچھ بھلا کر شادی پر ضرور آیے گا۔"

شایان نے کہا تو اس نے کہا تھا ان شاء اللہ ضرور آؤں گی لیکن پھر وہ شادی پر نہیں جا سکی تھی۔ شاہ زیب کی طبیعت اچانک ہی خراب ہو گئی تھی۔ بہت تیز بخار تھا۔ اور پورے جسم میں بے تحاشا درد۔ بی بی اماں اور شینو بابا تو ویسے بھی نہیں جا رہے تھے۔ وہ بھی رک گئی تھی۔ شانزہ بھی نہیں جانا چاہتی تھی لیکن سحرش اسے زبردستی ساتھ لے گئی تھی کہ دل بہل جائے گا۔

☆☆☆

"ارے زمل، تم کب آئی ہو اسکول سے۔"

مہرین کی آواز پر زمل نے چونک کر سامنے دیکھا۔ مہرین سیڑھیوں سے اتر رہی تھی اور اس کے پیچھے سحرش بھی تھی۔

"ابھی کچھ دیر پہلے ہی آئی ہوں۔"

"دادا جان کی طبیعت کیسی ہے اب۔" مہرین سیڑھیاں اتر کر اب برآمدے میں آ گئی تھی۔

"میں جب آئی تو دادا جان سو رہے تھے۔" زمل نے اس کی طرف دیکھا۔

"اچھا میں دیکھتی ہوں اگر جاگ رہے ہوں گے۔"

"سب ٹھیک ہے نا زمل۔"

"ہاں" اس نے سر ہلایا لیکن پتا نہیں سب ٹھیک بھی تھا یا نہیں۔ اسے پھر مرتضیٰ کی بات یاد آئی تھی۔ مرتضیٰ نے کہا تھا۔

"مجھے لگتا ہے زمل، کہ زین کسی اور میں انٹرسٹڈ ہے۔ کسی اور لڑکی میں۔ اسی لیے وہ شادی میں ٹال مٹول کر رہا ہے۔ ورنہ دادا جان نے ظفر چچا سے سب طے کر لیا تھا اور انہوں نے یہاں آنے کا پروگرام بھی بنا لیا تھا لیکن پھر جب زین نے دادا جان سے کہا کہ وہ فی الحال شادی نہیں کرنا چاہتا تو ظفر چچا نے بھی اپنا پروگرام کینسل کر دیا ہے۔"

وہ جو کھڑکی کے فریم پر کہنی ٹکائے ٹرین کے ساتھ بھاگتے دوڑتے درختوں کو دیکھ رہی تھی، چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی اب تک کے سفر میں مرتضیٰ کی یہ پہلی بات تھی جو اس نے کچھ دھیان سے سنی تھی اور پھر بے دھیانی سے پوچھا تھا۔

"اچھا کس لڑکی میں۔"

"پتا نہیں یہ تو مجھے معلوم نہیں لیکن مجھے اندازہ ہے کہ وہ تم سے اپنا رشتہ ختم کرنا چاہتا ہے۔"

"اچھا لیکن میں تو اس سے اپنا رشتہ ختم نہیں کرنا چاہتی۔ وہ بھلے جس میں بھی انٹرسٹڈ ہو۔" بے نیازی سے کہتے ہوئے وہ پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی اور مرتضیٰ اس کے ردعمل پر اسے حیران سا دیکھتا رہ گیا تھا۔

"آج اتنی دیر کیوں ہوئی۔" سحرش ابھی تک اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"پرنسپل صاحبہ کے ساتھ میٹنگ تھی اس لیے۔"

"مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمہیں جاب کی ایسی کیا مجبوری تھی اور وہ بھی ایک پرائیویٹ اسکول میں۔ میری ایک فرینڈ کی بڑی بہن نے کچھ عرصہ تک پڑھایا تھا ایک پرائیویٹ اسکول میں۔ وہ کہتی ہیں کہ یہ پرائیویٹ اسکول والے بندے کی کھال اتار لیتے ہیں۔ کام گدھوں کی طرح لیتے ہیں اور سیلری معمولی سی۔"

سیلری تو واقعی معمولی سی تھی اور اسے جاب کی ضرورت بھی نہ تھی شاہ زیب کے حصے کا جو مارکیٹ کا کرایہ آتا تھا، دادا جان اس کے اکاؤنٹ میں جمع کروا دیتے تھے۔ گھر کا سارا خرچ تو دادا جان چلاتے تھے۔ زین کے حصے کی رقم بھی اس کے اکاؤنٹ میں جمع ہو رہی تھی لیکن شاید وہ کچھ ایسی مصروفیت چاہتی تھی کہ جس میں کھو کر وہ زین کے اس رویے کی تلخی بھول جائے اسی لیے جب توبیہ نے اس سے کہا کہ اس کی ایک دوست، جو ایک پرائیویٹ اسکول میں پڑھاتی ہے وہ اپنی والدہ کی بیماری کی وجہ سے ایک دو ماہ کی چھٹی لینا چاہتی ہے لیکن اسکول کی انتظامیہ نے

pklibrary.com

کہا ہے کہ وہ اپنا متبادل دے تو تب ہی اسے چھٹی مل سکتی ہے کیونکہ بچوں کے اگزام ہونے والے ہیں۔ اگر تم ایک دو ماہ پڑھا لو تو۔

اور وہ فوراً ہی تیار ہو گئی تھی پھر دادا جان نے بھی اجازت دے دی تھی۔ یوں اسکول میں بچوں کے ساتھ اچھا وقت گزر جاتا تھا۔

"تمہیں اگر جاب ہی کرنی ہے زنل، تو پبلک سروس کمیشن کا امتحان دو اور کسی گورنمنٹ کے اسکول یا کالج میں جاب کرو۔" سحرش نے اسے خاموش دیکھ کر مشورہ دیا۔

"میں نے تو سوچ رکھا ہے کہ اگر مجھے جاب کرنی ہوئی تو بس گورنمنٹ کی ہی جاب کروں گی۔"

"لیکن تمہیں تو جاب کرنا کبھی بھی پسند نہیں رہا۔"

زنل جانتی تھی کہ وہ اکثر کہا کرتی تھی کہ اسے جاب کرنا قطعی پسند نہیں ہے اگر کوئی انتہائی مجبوری نہ ہو تو لڑکیوں کو جاب نہیں کرنی چاہیے گھر میں رہ کر عیش کریں۔ نہ کہ اپنے کندھوں پر دوہری ذمہ داری اٹھا کر وقت سے پہلے ہی بوڑھی ہو جائیں۔ بے چاری آج کی عورت مجھے بڑی مظلوم لگتی ہے۔ دفتر میں سر کھپا کر آتی ہے تو پھر گھر میں جت جاتی ہے۔

"وہ تو خیر اب بھی پسند نہیں ہے لیکن مجبوری میں اگر کرنی پڑی تو پھر گورنمنٹ جاب ہی کروں گی۔ اور مجھے لگتا ہے کہ مجھے جاب کرنا ہی پڑے گی۔ بی بی اماں کہتی ہیں نا کہ بڑے بول نہیں بولنے چاہئیں اپنے سامنے آجاتے ہیں کبھی۔"

"ایسا کیا ہو گیا ہے سحرش! کیا مجبوری آپڑی ہے تمہیں۔" زنل سحرش کی بات سن کر حیران ہوئی تھی اپنی جاب کی وجہ سے کچھ اپنی پریشانی کی وجہ سے شاید اسے گھر کے بہت سے معاملات کا علم نہیں ہوتا تھا۔

"ابھی تو کوئی ایسی مجبوری نہیں ہے لیکن یہ جو میری اماں کے ارادے ہیں نا۔ مجھے کسی امیر کبیر خاندان میں بیاہنے کے۔ یہ ضرور مجھے مجبور کر دیں گے۔ جاب کرنے پر۔ آج کل ایک بالکل عقیل بھائی کے خاندان کی کاپی خاندان سے رشتہ آیا ہوا ہے میرے لیے۔ ویسے ہی نو دو لیتے۔ موصوف بی۔اے پاس ہیں۔ اور اماں صاحبہ پورے دل و جان سے ان پر فدا ہوئی جاتی ہیں۔ ہائے سحری، کیا بتاؤں کتنا بڑا گھر ہے ان کا اور اتنا بڑا کچن، اتنے شان دار واش روم۔"

اس نے میمونہ تائی کے لہجے کی نقل اتاری۔

"تو میری جان زنل، عقیل بھائی کے جیسے بندے سے شادی کرنے سے بہتر ہے کہ میں ساری عمر شادی نہ کروں اور جاب کر کے اپنی زندگی گزار دوں کیونکہ اماں اس سے کم پر راضی نہیں ہوں گی۔ اور میں نے تو ان سے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ مجھے کسی ایسے نو دو لیتے سے شادی نہیں کرنی۔ اماں کے دماغ میں تو بس یہ خیال بیٹھ گیا ہے کہ میری بیٹی رخصت ہو کر کسی محل میں جائے رخسانہ کی بیٹیوں کی طرح نہ کہ ماہ وش کی طرح ایک کمرے سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی جائے۔

دراصل یہ جو میری اماں ہیں نا ان کے اندر تھوڑی سی جیلسی ہے کہ شانزہ اور مہرین کا رشتہ اتنے امیر لوگوں میں ہوا تو کم از کم میرا تو وہ کسی ایسے ہی گھر میں کریں۔ محل جیسا گھر۔ آگے پیچھے نوکروں کی فوج بھیجا تو تھا محل جیسے گھر میں شانزہ کو۔ آ گئی نا واپس۔ اس محل سے تمہیں کیا بتاؤں زنل، جب وہ آئی تھی تو کیا حالت تھی اس کی۔ نیلو نیل ہو رہی تھی۔ تم تو یہاں نہیں تھیں اور وہ اوپر اپنے گھر جانے کے بجائے تمہارے پاس آئی تھی۔ میں اور مہرین یہاں صحن میں کھڑے تھے۔ اس نے مہرین سے کہا مجھے زنل کے پاس لے چلو کہ اس نے مجھے کہا تھا کہ جب بھی تمہیں لگے کہ تمہیں کسی کی ضرورت ہے تو میرے پاس آ جانا۔"

"ہاں میں نے کہا تھا کہ مجھے لگتا تھا کہ وہ خوش نہیں ہے وہ تکلیف میں ہے۔" اس سے زنل نے شانزے کا دکھ اپنے دل میں اترتے ہوئے محسوس

pklibrary.com

کیا۔ لیکن سحرش نے اس کی بات پر دھیان نہیں دیا تھا۔ وہ جب بولنے پر آئی تو بولتی ہی چلی جاتی تھی۔

"وہ جیسے اپنے آپ میں نہیں تھی۔ تمہارے بیڈ پر بیٹھتے ہی وہ اپنے حواس کھو بیٹھی تھی پتا نہیں یہاں تک وہ کیسے پہنچی تھی۔ مہرین اسے آوازیں دے رہی تھی لیکن وہ تو آنکھیں ہی نہیں کھول رہی تھی میں دوڑ کر بی اماں کو بلا لائی اور پھر سب ہی آ گئے تھے۔ تایا ابا، ابا جان، شاہ رخ بھائی سب ہی غصے میں تھے۔ بلال تو کہتا تھا میں اسے گولی مار دوں گا۔ دادا جان نے سمجھایا کہ شانزہ ابھی حواس میں نہیں ہے۔ اس کی طبیعت ذرا سنبھل جائے اس سے ساری حقیقت معلوم کر کے آرام سے جا کر بات کریں گے۔

اس روز میں اور مہرین تمہارے کمرے میں ہی سوئے تھے۔ مہرین نے اسے نیند کا انجکشن لگا دیا تھا اور درد کا بھی پھر بھی وہ ساری رات بے چین ہی رہی تھی۔ رخسانہ تائی اور تایا جان آدھی رات تک یہاں ہی بیٹھے رہے تھے۔ مہرین نے مشکل سے انہیں سونے کے لیے بھیجا تھا۔ وہ بڑی اذیت ناک رات تھی مہرین شانزہ کی حالت دیکھ کر بار بار رونے لگتی تھی۔"

مہرین یہ ساری باتیں زنل کو بتا چکی تھی اور بی بی اماں نے بھی بتایا تھا لیکن وہ پھر بھی خاموشی سے سحرش کو سن رہی تھی۔

"پتا ہے زنل! اس روز عقیل بھائی کے والدین اور بھائی بھابی فیصل آباد کسی عزیز کے ہاں شادی میں شرکت کے لیے گئے ہوئے تھے اور عقیل بھائی نہ صرف یہ کہ اپنی دوسری بیوی کو گھر لے کر آ گئے تھے بلکہ انہوں نے شانزہ کو اپنے بیڈ روم سے بھی نکال دیا تھا کہ دو تین روز تک وہ گیسٹ روم میں جا کر رہے۔ شانزہ نے کہا تھا کہ وہ اپنے بیڈ روم سے نہیں جائے گی۔

وہ اپنی بیوی کے ساتھ گیسٹ روم میں چلا جائے۔ لیکن عقیل بھائی نے شانزہ کو مارنا شروع کر دیا۔ لاتیں، مکے، ٹھڈے اور پھر بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے گیٹ تک لے آئے کہ نکل جاؤ میرے گھر سے اسی وقت۔ شانے نے بتایا تھا وہ نشے میں تھا۔ گارڈ نے شانزہ کو رکشہ لا کر دیا تھا۔ رکشے کا کرایہ بھی اس نے اپنے پاس سے رکشے والے کو دیا تھا۔"

سحرش کی آواز بھرا گئی تھی اور وہ خاموش ہو گئی تھی۔ بی بی اماں نے اسے بتایا تھا کہ عقیل کے والدین نے یہ کہہ کر جان چھڑا لی تھی کہ انہیں عقیل کی دوسری شادی کا علم نہیں اور وہ میاں بیوی کے معاملات میں دخل نہیں دیتے۔ کچھ غلطی آپ کی لڑکی کی بھی ہو گی۔ ورنہ ہمارا بیٹا اتنا جاہل نہیں ہے کہ بیوی پر ہاتھ اٹھائے۔ اس وقت تو وہ ملک سے باہر گیا ہوا ہے جب آئے گا تو بات کریں گے۔

اور اورنگ زیب بیگ نے کہا تھا کہ آپ کا بیٹا جاہل نہیں ایک وحشی جانور ہے۔ ہمیں اپنی بیٹی کو اب یہاں نہیں بھیجنا آپ اپنے بیٹے سے کہیں ہماری بیٹی کو طلاق دے دے۔ اور عقیل نے طلاق دینے سے انکار کر دیا ہے۔

آج تایا جان نے وکیل کی طرف جانا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ اگر عقیل طلاق نہیں دے رہا تو وہ خلع لے لیں گے لیکن شانزہ نے منع کر دیا۔" سحرش نے کچھ دیر بعد کہا تو وہ چونکی۔

"کیوں شانزہ نے کیوں منع کیا۔"

"وہ کہتی ہے کہ اسے عدالتوں میں ذلیل نہیں ہونا۔ اور یہ کہ وہ طلاق دے یا نہ دے اسے فرق نہیں پڑتا۔ اسے کون سا شادی کرنا ہے۔

تم سمجھاؤ نا اسے زنل، وہ تمہاری بات سنے گی شاید۔ زندگی ایسے نہیں گزرتی۔ وہ اتنی پیاری ہے۔ خلع لے لے گی تو رخسانہ تائی کہتی ہیں کہ وہ اس کی شادی کر دیں گی۔"

"بات کروں گی اس سے۔ لیکن ابھی اسے کچھ سنبھلنے تو دو سحرش۔" تب ہی بی بی اماں اپنے کمرے سے نکل کر برآمدے میں آ گئیں۔

pklibrary.com

تم ابھی تک یہاں ہی بیٹھی ہو زنل۔

"تم لوگ عصر کی نماز پڑھ لو تو میں اتنے میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" بی بی اماں کچن کی طرف بڑھیں تو مہرین دادا جان کے کمرے سے نکلی۔

"دادا جان کا بی۔پی اب نارمل ہے۔"

"شکر ہے اللہ کا۔" بی بی اماں کے لبوں سے نکلا۔

"ذرا سا کسی کو کچھ ہو تو میری تو جان پر بن آتی ہے۔"

"میں دادا جان کو سلام کر آؤں تم ادھر بیٹھو یا میرے کمرے میں چلی جاؤ۔ چائے پی کر اوپر چلتے ہیں شانزہ کی طرف۔"

"ٹھیک ہے۔"

مہرین سحرش کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔ وہ دونوں عصر کی نماز پڑھ کر ہی نیچے آئی تھیں۔

"تمہیں کیا ہوا ہے سحری۔" مہرین کو وہ بے حد اداس سی لگی تھی۔

"کچھ نہیں ہم شانزے کے متعلق باتیں کر رہے تھے تو مہرو، تمہارا کیا خیال ہے۔ اگر عقیل بھائی خود سے طلاق نہیں دیتے تو شانزہ کو خلع لے لینا چاہیے۔ یہ تو طے ہے نا کہ شانزہ کو اب ان کے ساتھ نہیں رہنا۔"

"ہاں وہ اب واپس نہیں جائے گی سحرش، لیکن تم نہیں جانتیں جب عورت خلع کے لیے کیس دائر کرتی ہے تو مرد اس کے کردار کے متعلق الٹی سیدھی باتیں کرتا ہے اور جانے کیا کیا الزامات لگاتا ہے اور شانے کو اس بات سے ڈر لگتا ہے وہ کہتی ہے ایک بار اس نے وہاں عدالت میں میرے کردار پر انگلی اٹھائی تو میں تو وہاں ہی مر جاؤں گی۔ دعا کیا کرو سحری، کہ عقیل خود ہی طلاق بھجوادے۔ ورنہ وہ گھٹیا آدمی جو ویسے بھی شانزے کو عمر بھائی کا نام لے کر ٹیز کرتا تھا وہاں اگر اس نے عمر بھائی کا نام لے دیا تو...... عمر بھائی بے چارے کا کیا قصور۔ وہ خوامخواہ بدنام ہو جائیں گے۔ ان کی اماں ان کا رشتہ ہی تو لائی تھیں نا شانزے کے لیے اور لڑکیوں کے تو کئی رشتے آتے ہیں اور۔"

"عمر بھائی نے ابھی تک شادی نہیں کی مہرو۔ اگر خلع یا طلاق ہو جائے تو اماں رقیہ خالہ سے بات کر سکتی ہیں۔ عمر بھائی بہت اچھے ہیں ہماری شانے ان کے ساتھ بہت خوش رہے گی۔"

سحرش کو اندازہ تھا کہ عمر اور شانزہ ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔

"پتا نہیں یار۔ اب رقیہ خالہ عمر بھائی کے لیے کیا سوچ رہی ہیں۔ جب انہوں نے شانزہ کا رشتہ مانگا تھا تب اس کی شادی نہیں ہوئی تھی، شاید وہ اپنے بیٹے کا رشتہ ایک طلاق یافتہ لڑکی سے نہ کریں اور میرا خیال ہے شانزہ بھی نہیں مانے گی۔"

مہرین نے اپنا خیال ظاہر کیا تو سحرش نے اب کے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اور زنل کے فارغ ہو کر آنے تک وہ وہاں ہی بیٹھی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں۔

بی بی اماں نے چائے وہاں ہی لگادی تھی۔ اور زنل کے خیال سے کہ اس نے دن میں بھی کھانا نہیں کھایا تھا۔ چائے کے ساتھ کباب، سموسیاں اور نمکو وغیرہ بھی لے آئی تھیں۔ چائے پی کر وہ تینوں اوپر شانزہ کے پاس آ گئیں۔

☆☆☆

شانزہ اپنے اور مہرین کے مشترکہ کمرے میں بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی، گھٹنوں پر جمیلہ ہاشمی کی "دشت سوس" کھلی پڑی تھی۔ یہ کتاب وہ پہلے بھی پڑھ چکی تھی۔ بس یوں ہی وقت گزاری کے لیے اٹھالی تھی اور اب نہ جانے کب سے ایک ہی صفحہ بار بار پڑھ رہی تھی لیکن ذہن میں جیسے کچھ بیٹھ ہی نہیں رہا تھا۔ پورا صفحہ پڑھنے کے بعد وہ پھر پہلی لائن سے شروع کر دیتی تھی۔

اس نے پھر پڑھنا شروع کیا۔ جملہ مکمل کرنے کے بعد وہ پھر پہلے لفظ پر پلٹ آئی تو جھنجلا کر اس نے کتاب بند کر دی۔ تب ہی زنل اور سحرش نے نیم وا دروازے سے اندر جھانکا۔

pklibrary.com

"کیا ہو رہا ہے شانزے؟" سحرش نے پوچھا۔
اس نے سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے گود میں رکھی کتاب اٹھا کر اسے دکھائی۔
"آجاؤ۔"
"تم اور زِل باتیں کرو میں ابھی آتی ہوں۔ اماں جان کے حضور حاضری دے آؤں ورنہ وہ سمجھیں گی ابھی تک نیچے ہی بیٹھی ہوں۔" سحرش وہاں سے ہی واپس مڑ گئی۔
"کیسی ہو شانے۔" زِل اس کے پاس ہی بیڈ پر آکر بیٹھ گئی۔
"اتنے سارے دن ہو گئے تمہارے پاس آ کر بیٹھنے کا وقت ہی نہیں ملا۔ بچوں کے پیپرز ہو رہے تھے تو گھر آ کر بھی دیر تک چیک کرتی رہتی تھی۔"
"ابھی تجربہ نہیں ہے نا تمہیں۔ ورنہ میں نے اپنی ایک دوست کی بہن کو دیکھا تھا اتنی جلدی جلدی پیپرز چیک کر رہی تھیں کہ مجھے لگتا تھا جیسے پڑھے بغیر ہی چیک کیے جا رہی ہوں۔" شانزہ مدھم سا مسکرائی لیکن اس کی آنکھیں بجھی بجھی اور بے رنگ سی تھیں۔
"شانے" زِل نے بے اختیار اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔
"بہت ساری باتیں انسان کے اختیار میں نہیں ہوتی ہیں ان کا درد اور کرب اپنی جگہ پر۔ کچھ خسارے اور کچھ نقصان ایسے ہوتے ہیں جو کبھی پورے نہیں ہوتے۔ جانتی ہوں تم نے بہت تکلیف بہت اذیت اٹھائی ہے۔ یہ زخم بھرنے میں بہت وقت لگے گا۔ زخم بھر بھی گئے تو جب جب وہ اذیت یاد آئے گی تو ان زخموں سے ٹیس اٹھے گی لیکن زندگی پھر دوبارہ نہیں ملے گی۔ تم اس زندگی کو جینے کی کوشش کرو۔ خود کو کمرے میں کیوں بند کر لیا ہے۔ سب کے ساتھ مل کر بیٹھا کرو۔ جو تمہارے ساتھ ہوا اس میں تمہارا تو کوئی قصور نہیں تھا۔"
"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو زِل لیکن مجھے لگتا ہے جیسے میں ایک ناکام عورت ہوں۔ میں بس نہیں سکی۔ میں نے اپنے والدین کو دکھ دیا۔ لیکن یقین کرو ملی، میں نے بہت کوشش کی میرا گھر نہ ٹوٹے۔ عقیل نے تو پہلے ہی روز مجھے ریجیکٹ کر دیا تھا۔ کمرے میں آتے ہی اس نے کہا تھا۔
مجھے تم جیسی خود پسند اور مغرور لڑکیاں پسند نہیں ہیں۔ جنہیں اپنی سولہ جماعتوں پر بہت ناز ہوتا ہے۔ میں حیران سی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔ میں نہ تو خود پسند تھی اور نہ مغرور پھر وہ ایسا کیوں کہہ رہا تھا شاید اس لیے کہ میں نے فون پر اس سے بات کرنے سے انکار کر دیا تھا اور ایک دو بار اس نے مہرین سے کہا تھا کہ وہ مجھے ڈنر پر ساتھ لے کر جانا چاہتا ہے لیکن میں نے منع کرا دیا تھا۔ تم ہی بتاؤ زِل، میرا اس سے کوئی محرم رشتہ تو تھا نہیں جو میں اس کے ساتھ ڈنر پر جاتی۔ ابا جان اور دادا جان کو بھی پسند نہ آتا۔"
وہ زِل کو آج پہلی بار یہ سب بتا رہی تھی۔ زِل نے اس کے ہاتھ ذرا سا دبا کر اسے خاموش تسلی دی تھی۔ اس کا ہاتھ ابھی تک زِل کے ہاتھ میں تھا۔
سب نے ہی مجھے سراہا تھا یہاں بھی اور وہاں بھی لیکن وہ بے حد سپاٹ نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔
"تمہیں تو میری ماں کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انہوں نے تمہیں میرے لیے پسند کیا۔ ورنہ میرے لیے تو بڑے صنعت کاروں اور جاگیرداروں کے گھر سے رشتے آ رہے تھے۔ ایم این اے اور ایم۔ پی۔ اے بھی مجھے اپنی بیٹی کا رشتہ دینے کے خواہش مند تھے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میری ماں میرے لیے موچی دروازے، بانس بازار اور ذکی دروازے جیسے علاقوں میں لڑکیاں دیکھ رہی تھی۔ اسے شوق تھا اندرون شہر سے میرے لیے دلہن لانے کا بقول ان کے اندرون شہر کی لڑکیاں گھر بسا کر رہتی ہیں۔ تو تم جو یہاں ہو تو صرف میری ماں کی وجہ سے ہو۔
تمہارے لیے تو وہ لڑکا کیا نام بتایا تھا تمہاری خالہ نے عمر...... ہاں عمر اعجاز۔ وہ ہی مناسب تھا۔ اب میری قسمت کہ میرا رشتہ جب تمہارے لیے آیا تو

pklibrary.com

عمر کا رشتہ بھی زیر غور تھا تو ظاہر ہے میرے مقابلے میں پھر وہ بے چارہ مار کھا گیا۔ سنا ہے تمہارے گھر کافی آنا جانا تھا اس کا۔ تمہاری دوستی ہوگی۔ سچ بتاؤ کتنا اور کیسا تعلق تھا اس کے ساتھ۔ لڑکوں کے ساتھ یونی ورسٹی میں پڑھنے والی لڑکیوں کی تو لڑکوں سے بہت دوستی ہوتی ہے۔ تمہاری کن کن کے ساتھ دوستی تھی اس عمر اعجاز کے علاوہ۔" اس کی ویران اور خشک آنکھوں میں نمی سی چمکی تو زل نے ہاتھ چھوڑ کر اسے ساتھ لگالیا۔

"تم دیکھنا شانے! وہ بہت پچھتائے گا۔ اس نے تمہارے ساتھ اچھا نہیں کیا تو اس کے ساتھ بھی برا ہوگا بہت برا۔"

"وہ ڈرنک کرتا تھا نشے میں مارتا تھا مجھے۔ جو چیز ہاتھ میں آتی اٹھا کر ماردیتا تھا۔ وہ مجھے مجبور کرتا تھا کہ میں اقرار کرلوں کہ میرا عمر کے ساتھ کوئی چکر تھا۔" وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

"کئی بار میں نے سوچا کہ واپس گھر لوٹ آؤں۔ کبھی مڑ کر نہ جاؤں لیکن پہلے ابا جان اور اماں جان کا خیال روک دیتا کہ وہ دکھی ہوں گے اور پھر اس روح نے میرے پاؤں میں زنجیریں ڈال دیں جس نے میرے اندر سانس لینا شروع کیا تھا۔ لیکن پھر ایک روز اس نے مجھے اس بری طرح مارا کہ وہ دنیا میں آنے سے پہلے ہی چلا گیا پھر بھی میں اپنا گھر بسانے کی کوشش کررہی تھی اور اس روز بھی میں تمہارے پاس آئی تھی کہ چند دن تمہارے پاس رہ کر چلی جاؤں گی لیکن۔"

آنسو اس کی پلکوں کے کنارے پر آکر ٹھہر گئے تھے اس نے انگلی کی پور سے انہیں پونچھا۔

"تم زندگی کو پھر سے شروع کرو شانے۔ اس ظالم انسان کے ساتھ جو وقت گزرا، سمجھو وہ تمہاری زندگی کی کتاب کا ایک سیاہ باب تھا جو بند ہوگیا۔ تایا جان سے اجازت لے کر جاب کرلو۔ یا پھر ایم فل کرلو۔ تمہیں تو بہت شوق تھا۔ ایم فل اور پی ایچ ڈی کرکے اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر لگانے کا۔ ایسا کرتے ہیں کل دونوں چلتے ہیں، یونی ورسٹی اور معلومات لے کر آتے ہیں۔ ساری۔ بلکہ میں بھی ایم فل کرلیتی ہوں۔ پھر کسی کالج میں جاب مل جائے گی۔"

"لیکن وہ تمہاری شادی......"

"فی الحال نہیں ہو رہی......" زل نے اس کی بات کاٹی۔

"تو پھر ڈن کل چلتے ہیں۔ اسکول سے کل چھٹی ہے مجھے۔"

"یہ اکیلے اکیلے کہاں جانے کا پروگرام بن رہا ہے۔" سحرش نے اندر آتے ہوئے پوچھا۔ مہرین بھی اس کے ساتھ آئی تھی۔

اور پھر ان کا جواب سنے بغیر خود ہی پروگرام بنانے لگی۔

"کل ہم انارکلی جائیں گے بانو بازار سے فروٹ چاٹ کھائیں گے، بہت ساری املی کے ساتھ پھر ملک شیک پئیں گے اور تم شانزہ اور نگ زیب ہمیشہ کی طرح اردو بازار سے اپنی پسند کی کوئی کتاب لینا اور پھر تھوڑی سی ونڈو شاپنگ کریں گے اور......"

"بس اتنا کافی ہے۔" زل نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"تو پھر طے ہے نا۔"

سحرش نے شانزہ کی طرف دیکھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں میرا دل نہیں چاہتا کہیں جانے کا۔"

"تو دل کو سمجھاؤ نا۔" سحرش نے شانزہ کے لیے ہی تو یہ پروگرام بنایا تھا۔ اندر آنے سے پہلے وہ مہرین سے کہہ رہی تھی شانزہ کو اس کیفیت سے باہر نکالنے کے لیے کہیں چلتے ہیں باہر۔

"چلتے ہیں شانے، میں نے بھی کافی دنوں سے کوئی کتاب نہیں لی۔" زل نے بھی اصرار کیا اور یوں اگلے دن انارکلی جانے کا پروگرام طے پا گیا۔ اور پھر مغرب کی نماز پڑھ کر ہی زل نیچے آئی تھی نماز پڑھ کر کچھ دیر وہ مونا اور رخسانہ تائی کے پاس بیٹھی تھی اور جب مغربی سیڑھیوں کا موڑ مڑتے ہوئے اس کی نظر

pklibrary.com

صحن کی طرف اٹھی تو چند لمحوں کے لیے ٹھٹک کر رک گئی۔ آج وہ مونا تائی کے کمرے سے نکل کر صبوحی چچی کے کچن کے ساتھ والی سیڑھیوں سے آ رہی تھی۔ صحن میں جہاں زیب بیگ اپنے سامنے بیٹھے طیب اور ضیاء سے کچھ کہہ رہے تھے۔ جب سے وہ پھپھو کے گھر سے واپس آئی تھی آج پہلی بار وہ لوگ یہاں آئے تھے۔ بی بی اماں کو آزین نے بتایا تھا کہ ضیاء کے والدین اپنی بیٹی کے پاس شارجہ گئے ہوئے ہیں۔ اس لیے ایک دو بار ضیاء کے گھر میں ہی سب اکٹھے ہو گئے تھے۔ شاید ضیاء کے امی ابو واپس آ گئے ہیں یا پھر ضیاء اور طیب دادا جان سے ملنے آئے ہیں دل ہی دل میں سوچتے ہوئے وہ نیچے اترنے لگی۔ سب سے پہلے جہاں زیب بیگ کی ہی اس پر نظر پڑی تھی۔

''آؤ...... آ جاؤ بچے بڑی دیر لگا دی...... سب ٹھیک تھے اوپر۔''

''جی دادا جان! بس یوں ہی شانزے کے پاس بیٹھ گئی تھی۔''

دادا جان کو بتا کر اس نے طیب اور ضیاء کو سلام کیا اور برآمدے کی طرف بڑھی۔ برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ کر جوں ہی اس نے برآمدے میں قدم رکھا آزین، شاہ زیب بیگ کے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ شاہ زیب بیگ کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ دونوں کی نظریں بے اختیار ایک دوسرے کی طرف اٹھیں۔ آزین نے فوراً ہی نظریں جھکا لی تھیں لیکن وہ چند لمحے یوں ہی اس کی طرف دیکھتی رہی۔ کیا تھا ان نظروں میں، بیگانگی، اجنبیت اور شکایت، دل میں اٹھتی ٹیس کو دباتے ہوئے وہ بے اختیار ان کی طرف بڑھی تھی۔

''السلام علیکم۔''

''کیسی ہے میری بیٹی۔'' شاہ زیب رک گئے تھے۔

''ٹھیک ہوں ابا۔'' دل کھل سا اٹھا تھا۔ اس وقت وہ بالکل نارمل لگ رہے تھے۔ ان دنوں ان کی صحت بھی کافی اچھی ہو گئی تھی۔ شیخو بابا انہیں باتوں میں لگا کر کافی کچھ کھلا دیتے تھے۔ ورنہ جب وہ ان کے لیے کھانا لے کر جاتی تھی، تھوڑا سا کھا کر چھوڑ دیتے تھے۔ ڈاکٹر ارسلان کہتے تھے وہ بہت تیزی کے ساتھ ذہنی صحت کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ایک روز بالکل نارمل ہو جائیں گے۔

''میں تمہیں آج سارا دن ڈھونڈتا رہا کہاں چلی جاتی ہو تم۔''

''میں نے جاب کر لی ہے ابا۔ اسکول میں بچوں کو پڑھاتی ہوں۔''

اس نے شاہ زیب کا ہاتھ تھام لیا۔ آزین صحن کی طرف بڑھ گیا۔

''بچوں کے ساتھ سر کھپا کر تھک جاتی ہو گی۔ اور پھر گھر کا کام بھی تو ہوتا ہے نا۔'' شاہ زیب شفقت سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''نہیں میں بالکل بھی نہیں تھکتی۔ بچوں کے ساتھ بہت اچھا وقت گزر جاتا ہے۔'' ابا جب بھی اس سے بات کرتے اسے اچھا لگتا تھا۔ آج کل کبھی کبھار وہ اس سے باتیں کرنے لگے تھے، ورنہ پہلے تو اس کی باتوں کے جواب میں زیادہ تر خاموش ہی رہتے تھے یا پھر ہوں، ہاں کر دیتے تھے اور یہ اچھی پروگریس تھی۔

''تمہاری اماں بھی بالکل نہیں تھکتی تھی۔ سارا دن کچھ نہ کچھ لگی رہتی تھی۔ بڑی بڑی دعوتوں پر بھی نہ گھبراتی تھی، میں اور ظفر بھائی اکثر ہی بغیر بتائے دوستوں کو گھر لے آتے اور وہ صبوحی بھابی کے ساتھ مل کر فوراً ہی کھانے کا انتظام کر لیتی تھی۔ پھر اچانک ہی وہ اللہ میاں کے پاس چلی گئی اور صبوحی بھابی وہ پتا نہیں کیوں ظفر بھائی سے ناراض ہو کر چلی گئیں۔ ظفر بھائی آئیں تو مجھے بتانا میں ان سے کہوں گا وہ صبوحی بھابی کو منا کر لے آئیں۔'' وہ اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

قرۃ العین سکندر

بدلے

مصباح نے تیزی سے چائے کا پانی چولہے پر چڑھایا۔ اس کا موڈ قدرے خراب تھا۔ کیونکہ آج اس نے ——— اپنی امی کی طرف جانے کا طے کر رکھا تھا۔ علی نے بھی اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ شام کو اسے امی کے گھر ملانے لے جائے گا اور اس نے بھی دل میں طے کر لیا تھا کہ ننھی پریشے کو پورے وقت پر تیار کر لے گی۔

جب سے ننھی پریشے آئی تھی۔ زندگی جیسے مکمل ہو گئی تھی۔ وہ ماتھے پر شکنوں کا جال لیے کچن میں دوپہر کا کھانا تیار کر رہی تھی۔

اس کی وجہ اس کی نند رابعہ کی آمد تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ دوپہر کو کو ہلکا پھلکا کچھ تیار کر کے جلدی سے میکے روانہ ہو جائے۔ اب رابعہ آپی اور ان کے بچوں کی آمد کے بعد اس کا یہ سارا پروگرام ڈانواں ڈول ہونے لگا تھا۔

پھر رابعہ کے ساتھ ان کے میاں بہروز بھی تھے۔ اس لیے سارے کام خوش اسلوبی سے ہونا ضروری تھے۔ وہ یونہی کچھ بھی پکا کر ان کے سامنے نہیں رکھ سکتی تھی۔ گھر آنے والی بیٹی داماد کے لیے خاص الخاص پکوان بننے چاہیے تھے۔ یہ نہیں کہ کوئی بھی دال سبزی بنا کر ان کے سامنے سجا دی جائے۔

اس لیے ساس کے کہنے پر وہ کڑاہی' پلاؤ اور کباب بنا رہی تھی۔ میٹھے میں ٹرائفل بھی بنا رہی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ چائے کا دور بھی گاہے بگاہے چل رہا تھا۔ پریشے کی ریں ریں بھی کانوں میں پڑ رہی تھیں جو اسے ناگوار گزر رہی تھی۔

"کیا بنا رہی ہیں بھابی صاحبہ۔" رابعہ آپی نے مسکرا کر کچن میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

اس نے پلٹ کر تیکھی نظروں سے نند کو دیکھا تھا۔

"وہی جو مہمانوں کی آمد پر بنایا جاتا ہے۔" اس نے قدرے رکھائی سے جواب دیا۔

"کافی دیر سے تم کچن میں ہی لگی تھیں۔ باہر آ ہی نہیں رہی تھیں۔ اس لیے میں نے سوچا کہ میں ہی آ کر تم سے مل لوں۔"

رابعہ نے وضاحتی انداز میں کہا کیوں کہ اسے لگ رہا تھا کہ مصباح کو اس کی آمد پسند نہیں آئی ہے۔ مگر اس کی وضاحت کے جواب میں بھی مصباح بالکل خاموشی اختیار کیے کاموں میں جتی رہی۔ جیسے اسے اس کے وہاں ہونے کی پروا ہی نہیں تھی۔

"اور پریشے کیسی ہے؟" وہ بات برائے بات کر رہی تھی۔

"ٹھیک ہی ہے۔ اب کام میں مصروف ہوں تو ظاہر ہے بچی بے چاری اگنور ہو رہی ہے۔ اس لیے رو رہی ہے۔" مصباح کا لہجہ سراسر جتاتا ہوا تھا۔

"کیا تمہیں ہمارا آنا برا لگ رہا ہے۔ ایسا ہے تو ہم آئندہ نہیں آیا کریں گے۔" رابعہ نے بھی اب ناگواری سے دوٹوک بات کی۔

مصباح کو ایک دم احساس ہوا تھا کہ اس کا رویہ سراسر نامناسب ہے اور اسے گھر آنے والی اکلوتی نند سے بہرحال خوش اخلاقی سے ہی پیش آنا چاہیے۔ دوسرا اس کے دل میں یہ بھی خوف پیدا ہو رہا تھا۔ مبادا اس کی ساس اسے اس کے میکے جانے سے روک ہی نہ دیں۔ اس لیے معاملہ فہمی اور مصالحت کی راہ اختیار کرتے ہوئے مصباح نے۔ اپنے لہجے میں نرمی پیدا کر لی تھی۔

"ارے ایسی تو کوئی بات نہیں ہے رابعہ باجی! اصل میں میری طبیعت کچھ بوجھل سی ہو رہی ہے' شام کو ڈاکٹر کے پاس جانا ہے نا۔ اس لیے جلدی

pklibrary.com

جلدی کام نپٹا رہی تھی۔ پھر وہیں سے گھڑی دو گھڑی اماں کی طرف بھی ملنے جاؤں گی۔" دل کا مدعا اب اس کی زبان پر آیا۔

یوں بھی روز روز رابعہ کی آمد اس کے لیے نہ صرف کام بڑھانے کا سبب بن رہی تھی بلکہ اخراجات بھی بڑھ گئے تھے۔ اور یہ سارے اخراجات اب علی کی جیب پر گراں گزرنے لگے تھے اور یہ ساری سیکھ اس کو بیوی کی طرف سے ہی مل رہی تھی۔ وہ لفظ بہ لفظ وہی زبان بولنے لگا تھا۔ جو اسے مصباح سے دن رات سننے کو مل رہی تھی۔

"اور جاب کیسی جا رہی ہے علی بھائی کی۔" رابعہ آپا کی کم بختی ہی آئی تھی جو انہوں نے علی کی نوکری کی بابت سوال کر لیا تھا۔ وہ بھی اپنی بھابی سے۔ مصباح کو تو جیسے ایسے ہی موقع کی تلاش تھی فوراً وضاحت دینے لگی۔

"بس کیا بتائیں 'مہنگائی کا دور ہے' ابھی تو پریشے چھوٹی ہے' کل کو اسکول جائے گی خرچے مزید بڑھ جائیں گی۔ امی جان کی دوائیاں،

pklibrary.com

اوران کی بیماری کا خرچ الگ ہے۔ پریشے کے بھی ابھی سے خرچے ہیں اور پھر آئے دن کی مہمانوں کی آمد پر بھی ہزار دو ہزار تو کھڑے کھڑے ہی اٹھ جاتے ہیں۔"

وہ بھگو بھگو کر مار رہی تھی۔ قبل اس کے کہ رابعہ کوئی ترش و تلخ جوابات کا تبادلہ کرتی اس وقت ہی علی کچن میں آ گیا۔

"باہر آ کر پریشے کو سنبھالو' وہ رو رہی ہے۔ اب مجھ سے نہیں سنبھل رہی ہے۔" علی کا غصہ سوا نیزے پر تھا۔

مصباح نے ہانڈی میں چمچہ چلانا چھوڑا' چولہے کی آنچ دھیمی کی اور باہر نکلی۔

پریشے کا ڈائپر تبدیل کرنے والا تھا اور یوں کی اتنی دیر ماں سے جدا رہنے کی وجہ سے بچی بے حال ہو رہی تھی۔ مصباح نے اسے اپنے سینے سے لگایا۔ اس کا منہ ہاتھ دھلایا اور صاف کپڑے پہنا کر تیار کیا۔ پھر فیڈر اس کی دادی کو تھما کر دوبارہ کچن کی طرف دوڑ لگائی۔

شکر ہے کہ وہ بروقت کچن میں آ گئی تھی ورنہ سالن لگنے کا احتمال تھا۔ اس نے ساری چیزیں تیار کیں اور سب چیزیں ٹیبل پر لگا کر سب کو کھانے کے لیے بلایا۔

سب نے دل جمعی سے کھانا کھایا۔ کھانا مصباح نے بے حد لذیذ بنایا تھا۔ اس معاملے میں سسرال میں اس کی تعریفوں کے پل بندھتے تھے۔ ابھی رابعہ آپا وغیرہ کھانے سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ علی نے بیوی کی آنکھوں کی تحریر پڑھتے ہی ماں کو اس کے میکے لے جانے کا عندیہ دے ڈالا۔

"ارے آج جانا کوئی اتنا ضروری تو نہیں ہے۔ اتنے دن بعد رابعہ آئی ہے۔ تم کل چلی جانا۔ ابھی تم پچھلے ہفتے ہی میکے گئی تھیں۔ تمہارا میکہ کون سا دوسرے شہر میں ہے جو جانا ہی نہ ہو سکے۔" ساس کو آج کے دن بہو کا گھر سے باہر نکلنا کھٹک رہا تھا۔

"اماں! میکہ تو رابعہ آپی کا بھی دوسرے شہر میں نہیں ہے۔ اسی شہر میں ہے۔ وہ بھی دوبارہ آ ہی سکتی ہیں۔" علی کے منہ میں بیوی کی زبان بول رہی تھی۔

"شاباش ہے بیٹا! خیر تم لوگ کون سا میرے کہنے پر اپنا پروگرام ملتوی کرو گے۔ جاؤ جب طے کر ہی لیا ہے تو۔" ساس کا دل خراب ہو چکا تھا۔

وہ فقط یہ سوچ کر پریشان تھیں کہ ان کی بیٹی کو اب میاں سے ہزار باتیں سننے کو ملیں گی۔

مصباح جوش اور خوشی سے تیار ہو کر پریشے کو تھامے باہر نکلی تھی۔ بائیک پر بیٹھی فاتحانہ انداز میں وہ میکے کی جانب رواں دواں تھی۔ ماں کا گھر جیسے ہی نظر آیا۔ دل اور آنکھوں میں ٹھنڈ سی پڑ گئی ہو جیسے۔ اس نے اپنائیت سے اپنے میکے میں قدم رکھا تھا۔ سامنے سائرہ بھابی مکمل تیار کھڑی تھیں۔

"آپ کہیں جا رہی ہیں کیا بھابی؟" اسے بھابی کا اتنا تیار ہونا اچنبھے میں ڈال رہا تھا۔

"ارے نہ سلام' نہ دعا۔ یہ کیا سوال ہوا بھئی اور تم اتنی دیر سے کیوں آ رہی ہو۔ کب سے سب تمہارے منتظر تھے۔" سائرہ بھابی نے بات ٹالتے ہوئے کہا۔

"ارے میری شہزادی آ گئی۔" اماں نے پریشے کو لاڈ سے گود میں اٹھا لیا۔

"میں نے پریشے کے لیے چاکلیٹ لے کر رکھے تھے۔" انہوں نے جھٹ پریشے کو چاکلیٹ تھما دیے۔ وہ خوش ہو کر دائیں بائیں دیکھ کر مسکرانے لگی تھی۔

اسی وقت بھابی چائے مع لوازمات کے لے آئی تھیں۔ بازاری سموسے اور بازاری نمکو تھی۔ اور نت نئے اقسام کے بسکٹ تھے۔ ساتھ میں چائے۔ وہ حیران ہو رہی تھی۔ اس نے تو اماں سے

pklibrary.com

کہہ دیا تھا کہ آرام سے کھانا کھا کر رات کو جائے گی۔ مگر یہاں تو جلد از جلد ٹرخانے والا معاملہ تھا۔ مگر علی اس جانب متوجہ ہی نہ تھا۔

"اماں! ہم لوگ تو رات کا کھانا بھی کھائیں گے۔ کیا اس کی تیاری نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو مجھے علی کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔" اس نے دبے دبے لفظوں میں یاں کے ساتھ لگ کر دھیمی آواز میں لب کشائی کی تھی۔

"تمہاری بھابی کا میکے جانے کا ارادہ ہے آج تم تو جانتی ہو کہ آج کا دن ہی ہوتا ہے محسن کے پاس۔ اس کے بعد تو ہفتے بھر۔۔۔ شدید مصروفیت ہوتی ہے۔" اماں بھی اپنی جگہ مجرم سی بن گئی تھیں۔

"یعنی ہم لوگوں کے لیے ایک وقت کا کھانا بنانا بھی بھابی کے لیے عذاب ٹھہرا۔" اس نے ناگواری سے جتایا تھا۔

ابھی اماں کوئی جواب نہ دے پائی تھیں۔ جب بھابی کی آمد ہوئی تھی۔ عبایا میں لپٹا ہوا ان کا وجود اور چمکتا ہوا چہرہ۔

"او کے آنٹی! اب ہم چلتے ہیں۔" انہیں جانے کی جلدی تھی۔

"بھابی! تھوڑی دیر تو ٹھہرتیں' آپ تو فوراً ہی جانے کو تیار ہو گئیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

"ارے بھئی۔ تم کون سا دوسرے شہر سے آئی ہو۔ روز کا تو آنا جانا ہے۔ پھر کسی دن بیٹھ کر تفصیل سے بات کرتے ہیں۔ آجاؤ بھئی جلدی سے بیگم۔" یہ محسن بھائی تھے۔ جو علی کی طرح بیگم کی زبان بول رہے تھے۔

مصباح کی نگاہ اپنی ماں کے چہرے پر پڑی' یہاں اس کی ساس جیسی بے بسی پھیلی ہوئی تھی۔ لگا سب کچھ آپس میں گڈمڈ ہو گیا ہو۔ سارے منظر ایک دوسرے میں مدغم ہو گئے ہوں۔

مگر نہیں۔ ایک بات بالکل واضح تھی' وہ تھا احساس بے بسی۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ
بساطِ دل	آمنہ ریاض
زرد موسم	راحت جبیں
زندگی اِک روشنی	رخسانہ نگار عدنان
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان
شہر دل کے دروازے	شازیہ چودھری
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چودھری
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار
بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار
یہ گلیاں یہ چوبارے	فائزہ افتخار
مین سے عورت	غزالہ عزیز
دل اُسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی
بکھرنا جائیں خواب	آسیہ رزاقی
زخم کو ضد تھی مسیحائی سے	فوزیہ یاسمین
اماوس کا چاند	بشریٰ سعید
رنگ خوشبو ہوا بادل	افشاں آفریدی
درد کے فاصلے	رضیہ جمیل
آج گگن پر چاند نہیں	رضیہ جمیل
درد کی منزل	رضیہ جمیل
میرے دل میرے مسافر	نسیم سحر قریشی
تیری راہ میں رُل گئی	میمونہ خورشید علی
شام آرزو	ایم سلطانہ فخر

[redacted]

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ-37 اردو بازار کراچی۔
فون نمبر: 32216361

مکمل ناول

شفا

عیشہ حسین

وہ میٹرو میں بیٹھی تھی۔ سفید رنگ کا ٹخنوں تک آتا سادہ میکسی ڈریس پہنے اس نے گردن کے گرد سفید اسکارف لپیٹ رکھا تھا میٹرو اسٹیشن سے نکل کے اب دبئی شہر کے وسط سے گزر رہی تھی۔ سامنے کھڑکی کے پار اونچی عمارتیں نظر آ رہی تھیں، جن کے شیشے روشنی میں چمک رہے تھے۔ اس کی نظر کھڑکی کے دو شیشوں کے وسط میں موجود سفید جگہ پہ پڑی تھی وہاں کسی نے سیاہ مارکر سے کوئی آیت لکھی تھی۔

ان کے دلوں میں بیماری تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں بیماری میں مزید بڑھا دیا۔ (سورۃ بقرہ آیت 10)

وہ اسے دیکھے گئی تھی اور پھر جیسے سرگوشی میں خود سے سوال کیا تھا۔

''مرض کسے کہتے ہیں؟''

''مرض کا مطلب ہے بیمار ہونا لیکن اس کا مطلب صرف جسمانی بیماری نہیں ہے۔'' اس کے قریب بیٹھی عورت بولی تھی۔ سرمئی خمار پہنے وہ اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھ رہی تھی۔

''مرض کا مطلب کسی مصیبت، تکلیف یا بلا کا آنا بھی ہے۔ اس کا مطلب کوئی آفت وبا یا فتنہ بھی ہے۔ مرض کا مطلب منافق ہونا، شک یا غیر یقینی کیفیت کا شکار ہونا بھی ہے۔

کمزور ہونا، غلط رائے دینا اور بصیرت کا دھندلا جانا یہ سب بھی اسی میں آتا ہے۔'' وہ متوازن اور دھیمی آواز میں بول رہی تھی اور فاطمہ بہت دھیان سے اسے سن رہی تھی۔

''وہ اخلاقی اور روحانی بیماریاں جو ہماری روح کو متاثر کرتی ہیں جیسے غصہ، حسد، شک، ریاکاری، تکبر، گناہ کرنا، ایمان کی کمی یہ سب بھی مرض میں آتے ہیں۔ کسی بری عادت کا شکار ہو جانے کو بھی مرض کہتے ہیں۔''

''یعنی ہماری شخصیت کی وہ خامیاں جو ہمیں اور دوسروں کو متاثر کرتی ہیں وہ بھی مرض میں آتی ہیں۔'' وہ سوچنے کے لیے چند لمحے رکی تھی اور پھر سے اپنی بات جاری کی تھی۔

''معاشرے میں موجود برائیاں جیسے اخلاقی تباہی، ناانصافی، کرپشن وغیرہ یہ سب بھی دیکھا جائے تو ایک طرح سے مرض ہیں۔

خالی پن کا احساس، بیگانگی اور مایوسی یہ بھی مرض کی علامات ہیں۔ مرض کہتے ہیں اندھیروں کا شکار ہونے کو۔'' وہ عورت خاموش ہوئی تھی۔

''جانتی ہو، بیماریوں میں سب سے بری بیماری کون سی ہے؟'' اس نے چہرہ ذرا سا موڑ کے سوالیہ نظروں سے فاطمہ کو دیکھا تھا۔ فاطمہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''مرض القلب!'' وہ اس خوب صورت لڑکی کو دیکھتے ہوئے نرمی سے بولی تھی۔ ایک سکون تھا اس کی آواز میں اور موجودگی میں۔ اتنے میں ٹرین رکی تھی۔

''اور مرض کا شکار کوئی بھی ہو سکتا ہے۔''

وہ کھڑی ہوئی تھی۔ میٹرو کا دروازہ کھلا تھا اور وہ باہر نکل گئی تھی۔ فاطمہ کا اسٹاپ ابھی دور تھا۔ اسے ضرار کا خیال آیا تھا۔ وہ کسی مرض کا شکار ہو رہا تھا۔ ایک نور تھا جو اس عورت کے جانے سے چلا گیا تھا۔

☆☆☆

سورج ڈوب رہا تھا اور دبئی شہر کی عمارتیں

pklibrary.com

pklibrary.com

روشنیوں سے مزین ہو چکی تھیں۔ایسی ہی ایک عمارت کے باہر فاطمہ کھڑی تھی۔گہرے نیلے رنگ کی ٹخنوں تک آتی خوب صورت گھیر دار فراک پہن رکھی تھی، بال مانگ نکال کے پونی میں باندھ رکھے تھے اور گردن سے لپٹا نفیس سلور چوکر جگمگا رہا تھا۔دوپٹہ گلے میں ڈال رکھا تھا اور کندھوں کے گرد سیاہ باریک سی شال لپیٹ رکھی تھی۔کلچ سے موبائل نکال کے اس نے وقت دیکھا تھا۔بس ایک دومنٹ اور انتظار کرنا تھا اس کی دوست آنے والی تھی۔بوریت سے وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی تھی۔

عمارت کے اندر بالائی منزل پہ موبائل کو دیکھتا ضرار باہر نکلا تھا۔راہداری سے گزرتے ہوئے سب نے اسے سلام کیا تھا جسے اس نے مسکرا کے سر کے خم سے وصول کیا تھا۔وہ لفٹ میں سوار ہوا تھا اور گراؤنڈ فلور پہ داخلی دروازے سے باہر آیا تو ٹھٹھک کے رکا تھا۔ سامنے سڑک کے قریب نیلا لباس پہنے ایک لڑکی کھڑی تھی۔یہاں سے اس کا نیم رخ نظر آتا تھا۔وہ چھ سال بعد نظر آئی تھی اور ضرار اسے پہچان گیا تھا وہ فاطمہ تھی۔

''فاطمہ؟'' وہ بے اختیار بولا تھا۔آواز پہ وہ پلٹی تھی۔اس آواز کو وہ ہزاروں میں پہچان سکتی تھی۔

''ضرار؟'' اس کے اجلے چہرے پہ نرم سا تاثر تھا۔

''تم یہاں؟''

''ہاں!میں یہاں کام کرتا ہوں۔'' ضرار آگے آیا تھا اور کچھ فاصلے پہ رکا تھا۔

''تم یہاں کیسے؟''

''میں کسی کا ویٹ کررہی ہوں!'' فاطمہ سیدھ میں دیکھتی بولی تھی۔

''کیسی ہو؟'' وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے بولا تھا۔

''ٹھیک ہوں۔تم بتاؤ کیسے ہو؟'' وہ چہرہ موڑ کے اسے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''زندگی چل رہی ہے۔'' وہ سر جھکائے جوتے سے زمین پہ آڑی ترچھی لکیریں کھینچتے ہوئے چند لمحے خاموشی کی نذر ہوئے تھے اور ماضی کے سارے زخم جیسے ہرے ہو گئے تھے۔

''تھوڑی جلدی کر دی چھوڑنے میں۔'' وہ سامنے دیکھتا بولا تھا آنکھوں میں کرچیاں ابھری تھیں۔

''تھوڑی دیر کر دی سنبھلنے میں۔'' وہ گم صم سے لہجے میں بولی تھی۔اسے اتنے سالوں بعد اس سے گلے کی توقع نہیں تھی۔

☆☆☆

ڈوبتے سورج نے آسمان کو نارنجی رنگ میں رنگ دیا تھا۔آفس کا ٹائم تقریباً ختم ہو چکا تھا۔لیکن نورے کو ایک آخری میٹنگ اٹینڈ کرنی تھی۔وہ کانفرنس روم میں بیٹھی تھی۔سلور مستطیل میز کے گرد وہ سربراہی کرسی پر بیٹھی تھی اور دو انگلیوں سے کنپٹی کو دبا رہی تھی۔

حارث کوٹ بازو پر ڈالے ہاتھ میں لیپ ٹاپ پکڑے اسی بلڈنگ میں نیچے داخل ہوا تھا۔وہ چھ سال بعد یہاں واپس آیا تھا۔سیکریٹری کو اس نے میٹنگ کا بتایا تھا اور اس نے حارث کو اوپر کانفرنس روم میں جانے کا کہا تھا۔ٹائی ڈھیلی کرتا وہ لفٹ میں داخل ہوا اور بٹن دبائے۔تھکاوٹ سے اس کا جسم درد کر رہا تھا اور بخار پھر ہو گیا تھا۔

''بس ایک آخری میٹنگ!'' بالوں میں ہاتھ پھیر کے ان کو درست کرتا وہ لفٹ سے باہر نکلا اور کانفرنس روم تک آیا تھا۔دل جسے بظاہر بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا اسے دیکھنے کی شدت سے تمنا کی تھی۔دستک دے کر کے وہ اندر آیا اور اپنی جگہ پہ ساکت ہوا تھا۔وہ سامنے بیٹھی تھی۔کچھ دعائیں اس طرح بھی قبول ہوتی ہیں۔

نورے نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی تھی۔

''گڈ ایوننگ!'' بالآخر حارث آگے بڑھا تھا کسی کو تو پہل کرنا تھی۔وہ ایک لفظ نہیں بول سکی تھی۔

''میری میٹنگ تو آپ کے مینیجر کے ساتھ تھی۔'' اس نے کوٹ کرسی کی بیک پہ رکھا تھا اور لیپ ٹاپ سامنے ٹیبل پر۔

''مینیجر کو کہیں جانا تھا۔'' نورے نے اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کی تھی آیا وہ ابھی تک ناراض تھا۔

''مجھے لگا مسٹر ضرار یا ان کے مینیجر آئیں گے۔''

''انہیں کہیں جانا تھا۔'' وہ اس کے دائیں

جانب دو کرسیاں چھوڑ کے بیٹھا تھا۔

"کیسے ہو؟" وہ اپنے سامنے کھلے لیپ ٹاپ کی اسکرین دیکھتی بولی تھی۔

"ٹھیک ہی ہوں۔" وہ اپنا لیپ ٹاپ کھولتے ہوئے بولا تھا۔

"لگ تو نہیں رہے!" وہ عام سے لہجے میں بولی تھی۔

"بخار ہے بس!" حارث نے اسکرین سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا۔

"آپ کیسی ہیں؟" وہ کاغذات اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا تھا۔

"تھکی ہوئی ہوں۔" نورے نے پیپرز اس سے لیے تھے۔ ایک نظر ان کو پڑھ کے وہ پین پکڑے سائن کرنے لگی تھی۔ اور حارث کی نظر اس کی انگلی میں موجود ڈائمنڈ رنگ پہ پڑی تھی جو چھ سال پہلے حارث نے اسے دی تھی۔ وہ ابھی تک اسے پہنتی تھی۔

"بہت جلدی کر دی آگے بڑھنے میں۔" وہ سر جھکائے بولی تھی۔

"تم نے ہی کہا تھا کہ ساتھ نہیں آؤ گی۔" وہ بے نیاز لہجے میں بولا تھا۔ وہ ابھی تک اس سے ناراض تھا۔

☆☆☆

چھ سال پہلے......

فاطمہ میرون کھلی سی شرٹ اور سیاہ ٹراؤزر پہنے صوفے پہ پیر اوپر کیے بیٹھی تھی۔ سامنے ٹی وی پہ کوئی شو چل رہا تھا اور وہ آئی پیڈ پکڑے اپنی کل کی اپائنٹمنٹس دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک تھیراپسٹ تھی اور دبئی کے ایک مینٹل ہیلتھ انسٹیٹیوٹ، مائنڈز ویل کلینک کے ساتھ کام کرتی تھی اور آن لائن تھیراپی دیتی تھی۔ دروازے پر دستک ہوتی تو وہ آئی پیڈ رکھ کے اٹھی۔ دروازہ کھولا سامنے ضرار، اس کا شوہر کھڑا تھا۔

"ضرار اتنا لیٹ؟"

"ہاں وہ دوستوں کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔" وہ لڑکھڑاتے لہجے میں بولا، فاطمہ نے اس کی حالت دیکھی۔ بال بے ترتیب تھے، شرٹ کے اوپری دو بٹن کھلے تھے اور ٹائی غائب تھی۔ کف کہنیوں تک موڑے، ایک ہاتھ میں کوٹ پکڑے وہ دروازے کا سہارا لیے کھڑا تھا۔

"ضرار! آپ پھر سے......" ایک ہاتھ پہلو پہ رکھے۔ اس نے تھکی تھکی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ حیران ہونے کا فیز اب گزر چکا تھا۔

"مجھے بحث نہیں کرنی۔" وہ اسے ہٹا کے ڈگمگاتا ہوا اندر آیا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔ فاطمہ نے دروازہ بند کیا تھا اور دور گول میز پہ رکھے کھانے کو دیکھا تھا یہ اب معمول بنتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

ضرار اور وہ یونیورسٹی میں ساتھ پڑھتے تھے۔ وہاں ان کی دوستی ہوئی اور پھر شادی۔ وہ اچھی جاب کرتا تھا لیکن اسے صرف جاب پہ گزارا نہیں کرنا تھا۔ وہ اپنی ایک کمپنی بنانا چاہتا تھا سکائی کرافٹ انٹیریرز۔ ایک ایسی کمپنی جو جہازوں کی انٹیریئر ڈیزائننگ کا کام کرتی ہو۔ اس بزنس پلان کے لیے اسے انویسٹرز کی ضرورت تھی اور وہ مل ہی نہیں رہے تھے۔ ضرار کی قسمت اس معاملے میں کھل ہی نہیں رہی تھی۔ پہلے وہ کبھی کبھی دیر سے گھر آتا تھا۔ پھر یہ روز کا معمول بن گیا تھا اور یہ تیسری بار تھی جب وہ نشے میں دھت گھر آیا تھا۔

صبح وہ بالوں کا رف سا جوڑا بنائے ناشتے کے لوازمات ٹیبل پہ رکھ رہی تھی۔ ضرار سفید شرٹ اور نیلی جینز پہنے نہا دھو کے باہر آیا تھا۔

"فاطمہ! میری شرٹ نہیں مل رہی یار۔" وہ کرسی کھینچ کے بیٹھا اور کن اکھیوں سے اس کا سپاٹ چہرہ دیکھا تھا۔ وہ اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

"ضرار! آپ کل پھر سے پی کے آئے تھے؟"

ضرار نے گہرا سانس لیا تھا۔

"یار! وہ میں جمال المری سے ملنے گیا تھا۔ وہ المری انٹرپرائزز میں کام کرتا ہے اور میری ان کے ساتھ ایک میٹنگ سیٹ اپ کروانے میں مدد کر سکتا ہے۔ اس نے ایک بار میں ملنے کے لیے بلایا تھا اور پھر......" ضرار نے بات ادھوری چھوڑی تھی۔

pklibrary.com

"بار میں کون بزنس آئیڈیاز ڈسکس کرتا ہے؟" فاطمہ پلیٹ میں اپنے لیے آملیٹ ڈالتے بولی تھی۔

"جمال المری۔" ضرار نے کندھے اچکائے تھے اور مایوسی سے بولا تھا۔

"سوری!" اس نے پھلوں سے بھرا پیالہ اپنے سامنے کھسکایا تھا۔ ان کے چھوٹے سے سفید اور رنگ برنگے کوزی اپارٹمنٹ میں سورج کی روشنی اور اے سی کی خنکی پھیلی تھی۔ وہ دونوں اوپن کچن میں رکھی سفید گول میز کے گرد بیٹھے تھے۔

"ضرار! میں جانتی ہوں آپ کو بزنس کی ٹینشن ہے لیکن ایسے ڈرنک کرنا مسئلوں کا حل نہیں ہے۔" اس نے ٹوسٹ پہ مکھن لگا کے پلیٹ میں رکھا تھا اور پلیٹ اس کی جانب کھسکائی تھی۔ وہ دھیمے لہجے میں بولی تھی۔

"آپ کو کوئی مسئلہ ہے تو شیئر کریں۔"

"میں نے جان بوجھ کے نہیں کیا۔" ضرار کے چہرے پہ سایہ سا لہرایا تھا اور وہ کھانے سے ہاتھ روک کے اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

"شراب حرام ہے آپ کی یہ عادت ہمارا رشتہ خراب کرے گی اور ہمارا گھر تباہ کر دے گی۔" وہ جوس کا گلاس اٹھاتے ہوئے بولی تھی۔

"میں تمہیں ایک اچھا لائف اسٹائل نہیں دے سکا۔" وہ کرسی سے ٹیک لگا کے بولا تھا۔

"کیا میں نے آپ سے کوئی لائف اسٹائل مانگا ہے؟ میں خوش ہوں یہاں یار!" وہ گہرا سانس لے کے بولی تھی۔

"لیکن میں نہیں ہوں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ ایک منٹ کے لیے وہ کچھ نہیں بول سکی تھی اور پھر جوس کا گلاس نیچے رکھ کے اسے دیکھا تھا۔

"میں پیسوں کی کمی کے ساتھ رہ سکتی ہوں ضرار! لیکن اس عادت کے ساتھ نہیں۔"

"آئندہ نہیں ہوگا۔" وہ بے دلی سے دوبارہ ناشتہ کرنے لگا تھا۔

"پلیز موڈ ٹھیک کرو اپنا۔" وہ کافی کا کپ اٹھاتے ہوئے بولا تھا۔

"موڈ ٹھیک ہے میرا۔" وہ بدقت مسکرائی تھی۔

☆☆☆

ضرار ایک بار میں بیٹھا تھا۔ وہ آفس سے سیدھا یہاں آیا تھا۔ اس کے سامنے سرمئی آنکھوں والا جمال المری بیٹھا تھا۔ اس نے داڑھی رکھی ہوئی تھی اور بال ماتھے پہ گرے تھے۔ وہ المری انٹرپرائزز کے مالک ہاشم المری کا بھتیجا تھا اور سیفٹی ڈیپارٹمنٹ کا ہیڈ تھا اور لگ بھگ ستائیس اٹھائیس سال کا تھا۔ المری انٹرپرائزز ایک ایئر لائن عربین اسکائیز ایوی ایشن کی مالک تھی۔

"جمال بھائی، آپ میری میٹنگ کب کروا رہے ہیں؟" وہ آج اکتایا ہوا اور بے زار لگتا تھا۔

"کروا دوں گا یار! اتنی جلدی یہ کام نہیں ہوتے!" جمال نے جام سے بھرا ایک گلاس اس کے سامنے رکھا تھا جسے ضرار نے نظر انداز کیا تھا۔

"چھ مہینے ہو گئے ہیں ہمیں ملتے ہوئے۔" وہ مایوس ہوا تھا۔ بار میں گہرے رنگ کی بتیاں جل بجھ رہی تھیں اور موسیقی کی آواز پھیلی تھی۔ ضرار کو اس سب سے اکتاہٹ ہوئی تھی۔ اس نے کلائی پہ بندھی گھڑی پہ وقت دیکھا تھا۔ آج اسے فاطمہ کو ڈنر پہ لے کے جانا تھا۔

"ایک کام کرو، تم مجھے اپنے بزنس پلان کی ڈیٹیلز دو۔ آگے ریفر کرنے سے پہلے مجھے پتا ہونا چاہیے اس میں ہے کیا۔"

ضرار نے چند لمحے سوچا تھا۔

"او کے! ہم اگلی بار ملیں گے تو میں آپ کو پریزینٹیشن کی فائل دے دوں گا۔" اس نے ہار مانی تھی۔ جمال مسکرایا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"تم پی کیوں نہیں رہے؟" جمال نے اس کا بھرا ہوا گلاس دیکھا تھا۔

"میں......وہ۔" ضرار ذرا ہچکچایا تھا۔ "فاطمہ کو برا لگتا ہے۔ میں نہیں پیوں گا۔"

pklibrary.com

''فاطمہ؟'' جمال ہنستا تھا ''تمہاری بیوی؟''

ضرار نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سر ہلایا تھا۔ اس نے سفید شرٹ اور سیاہ پینٹ پہن رکھی تھی۔ ٹائی ڈھیلی کی ہوئی تھی اور کوٹ پاس ٹیبل پہ رکھا تھا وہ غیر آرام دہ لگتا تھا۔

''میری بیوی بھی کہتی تھی اگر میں نے اسے چیٹ کیا تو مجھے چھوڑ دے گی۔'' جمال تمسخرانہ ہنسا تھا۔

''دو افیئرز پکڑے تھے اس نے میرے۔'' جمال نے دو انگلیاں اسے دکھائی تھیں۔ ''چھوڑ کے تو نہیں گئی۔'' وہ ہنستا تھا۔

ضرار نے افسوس سے اس کا چہرہ دیکھا اور گہرا سانس لے کے دور وائلن بجاتے آدمی کو دیکھنے لگا۔ دل کہہ رہا تھا جمال المری سے اسے نقصان ہی ملنا ہے۔

''مجھے زندگی سے بس دو چیزیں چاہئیں۔'' وہ سرخ آنکھوں میں نمی کی باریک سی تہہ لیے بولا تھا۔ گلاس ایک بار پھر ضرار کی جانب بڑھایا تھا۔ چند لمحے سوچنے کے بعد اس نے گلاس کو تھام لیا تھا۔ وہ مایوس تھا اور مایوسی ول پاور کم کر دیتی تھی۔ وہ فرار چاہتا تھا بے شک چند لمحوں کے لیے ہی!

''نورے المری اور المری انٹرپرائزز۔'' اس نے ضرار کو اپنے موبائل پہ ایک لڑکی کی تصویر دکھائی تھی۔ وہ عراقی نقوش والی ایک خوب صورت لڑکی تھی۔ ضرار نے ایک نظر تصویر پہ ڈالی تھی۔ اور سر جھکا لیا تھا۔

''آپ شادی شدہ ہیں جمال بھائی؟'' وہ برا سا منہ بنا کے بولا تھا اور مشروب کا ایک گھونٹ بھرا تھا یہ جانتے ہوئے بھی کے جو وہ کر رہا تھا غلط تھا۔

''ایمان بیچنا ہی ہے تو مہنگا بیچو۔'' جمال سر جھٹک کے مسکرایا اور موبائل جیب میں رکھا تھا۔ پھر اپنا گلاس اس کے گلاس سے ٹکرایا اور اس مشروب کے گھونٹ بھرنے لگا تھا۔

☆☆☆

فاطمہ صوفے پہ بیٹھی تھی، اس کی سیاہ فراک جس میں بڑے بڑے سفید پھول بنے تھے سینے پہ ہاتھ باندھے ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے وہ سیاہ سینڈل میں مقید پیر مسلسل جھلائے جا رہی تھی۔

ضرار نے اسے آٹھ بجے پک کرنے کا کہا تھا اور اب ساڑھے نو بج رہے تھے۔ موبائل اٹھا کے ایک بار پھر اسے کال کی تھی اور توقع کے عین مطابق اس نے نہیں اٹھائی تھی۔ فاطمہ نے موبائل ٹیبل پہ رکھا۔ اس کے ہاتھ نامحسوس طریقے سے کانوں تک رینگے تھے اور اس نے سفید موتیوں والے ائیررنگز اتار کے ٹیبل پہ رکھ دیے تھے۔ پھر گردن سے لپٹا نفیس سفید موتیوں والا نیکلس اور کلائی پہ پہنا بریسلیٹ بھی اتار کے رکھا تھا اور جھک کے سیاہ سینڈلز کا اسٹریپ کھولا تھا اور پیر اوپر کر کے وہ صوفے پہ نیم دراز ہو گئی تھی۔ سامنے خالی دیوار کو گھورتے ہوئے جانے کب اس کی آنکھ لگی۔

دروازے پہ دستک سے اس کی آنکھ کھلی تھی وہ سست روی سے ننگے پیر چل کے دروازے تک آئی تھی۔ اس دروازے کے پار کا منظر وہ جانتی تھی لیکن دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ فاطمہ نے دروازہ کھولا تھا، سامنے ضرار نشے کی حالت میں کھڑا تھا۔ اس کے عقب میں سڑک پہ ایک سیاہ مرسیڈیز کھڑی تھی اور اس کی بیک سیٹ پہ داڑھی والا آدمی بیٹھا تھا۔ گاڑی کی کھڑکی میں بازو ٹکائے وہ اس طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ فاطمہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر ضرار کو دیکھنے لگی تھی، گاڑی اسٹارٹ ہوئی، جمال فاطمہ کو دیکھے گیا تھا جب تک کہ گاڑی آگے نہیں بڑھ گئی تھی۔ سفید رنگت، ستواں ناک اور سیاہ بالوں والی وہ ایک خوب صورت لڑکی تھی۔

''بیوی ایسی ہو تو بندہ شراب کیا دنیا بھی چھوڑ دے۔'' وہ بڑبڑایا تھا اور سر جھٹک کے ہنسا تھا۔

''بے وقوف ضرار!''

ڈرائیور نے بھی ایک نظر پلٹ کے دیکھا تھا۔ اور گاڑی آگے بڑھ گئی تھی۔

"ضرار!" فاطمہ کا چہرہ پھیکا پڑا تھا۔
"سوری۔" وہ لڑکھڑاتا ہوا اندر آیا تھا اور ہاتھ میں پکڑا کوٹ وہیں زمین پہ پھینکا، فاطمہ نے اسے بازو سے تھاما تھا۔
"میں ...... لیٹ ہو گیا۔" وہ صوفے پہ گرنے کے انداز میں بیٹھا پھر لیٹ گیا تھا۔
"کل چلیں گے فاطمہ!" وہ آنکھ بند کیے بڑبڑایا تھا، فاطمہ خاموشی سے وہیں صوفے کے قریب زمین پہ بیٹھ گئی تھی۔
وہ بازو گھٹنوں کے گرد حمائل کیے اسے دیکھے گئی، وہ ضرار کو کھو رہی تھی۔ یہ رشتہ ریت کی طرح اس کے ہاتھوں سے پھسل رہا تھا اور وہ کچھ نہیں کر پا رہی تھی۔ آنسو ٹپ ٹپ اس کی آنکھوں سے بہنے لگے۔

☆☆☆

صبح ضرار کی آنکھ کھلی تھی تو سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ آج ویک اینڈ تھا۔ وہ اٹھ کے بیٹھا اور کنپٹی مسلتے ہوئے کل کیا ہوا تھا یاد کرنے کی کوشش کی تھی۔ نظر سامنے صوفے کے ساتھ سوئی فاطمہ پہ پڑی تھی وہ صوفے پہ بازو رکھے سو رہی تھی۔ اور ضرار کو یاد آیا تھا اس نے ڈنر پہ جانا تھا۔ آنکھیں بند کر کے اس نے تھکا ہوا سانس خارج کیا تھا۔ اسے خود پہ غصہ آیا تھا۔ تب ہی فاطمہ کی آنکھ کھلی، سپاٹ نظروں سے سامنے بیٹھے ضرار کو دیکھا تھا۔ سفید شرٹ پہنے وہ بکھرے بالوں اور پشیمان نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔
"آئی ایم سو سوری فاطمہ!" ضرار نے بولنا شروع کیا تھا۔
"بس!" فاطمہ نے اسے روکا، آواز مدھم تھی۔
"ایسے نہیں چلے گا۔" اس نے سر نفی میں ہلایا تھا۔
"میں آپ کو آخری موقع دے رہی ہوں۔ یہ عادت آپ کی زندگی میں رہے گی تو میں نہیں رہوں گی۔" اسے اپنی ہی بات پہ خود ہی یقین نہیں آیا تھا۔
"میں وعدہ کرتا ہوں دوبارہ ایسا نہیں ہوگا۔" وہ نظریں چرا کے بولا تھا۔
"پکا وعدہ؟" فاطمہ نے ہاتھ آگے بڑھایا تھا
ضرار نے اس کا ہاتھ تھاما اور سر ہلایا تھا۔
"یہ آخری وعدہ لے رہی ہوں ضرار!" وہ اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولی تھی۔ بال ڈھیلے سے جوڑے میں بندھے تھے اور کچھ لٹیں چہرے کے اطراف میں گر رہی تھیں۔
"آپ کسی مرض کا شکار ہو رہے ہیں!" وہ گم صم سی بولی اور ننگے پاؤں چلتی وہ اپنے کمرے میں غائب ہو گئی تھی۔
ضرار نے اسے دور جاتے دیکھا تھا۔ پھر ٹیبل پہ پڑے اس کے سیاہ بیگ اور جیولری کو۔ اسے افسوس ہوا تھا وہ فاطمہ کے لیے صرف اذیت کا سبب بنا تھا۔
اندر وہ واش بیسن کی ٹونٹی کھولے کھڑی تھی اور چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے رو رہی تھی۔

☆☆☆

دبئی کے کارپوریٹ سیکٹر میں المری انٹرپرائزز کی کئی منزلہ عمارت کھڑی تھی۔ اس کی ایک منزل پہ اپنے آفس میں جمال المری بیٹھا تھا۔ گہرے بھورے رنگ کا سوٹ پہنے، وہ سپاٹ نظروں سے سامنے کھڑے آدمی کو دیکھ رہا تھا۔
"تم جانتے ہو نا المری انٹرپرائزز میں صرف ایک آدمی کرپشن کر سکتا ہے؟" وہ ناپسندیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا اور سامنے کھڑے آدمی نے سر مزید جھکایا تھا۔
"اور وہ میں ہوں۔ تمہارا قصور یہ نہیں ہے عابد کہ تم نے کرپشن کی ہے۔ جانتے ہو تمہارا قصور کیا ہے؟"
عابد نے سر نفی میں ہلایا تھا۔
"تمہارا قصور یہ ہے کہ ایک تو تم نے میری ناک کے نیچے کرپشن کی اور دوسرا پکڑے گئے۔ چچ چچ لعنت ہے تمہارے اتنے سالوں کے تجربے پہ۔" جمال مایوس لگتا تھا۔
"جی تو چاہ رہا ہے تمہاری فائل ایم ڈی حارث کریم کو بھجواؤں لیکن خیر......"
"سر میں......" اس نے کچھ کہنا چاہا تھا پر جمال

pklibrary.com

کی سرد نظروں نے اسے خاموش کرادیا۔

"بے ایمانی کا کام اتنی ایمان داری اور صفائی سے کرتے ہیں کہ وہ پکڑا نہ جائے اور۔" وہ ہاتھ ہلا کے اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔ لہجہ اب بڑے بھائی جیسا ہوگیا تھا۔

"جب ایمان بیچنا ہی ہو تو مہنگا بیچتے ہیں۔ تم نے مجھے مایوس کیا میں انکوائری کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا۔ بڑا ہی بورنگ کام ہے، اس لیے تم خود ریزائن کرو گے عابد" لہجہ آخر پہ سپاٹ ہوگیا تھا۔

"سر! مجھے بس ایک اور......"

"ریزگ نیشن لیٹر عابد!" جمال نے ہاتھ سے اسے دفعان ہونے کا اشارہ کیا تھا۔ "شکل گم کرو اپنی صبح صبح سارا موڈ خراب کردیا۔"

عابد ایک بے بس نظر اس پہ ڈال کے پلٹ گیا تھا۔

"اور سنو۔" وہ فائل کھولتے ہوئے بولا تھا۔

عابد نے پلٹ کے اسے دیکھا تھا۔

"غبن کیا ہوا پیسہ مجھے واپس چاہیے۔ اپنی رضامندی سے دو گے تو تکلیف کم ہوگی ورنہ میں تمہارے حلق سے نکالوں گا۔"

"جی سر!" وہ باہر نکل گیا تھا اتنے میں دروازہ ناک کر کے نورے المری اندر آئی تھی۔

"جمال!"

"جی نورے!" جمال نے سر اٹھا کے اسے دیکھا تھا۔ ساری مصروفیات جیسے ختم ہوگئی تھیں اور لہجے میں نرمی تھی۔

"جانتے ہو۔ ڈیڈ نے مجھے کس ڈیپارٹمنٹ میں شفٹ کیا ہے؟" وہ سینے پہ ہاتھ باندھے بولی تھی۔ جمال پیچھے ہو کے بیٹھا تھا۔

"میرے ناقص علم کے مطابق تم کسی ڈیپارٹمنٹ میں شفٹ نہیں ہو رہی بلکہ تم ایم ڈی کے ساتھ کام کرو گی۔" وہ پین دو انگلیوں کے درمیان گھماتا محظوظ سا بولا تھا اور نورے کے ہاتھ پہلو میں گرے تھے۔

"ساتھ کام کرنے کا مطلب ہے کہ تم اس کے انڈر کام کرو گی۔ حارث کریم تمہارا باس ہوگا۔"

"ریئلی؟" نورے کے ماتھے پہ بل پڑے تھے۔

"وہ میرے ساتھ بھی ایسے ہی کرتے ہیں۔ تم عادی ہو جاؤ گی۔" جمال عام سے لہجے میں بولا تھا۔

"شاید وہ اسٹاف کو یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ ان کی نظر میں سب برابر ہیں!"

"یہ برابری ہے؟" نورے کا حلق تک کڑوا ہوا تھا۔

"ان کی نظر میں!" جمال نے کندھے اچکائے تھے اور نورے باہر نکل آئی تھی۔

☆☆☆

وہ تیز تیز سیفٹی ڈیپارٹمنٹ میں موجود لفٹ کی جانب بڑھی تھی۔ سفید نازک ہیل کی ماربل کی سطح سے ٹکرانے کی آواز پورے فلور پہ گونج رہی تھی۔ آس پاس کام کرتے ورکرز نے اپنے اپنے کیبن سے سر نکال کے، المری انٹرپرائزز کے سی ای او کی بیٹی کو دیکھا تھا۔ ماتھے پہ بل ڈالے، آنکھوں میں ناگواری لیے، وہ اوپری فلور پہ موجود ایک آفس کے سامنے رکی اور دستک دے کے اندر آئی تھی سیکرٹری نے اسے نہیں روکا تھا۔ اس نے اجازت ملنے کا بھی انتظار نہیں کیا تھا۔

"ڈیڈ!" وہ اس پرتعیش آفس میں سیاہ میز کے پیچھے بیٹھے آدمی سے مخاطب ہوئی۔

"آپ کسی عام ورکر کو میرے سر پہ کیسے مسلط کر سکتے ہیں؟" عام طور پہ وہ ایسے بات نہیں کرتی تھی لیکن آج غصہ میں تھی۔

"باس!" اس کے باپ ہاشم المری نے نرمی سے تصحیح کی تھی "اور وہ کوئی عام ورکر نہیں ہے اس کمپنی کا ایم ڈی ہے۔ وہ یہاں موجود کسی بھی انسان سے زیادہ قابل اور محنتی ہے۔"

"مجھے آپ کے ساتھ کام کرنا ہے۔" وہ ایک ہاتھ میز پہ رکھے ذرا جھکی تھی۔ آفس میں اے سی کی

pklibrary.com

خنکی، اور کنگ کی خوشبو پھیلی تھی۔ دائیں جانب دیوار کی جگہ شیشہ لگا تھا جس سے باہر پھیلا دبئی، شہر اور باقی بلڈنگز دکھائی دے رہی تھیں۔

"میں بزی رہتا ہوں نورے۔ تم حارث کے ساتھ کام کرو گی تو زیادہ بہتر سیکھ سکو گی۔"

"میں کسی کے انڈر کام نہیں کر سکتی۔" نورے نے ہاتھ سینے پہ باندھے جبڑے بھینچے ہوئے تھے۔ وہ گھر کی ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھے ہاشم المری سے بالکل مختلف تھے۔ اہانت سے اس کا چہرہ سرخ ہوا تھا (صد شکر کوئی دیکھ نہیں رہا تھا!)

اور تب ہی ہاشم المری اپنی جگہ پہ کھڑے ہوئے تھے۔ نورے نے ان کو کھڑے ہوتے دیکھا تھا۔ "اگر تمہیں بورڈ آف ڈائریکٹرز میں شامل ہونا ہے؟ اس کمپنی کو لیڈ کرنا ہے؟ اور میری کرسی پہ آ کے بیٹھنا ہے؟ تو یہ سب تمہیں محنت سے کمانا پڑے گا نورے المری۔ کچھ بھی تمہیں پلیٹ میں رکھ کے پیش نہیں کیا جائے گا۔"

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے تھے اور نورے کے کندھے ڈھلکے تھے۔ سینے پہ بندھے ہاتھ پہلو میں گرے تھے۔

"اور یہ تمہارے نہیں جمال کے الفاظ ہیں۔ خود تو وہ ایک ڈیپارٹمنٹ کے ہیڈ سے اوپر جا نہیں سکا۔ تمہارا بھی بیڑہ غرق کرے گا۔" وہ ناگواری سے بولے تھے۔

"تم آج سے ایم ڈی حارث کریم کے ساتھ کام کرو گی۔" وہ اپنے کوٹ کے بٹن بند کرتے بولے تھے۔ "یہ سمجھ لو وہ آج سے تمہارا اسکینڈ باس ہے!"

"یس باس!" نورے کا گلا رندھا تھا۔

"حارث؟" اس کے باپ نے تب پیچھے بک ریک کے سامنے کھڑے حارث کو دیکھا تھا۔

"نورے آج سے آپ کے ساتھ کام کریں گی۔" حارث نے سر ہلایا تھا اور نورے اپنی جگہ پہ ساکت ہوئی تھی۔ سانس حلق میں اٹکا تھا (یا اللہ وہ یہ سارا وقت پیچھے کھڑا تھا!) نورے پلٹ بھی نہیں سکی تھی۔ احساس توہین سے اب آنکھوں میں پانی اکٹھا ہوا تھا۔

وہ اپنا اعتماد بحال کرتی دھیرے سے پلٹ کے دروازے کی جانب بڑھی تھی اور جاتے ہوئے ایک سلگتی نظر کونے میں کھڑے حارث پہ ڈالی تھی۔ اس نے نیوی بلو سوٹ پہن رکھا تھا اور بال جیل سے سیٹ کیے ہوئے تھے۔ ایک خاموش نظر اس پہ ڈالتا وہ باس کی طرف بڑھا تھا۔ نورے باہر نکل گئی تھی۔

"آپ کچھ زیادہ ہی سخت ہو گئے سر۔ اتنی غلط بھی نہیں ہیں مس نورے۔" حارث نے فائل ان کے ٹیبل پہ رکھی تھی۔

"یہ سختی اس کے لیے ضروری ہے۔" ہاشم گہرا سانس لے کے بولے تھے۔ اور وہ باہر آ گیا تھا۔

"عام ساور کر رائٹ!" وہ اپنی کرسی کی بیک پہ کوٹ اتار کے رکھتا سر جھٹک کے بولا تھا۔

☆☆☆

حارث ٹھنڈے مزاج کا ایک نرم انسان تھا جو کام کے معاملے میں کسی چیز پہ کمپرومائز نہیں کرتا تھا۔ ہاشم المری اسے جتنا پسند کرتے تھے۔ باقی سب لوگ اتنا ہی ناپسند کرتے تھے۔ وہ لیپ ٹاپ کھولے کام کر رہا تھا جب نورے دستک دے کے اندر آئی تھی۔ زیتونی سبز رنگ کی شرٹ اور ٹراؤزر پینٹ پہنے، آستین ہمیشہ کی طرح کہنیوں تک موڑ رکھی تھیں۔ بال ایک طرف سے کان کے پیچھے اڑس رکھے تھے اور دوسری طرف سے آگے کندھے پہ ڈال رکھے تھے۔ حارث نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ نورے نے فائلز اس کے سامنے رکھی تھیں اور سنجیدگی سے اس سے مخاطب ہوئی۔

"یہ ریڈی ہیں میں نے پروف ریڈ کر لیا ہے۔"

کمرے میں حارث کے پرفیوم کی خوشبو پھیلی تھی اور نورے کو وہ خوشبو بھی زہر لگتی تھی۔

حارث نے سر ہلا کے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

وہ اس کے سامنے بیٹھی تھی وہ کام میں بہت اچھی تھی لیکن ویسے اکھڑی اکھڑی رہتی تھی سب سے زیادہ

pklibrary.com

حارث سے۔

"اس جمعے کو قطر سے ایک ڈیلی گیشن آرہا ہے ۔ ہمیں میٹنگ کے لیے ریڈی رہنا ہے۔ پراجیکٹ رپورٹ مجھے آج دے دیں۔" حارث نے فائل سے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا تھا۔

"او کے مل جائے گی!" اس نے سر ہلایا تھا۔

"اور کل کانفرنس روم میں ٹیم کی ساتھ میٹنگ کے پوائنٹ ڈسکس کریں گے۔"

"او کے کل لنچ بریک کے بعد کانفرنس روم میں ملتے ہیں۔"

نورے نے اس کا وجیہہ چہرہ دیکھا تھا۔ ہلکی بڑھی شیو کے ساتھ وہ مزید سحر انگیز لگ رہا تھا لیکن پھر بھی اسے زہر لگتا تھا۔ وہ اسے باس یا سر کہنے سے گریز کرتی تھی اور حارث اس کے لہجے میں موجود ناراضی اور ناپسندیدگی واضح محسوس کرتا تھا۔ وہ کمرے میں آتی تھی تو فضا میں عجیب سا تناؤ پھیل جاتا تھا۔ لیکن حارث پرواہ نہیں کرتا تھا اسے نورے المری سے اچھا کام چاہیے تھا بس۔

"ابھی چلیں باس نے بلایا ہے۔ گورنمنٹ ایجنسیز کے ساتھ ہوئی میٹنگ کی رپورٹ دینی ہے۔"

وہ کھڑا ہوا تھا اور کوٹ کا بٹن بند کیا تھا۔ اور انٹر کام پہ اپنی سیکریٹری کو مخاطب کیا تھا۔

"سلینا میرے لیے ایک کافی بھجوا دیں باس کے آفس میں۔" پھر اس نے سوالیہ نظروں سے نورے کو دیکھا کہ کیا وہ کافی منگوانا چاہتی تھی؟

نورے نے بس ایک نظر غلط اس پہ ڈالی تھی اور ٹیبلٹ کو دیکھنے لگی تھی۔

"او کے۔" حارث نے کندھے اچکا کے فون رکھ دیا تھا۔ اس سے کسی بھی قسم کا فیور لینا نورے کو اپنی توہین لگتی تھی۔

"سیفٹی ڈیپارٹمنٹ کی رپورٹ ریڈی ہوگئی؟" حارث کو یاد آیا تھا۔

"دو دن میں سینئر اینالسٹ کو بھجوا دوں گی۔" وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولی ۔ دونوں ایک ساتھ ہاشم المری کے آفس کی جانب بڑھے تھے۔ راستے میں وہ الگ ہوگئی تھی۔ المری انٹرپرائزز کے کیفے میں کھڑی وہ اپنے لیے کافی لے رہی تھی۔

حارث کی سیکرٹری کو جمال نے بلا لیا تھا اور وہ کافی کا آرڈر نہیں دے سکی تھی۔ نورے نے کیفے گرل سے اپنا کپ لیا تھا اور ایک لمحہ رک کے سوچا تھا اور پھر آگے بڑھ گئی تھی۔ وہ حارث کریم کی سیکرٹری تھوڑی تھی۔ وہ راہداری میں آگے بڑھ رہی تھی جب سلینا نے اسے پکارا تھا۔

"میم، باس کے لیے بھی کافی لے جائیں پلیز وہ مجھے......" اس کی بات منہ میں ہی رہ گئی تھی۔ سیاہ ہیلو کی آواز تھمی تھی اور وہ کپ پکڑے تیوراً کے گھومی تھی۔

"وہ تمہارے باس ہیں سلینا میرے نہیں۔"

سلینا کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ وہ مزید کچھ نہیں بول سکی تھی۔

"آئی ایم سوری۔" سلینا خجل سی ہوئی تھی اور دونوں مخالف سمت آگے بڑھ گئی تھیں۔ سلینا کیفے کی جانب چلی گئی تھی اور اوپر وہ باس کے آفس میں آئی تھی اور کافی کا کپ سامنے رکھ کے حارث کے مقابل بیٹھی تھی۔ اس نے بس ایک نظر نورے کے کپ کو دیکھا تھا اور واپس ہاشم المری سے بات کرنے لگا تھا۔

☆☆☆

حارث احمد کریم کے ساتھ کام کرنا نورے کی مجبوری تھی۔ شروع شروع میں وہ تنگ آئی تھی، غصہ بھی آیا تھا اور بے بسی کا احساس بھی ہوا تھا لیکن جیسے جیسے دن گزرے تھے وہ عادی ہوگئی تھی اس کی اور اس کے ناسٹیز کے پرفیوم کی۔ اتنا برا بھی نہیں تھا حارث زہر بہر حال پھر بھی لگتا تھا۔ اس وقت وہ کانفرنس روم میں کھڑا تھا۔ سینے پہ ہاتھ باندھے سامنے دیوار گیر کھڑکی سے باہر نظر آتے دبئی شہر کو دیکھ رہا تھا۔

نورے اس کے عقب میں لمبے مستطیل میز کے گرد بیٹھی ٹیبلٹ پہ سست روی سے انگلی پھیرتی کچھ پڑھ رہی تھی۔ گاہے بگاہے ایک نظر اس پہ بھی ڈال

pklibrary.com

دیتی تھی۔

"سب لوگ کہاں ہیں۔ پندرہ منٹ اوپر ہو گئے ہیں۔" اس نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی تھی اور پلٹا تھا۔

نورے نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا تھا اور اسکرین پہ سوائپ کیا تھا۔

"لوگ آپ کو کچھ خاص پسند نہیں کرتے حارث!" وہ مصروف سی بولی تھی۔

"میں اس پوسٹ پہ اس لیے نہیں ہوں مس نورے، کہ لوگ مجھے پسند کریں۔ میں اس کمپنی کا ایم ڈی ہوں میرا کام کمپنی کو چینج کرنا ہے لوگوں کو پسند آنا نہیں۔" وہ ہموار لہجے میں بولا تھا۔

نورے نے سر اٹھا کے اسے دیکھا تھا۔ بلیک شرٹ اور بلیک پینٹ پہنے حارث میز کی جانب بڑھا تھا اور سربراہی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ سیاہ کوٹ اس نے کرسی کی بیک پہ رکھا تھا۔

(بات تو صحیح کی ہے کمبخت نے!) نورے نے کندھے اچکائے تھے اور ظاہر ایسے کیا تھا جیسے اسے کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔ لیکن اندر سے وہ ہر دن اس شخص سے متاثر ہو رہی تھی۔ دل پہ پتھر رکھ کے اعتراف کرنا پڑ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کام کرنے میں مزہ آتا تھا۔ وہ اسے ایک عام کولیگ کی طرح ٹریٹ کرتا تھا۔ وہ ہاشم المری کو اتنا پسند کیوں تھا، اسے دھیرے دھیرے سمجھ میں آ رہا تھا۔

"آپ بھی مجھے ناپسند کرتی ہیں؟" اس نے اپنے دائیں طرف دو کرسیاں چھوڑ کے بیٹھی نورے کو مخاطب کیا تھا۔ نورے نے ٹیبلٹ سے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا تھا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا اور پوری ایمان داری سے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"عام سا ور کر رائٹ!" وہ مسکراہٹ دبائے سر ہلاتے ہوئے بولا تھا۔ نورے خجل ہوئی تھی۔

"میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ میں بس۔" اس نے بات بنانے کی کوشش کی تھی۔ حارث اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"تمہارا یہی مطلب تھا نورے!" اس کے دل نے کہا تھا۔

"میں...... بس وہ۔" نورے نے اسے دیکھتے ہوئے خشک ہونٹوں پہ زبان پھیری تھی حارث نے سر ہلایا تھا جیسے کہہ رہا ہو، آگے بولو اب۔

"آہ اتنی شرمندگی!" نورے نے دل میں سوچا تھا۔

"نیور مائنڈ۔" اس نے نظریں اسکرین کی جانب موڑی تھیں۔ حارث احمد کریم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جھوٹ بولنا مشکل تھا۔

"جو ہو چکا ہے اس کے بارے میں بات کرنے کا کیا فائدہ۔" وہ ٹیبلٹ کی اسکرین پہ سوائپ کرتی بولی تھی۔ حارث نے مسکراہٹ دبا کے سر ہلا دیا تھا۔

اتنے میں لوگوں کا ایک گروپ کانفرنس روم میں داخل ہوا تھا۔

"رپورٹ کیے بغیر یہ آخری بار ہے کہ آپ لوگ ایسے لیٹ ہیں۔ دوبارہ ایسی لاپرواہی میں نظر انداز نہیں کروں گا۔ امید ہے آپ سب شکایت کا موقع نہیں دیں گے ورنہ نئے لوگوں کو لانا ذرا مشکل اور وقت طلب کام ہے۔" ایک نظر دائیں سے بائیں قطار میں بیٹھے لوگوں پہ ڈالی تھی۔

"لیکن ناممکن نہیں۔" وہ لیپ ٹاپ کھولتے ہوئے بولا تھا۔

سب نے ناپسندیدگی سے اسے گھورا تھا اور "یس سر" کہتے ہوئے سر ہلا دیا تھا۔ ایک آدھ نے صفائی بھی دی تھی جسے حارث نے نظر انداز کیا تھا۔ نورے نے بس ایک خاموش نظر اس کے سنجیدہ چہرے پہ ڈالی تھی۔

☆☆☆

المری پیلس پہ ایک روشن صبح اتری تھی۔ آج ویک اینڈ تھا اور نورے اپنے باپ کے ساتھ بیٹھی ناشتہ کر رہی تھی۔ لمبی میز پہ انواع اقسام کے کھانے چنے گئے تھے۔ پردے ہٹے ہوئے تھے اور باہر گھاس

pklibrary.com

سے ڈھکا خوب صورت لان اور سوئمنگ پول نظر آ رہا تھا۔ کھجور کے درخت باقی پودوں کے ساتھ سر اٹھائے کھڑے تھے اور ہوا سے ان کے پتے ہلتے نظر آ رہے تھے۔ اندر ڈائننگ ہال میں اے سی کی ٹھنڈک پھیلی تھی اور کھانوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

"میں نے اتنی سی ایج میں حارث جیسے سیلف میڈ لوگ بہت کم دیکھے ہیں۔" ہاشم المری نے کانٹے سے مشروم آملیٹ کا ٹکڑا منہ میں رکھا تھا اور اسموتھی کا گھونٹ لیتی نورے بدمزہ ہوئی تھی۔ پورا ہفتہ ویسے ہی اس کے ساتھ کام کرنا پڑتا تھا اور چھٹی کے دن بھی اسے حارث نامہ سننا پڑ رہا تھا۔

"وہ صرف اپنی محنت سے اس مقام تک آیا ہے اور جس طرح وہ چیزوں کو ہینڈل کرتا ہے۔ میں امپریسڈ ہوں! مجھے اپنے اردگرد ایسے ہی بریلینٹ لوگ چاہئیں۔ نورے، تم نے بالکل حارث کی طرح اس کمپنی کو سنبھالنا ہے۔" لہجے میں ستائش تھی۔ نورے کے حلق میں کڑواہٹ گھلی تھی۔

"ڈیڈ! آپ چھٹی کے دن بھی آفس کی باتیں لے کے بیٹھ گئے ہیں۔"

"آفس کی نہیں حارث کی بات کر رہا ہوں۔" وہ اب قہوے کا گھونٹ لیتے مسکرائے تھے۔

"مجھے تمہارے لیے حارث جیسا بندہ چاہیے۔ وہ محنتی ہے، ایمان دار ہے اور بریلینٹ ہے۔" وہ اپنی رو میں بول رہے تھے اور کانٹے پہ لگا انڈا اس کا ٹکڑا منہ تک لے جاتے ہوئے نورے کا ہاتھ رکا تھا۔ اس نے دھیرے سے کانٹا واپس پلیٹ میں رکھا۔

"اتنی سی ایج میں اتنی ساری خوبیاں ایک انسان میں بہت کم ملتی ہیں۔ ہمیشہ کوئی نہ کوئی کیچ ہوتا ہے تو میں سوچ رہا تھا۔"

"ڈیڈ! مجھے وہ بالکل نہیں پسند۔ میں اس کے ساتھ کام بھی آپ کی وجہ سے کر رہی ہوں۔ شادی تو دور کی بات ہے۔" اس نے باپ کی بات کاٹی تھی۔

"تو میں سوچ رہا تھا، اسے بورڈ آف ڈائریکٹرز میں شامل کر دیں۔" انہوں نے سکون سے اپنی بات مکمل کر کے اسے دیکھا تھا اور ایواکاڈو ٹوسٹ اپنی پلیٹ میں نکالا تھا۔

"اوہ!" نورے بری طرح خجل ہوئی تھی، بورڈ آف ڈائریکٹرز، کے لفظ پہ باپ کو دیکھا تھا۔

"پتا نہیں تم اور جمال اسے اتنا ناپسند کیوں کرتے ہو؟" وہ کندھے اچکائے ہوئے بولے تھے۔

"ایک وہ جمال ہے۔" گہری سانس لے کے انہوں نے بات ہی ادھوری چھوڑ دی تھی۔

"ہم اسے ناپسند نہیں کرتے!" نورے ناک سکوڑ کے بولی تھی اور کانٹے پہ لگا مچھلی کا ٹکڑا منہ میں رکھا تھا۔

"ہاں۔" ہاشم نے تائیداً سر ہلایا تھا۔ "یہ ناپسندیدگی نہیں...... جیلسی ہے!"

"ڈیڈ!" نورے نے برا مان کے انہیں دیکھا تھا یہ الزام پہلے والے سے زیادہ برا تھا۔

"نو اوفینس بیٹا۔" ہاشم دونوں ہاتھ کھڑے کر کے مسکراہٹ دبا کے بولے تھے اور نورے نے سر جھکا تھا۔

"بھلا میں کیوں جیلس ہونے لگی حارث کریم سے! ایک ایم ڈی ہی تو ہے میں ہاشم المری کی بیٹی اب ایک عام ورکر سے جیلس ہوں گی!"

اس نے چھری اور کانٹے سے قتلے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کیے تھے۔

بس ذرا قابلیت اور اچھی شکل ہی تو ہے قسمت اچھی ہے کم بخت کی جو المری انٹرپرائزز میں ایم ڈی کی پوزیشن مل گئی ہے اور......

وہ رکی تھی چھری اور کانٹے کو پلیٹ میں رکھا تھا۔ کھڑکی سے باہر نظر آتے لان اور پول کو دیکھتے ہوئے اس نے ہار مانی تھی۔

"ہاں میں اس سے جیلس ہوں!" اس نے دل میں قبول کیا تھا اور گہرا سانس لیا تھا۔ اپنے باپ کے منہ سے اس کی اتنی تعریفیں اس کا دل جلا رہی تھیں۔ کیونکہ ہاشم المری کسی کی اتنی تعریف نہیں کرتے تھے نا۔

pklibrary.com

☆☆☆

حارث گروسریز لینے آیا تھا۔ وہ دبئی میں اکیلا رہتا تھا۔ اس کا باپ اور ایک سوتیلا ٹین ایج بھائی تھا جو آسٹریا میں رہتا تھا۔ اس نے سفید پولو شرٹ اور گہرے نیلے رنگ کی پینٹ پہن رکھی تھی۔ سر پہ سفید پی کیپ پہنے وہ مطلوبہ چیزیں اٹھا اٹھا کے ٹرالی میں رکھ رہا تھا۔ کریم چیز کی بوتل اٹھا کے ٹرالی میں رکھتے ہوئے اس نے پیچ فراک اور سفید جاگرز پہنے کیوٹ سی لڑکی کو دیکھا تھا۔ وہ ٹرالی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے خالی خالی نظروں سے ایک ریک کو دیکھے جا رہی تھی۔ حارث اس کے قریب گیا تھا۔

''آپ کو کوئی ہیلپ چاہیے؟''

لڑکی نے چند لمحے اسے دیکھا تھا اور پھر کندھے پہ پہنے بیگ میں سے ایک لسٹ نکال کے اس کی طرف بڑھائی تھی۔

''آپ کاؤنٹر کے پاس میرا ویٹ کریں۔ میں آ رہا ہوں۔'' اس نے فاطمہ کی خالی ٹرالی لی تھی اور اپنی ٹرالی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا تھا۔ لسٹ کو دیکھتا وہ آگے بڑھا تھا اور فاطمہ ٹرالی لیے کاؤنٹر کے پاس جا رکی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں گروسریز سے بھرے بیگ اپنی اپنی گاڑی کی ڈگی میں رکھ رہے تھے۔

''کوئی مسئلہ ہے کیا؟'' حارث مصروف سے لہجے میں بولا تھا۔

''ضرار نے ڈرنک کرنا شروع کر دی ہے۔'' وہ گم صم سی بولی تھی۔

''ضرار؟'' حارث نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''میرا ہزبینڈ!'' فاطمہ نے ڈگی بند کی تھی اور اسے دیکھا تھا۔

''اور ضرار نے ڈرنک کرنا کیوں شروع کر دی ہے؟'' وہ کار سے ٹیک لگائے بولا تھا۔

''اس کا بزنس کامیاب نہیں ہو رہا نا۔ وہ اتنی محنت کرتا ہے لیکن کوئی چیز کام ہی نہیں کرتی۔ اسی چیز کا اسٹریس لے کے وہ اس عادت کا شکار ہو گیا ہے۔'' وہ مایوس سی سامنے سڑک پہ بھاگتی ٹریفک کو دیکھنے لگی تھی۔ اس نے محسوس کیا تھا وہ ضرار کو ڈیفینڈ کر رہی تھی۔ حارث نے سر ہلایا تھا۔

''اگر ناکامی ملنے پہ آپ اپنے شوہر کے غلط راستے پہ جانے کو ڈیفینڈ کریں گی تو سوچیں، آج سے پانچ سال بعد دو بچوں کے ساتھ آپ لوگ کہاں ہوں گے؟''

''کہاں؟'' فاطمہ کے منہ سے پھسلا تھا۔

''ڈائیورس لائر کے پاس۔'' وہ ابرو اچکا کے بولا تھا اور فاطمہ مسکرائی تھی۔

''تو میں کیا کروں؟'' اس نے خود کو کہتے ہوئے سنا تھا۔

''آپ اپنے شوہر کو اپنے عمل سے یہ میسج دیں کہ وہ ایک غلط راستے پر چلنے کی صورت میں کچھ کھو سکتا ہے۔'' حارث سوچ سوچ کے بولا تھا۔ وہ دونوں اپنی اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔

''کیا مطلب؟'' فاطمہ کا دل ڈوبا تھا۔

''آپ جانتی ہیں آپ کو کیا کرنا ہے۔ آپ جانتی ہیں درست راستہ کون سا ہے۔ غلط انتخاب کی قیمت چکانی پڑتی ہے اور وہ قیمت اگر آپ کا شوہر نہیں چکائے گا تو آپ کو اور آپ کے بچوں کو چکانی پڑے گی۔'' وہ نرمی سے مسکرایا اور گلاسز پہن کے بائے کہتا گاڑی کے اندر بیٹھا تھا۔

''لگتا ہے مجھے خود کو ہی تھیراپی دینی پڑے گی!'' وہ گلاسز پہنتی بڑبڑائی تھی اور ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا تھا۔

☆☆☆

نورے موبائل کان سے لگائے کسی سے بات کرتی آ رہی تھی کہ گلاس ڈور کے قریب آ کے رکی تھی۔ گلاسز آنکھوں سے اوپر کر کے ماتھے پہ ٹکائی۔ سامنے سپر مارکیٹ کی پارکنگ لاٹ میں حارث کھڑا کسی لڑکی سے بات کر رہا تھا۔ چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے آنکھیں سکیڑ کے دوبارہ غور سے دیکھا تھا۔

"وہی ہے!" دل نے کہا تھا۔

"میں کال بیک کرتی ہوں۔" اس نے موبائل کان سے ہٹایا تھا۔

"گرل فرینڈ ہے یا دوست؟" اس نے دل میں سوچا اور بیگ کہنی پہ ڈالے دو قدم آگے آئی۔

"کاش ڈیڈ دیکھ سکتے حارث کہ تم...... تم۔" اس نے تندہی سے سوچا تھا اور پھر منہ بسورا تھا۔

"کیا کر رہا تھا وہ؟ بس ایک لڑکی کے ساتھ ہی تو کھڑا تھا۔"

اتنے میں اس کی دوست اس کے قریب آئی تھی۔ "کس کو دیکھ رہی ہو؟" وہ اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

"کسی کو نہیں۔" نورے نے گلاسز واپس آنکھوں پہ چڑھائے۔

"رکو رکو یہ تمہارا......" وہ سوچتے ہوئے رکی تھی۔

"ایم ڈی ہے۔" نورے لہجے کو سرسری سا بنا کے بولی تھی البتہ وہاں سے ہٹی نہیں تھی۔

"کم بخت کیسے مسکرا مسکرا کے بات کر رہا ہے۔" اندر تک ناگواری پھیلی تھی۔

"حارث؟ جس کی تم صبح سے برائیاں کر رہی تھیں؟" اس کی دوست جاسمین جعفری جسے سب جینی کہتے تھے گلاسز انگلی سے ناک پہ ذرا سا نیچے کر کے بولی تھی نورے نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"یہ ایم ڈی ہے؟ وہ بھی الہری انٹر پرائزز کا؟ تم اس کے ساتھ کام کرتی ہو؟" جینی نے اب چہرہ موڑ کے حیرت سے اس کی شکل دیکھی اور ایک ساتھ بہت سے سوال کیے تھے۔

"اتنا حیران کیوں ہو رہی ہو؟" نورے چڑ کے بولی تھی۔

"ویسے......" جینی دو قدم آگے آئی تھی اور غور سے دونوں کو دیکھا تھا "اس کے سامنے کھڑی لڑکی بھی پیاری ہے۔ تم خوش قسمت ہو تمہارے ایم ڈی کی کوئی قریبی نہیں ہے کیونکہ دونوں الگ الگ گاڑیوں میں آئے ہیں۔"

"میری خوش قسمتی؟" نورے نے طنزیہ ہنس کے اسے دیکھا تھا۔

"تمہیں برا لگ رہا ہے؟" وہ دوستانہ لہجے میں بولی تھی۔

"واٹ؟" نورے نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ "مجھے کیوں برا لگے گا؟"

جینی نے کندھے اچکائے تھے۔

"کاش تم نے اس سے نفرت کرنے کے بجائے کام کو ٹائم دیا ہوتا تو آج تم اس سے آگے ہوتیں۔" وہ انگلی سے سامنے شیشے کے پار نظر آتے حارث کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"وہ جس سے آگے بندہ مر کے بھی نہ جائے!"

"تمہارے منہ کے آگے خندق ہے جینی۔" اس نے گلاسز لگا کے گاڑی میں بیٹھتے حارث کو دیکھا تھا۔ "اور میں اس سے نفرت نہیں کرتی۔"

"او پس مائی بیڈ واقعی یہ نفرت نہیں ہے یہ تو جیل......"

"شٹ اپ!" نورے گہرا سانس لے کے ریسپشن کی طرف بڑھی تھی۔

"جیلسی ہے۔" جینی نے مسکرا کے اپنی بات مکمل کی تھی اور اس کے پیچھے آئی تھی۔

"باس ہے تمہارا نمبر تو ہوگا تمہارے پاس؟ نہیں؟" جینی نے کاؤنٹر پہ بازو رکھے اسے دیکھا تھا جو ریسپشن پہ کھڑی لڑکی کو کریڈٹ کارڈ تھما رہی تھی۔

"وہ ایسا آدمی نہیں ہے!" نورے پلٹتے ہوئے بولی تھی۔ "بلکہ وہ تمہاری ٹائپ کا ہی نہیں ہے۔"

"یہ تمہیں کیسے پتا؟" جینی نے کار ان لاک کی تھی اور ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا تھا۔

"کیونکہ میں اس کے ساتھ کام کرتی ہوں۔" نورے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتی بولی تھی۔

"ہو سکتا ہے اسے تم میں انٹرسٹ نہ ہو نورے۔" جینی نے مسکراہٹ دبائی تھی۔

"ایکسکیوز می!" نورے نے گلاسز اتار کے

pklibrary.com

اسے گھورا تھا۔ ''یہ ورک پلیس ایتھکس ہیں۔'' دونوں نے سیٹ بیلٹ باندھی تھی۔

''واٹ ایور۔'' جینی نے ڈرائیو کرتے ہوئے کندھے اچکائے تھے۔

''اچھا اس کا نمبر شروع کہاں سے ہوتا ہے؟''

''وہ ایک بورنگ انسان ہے۔'' نورے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''سوشل میڈیا پہ ہے؟'' جینی نے چہرہ سنجیدہ بنائے پوچھا تھا۔

''ایک کام کرو مجھے گھر اتارو اور تم حارث کو اسٹاک کر لو۔ مجھے تمہارے ساتھ لنچ نہیں کرنا۔ میں ڈیڈی کے ساتھ کھانا کھاؤں گی۔'' وہ برا سا منہ بنا کے بولی تھی۔

''ٹھیک ہے میں الری انٹرپرائزز میں سے کسی سے مانگ لوں گی۔'' اس نے کندھے اچکائے تھے۔

''میری بلا سے جو مرضی کرو جینی۔'' نورے ہاتھ جھلا کے بولی تھی۔ اور کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے اسے پیچ فراک اور سیاہ بالوں والی لڑکی دوبارہ یاد آئی تھی۔

''وہ کون تھی؟ ہو سکتا ہے دوست ہو! خیر مجھے کیا!'' اس نے سر جھٹکا تھا۔

''ایک عام سے ورکر کی زندگی میں کیا چل رہا ہے اس سے مجھے ہاشم الری کی بیٹی کو بھلا کیا لینا دینا!''

''پھر پکا نہیں دے رہی نمبر؟'' جینی معصوم سی شکل بنا کے بولی تھی اور نورے نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا تھا۔

''او کے بابا فائن۔'' جینی موڑ کاٹتی بولی تھی۔

''نظروں سے بھسم کرو گی کیا اب؟'' وہ اسے ایسے گھورتا دیکھ بولی تھی۔

اور نورے نے گہرا سانس لے کے چہرہ موڑ لیا تھا۔

☆☆☆

وہ گروسریز کے بیگز اٹھائے اندر آئی تھی سامنے ضرار صوفے پہ نیم دراز تھا۔ فاطمہ نے بیگز نیچے رکھے تھے اور جوتے اتار کے وہیں ریک پہ رکھے تھے اور خود اس کے نزدیک تھی۔ آفس سے آ کے کپڑے بھی چینج نہیں کیے تھے۔ فاطمہ نے گہرا سانس لیا تھا۔ ضرور پھر سے کچھ ہوا تھا۔

''ضرار! آپ ٹھیک ہیں؟'' وہ اس کے قریب ٹیبل پہ بیگ اور گاڑی کی چابیاں رکھتے ہوئے بولی تھی۔ اس نے بازو آنکھوں سے ہٹایا تھا۔

''پتا نہیں کبھی کبھی مجھے لگتا ہے فاطمہ، کہ مسئلہ میرے اندر ہے۔ میں ایک ناکام انسان ہوں۔ دیکھو مجھے، میں نے اپنے ساتھ ساتھ تمہاری زندگی بھی خراب کر دی ہے۔ میں تمہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتا لیکن میں تمہیں ہرٹ کر رہا ہوں۔'' وہ چور چور لہجے میں بولا تھا۔

''کس نے کہا میری زندگی خراب ہے؟'' اس نے ابرو اچکا کے ضرار کو دیکھا تھا اور ٹیبل کے قریب نیچے کارپٹ پہ بیٹھی تھی۔

''اور کس نے کہا آپ ناکام انسان ہیں؟'' وہ نرمی سے بولی تھی۔

''تمہیں میں کامیاب لگتا ہوں؟'' ضرار اٹھ کے بیٹھا تھا۔

''ہم سب اس ہار کو ڈھونڈنے کی کوشش میں لگے ہیں جو پہلے سے ہی ہم نے گردن پہ پہن رکھا ہے۔ آپ نے بس اپنے ذہن میں ایک پوائنٹ فکس کر لیا ہے کہ بس میں یہاں جاؤں گا تو مجھے خوشی ملے گی لیکن چیزیں ایسے کام نہیں کرتی ہیں۔ زندگی کے ہر فیز میں کچھ نہ کچھ مسنگ ہوتا ہے۔ جو ہے اس کے ساتھ خوش ہونا سیکھیں ورنہ آپ ہمیشہ بھاگتے ہی رہیں گے۔''

''میں اب تھک گیا ہوں۔'' وہ سر جھکا کے بولا تھا ''کیا مجھے مان لینا چاہیے کہ یہ سب میری قسمت میں ہی نہیں ہے؟''

''ضرار! میری طرف دیکھیں۔'' فاطمہ اٹھ کے اس کے سامنے زمین پہ بیٹھی تھی اور ضرار نے جھکا سر اٹھایا تھا۔

pklibrary.com

"سب کچھ کام کرے گا۔ آپ بزنس میں کامیاب ہوں گے۔ آپ اپنی خود کی کمپنی بنائیں گے۔ مسئلوں سے نکلنے کا ہمیشہ کوئی نہ کوئی حل ہوتا ہے۔ چاہے وہ اس مسئلے سے خود کو کٹ آف کرنا ہی کیوں نہ ہو۔ اور آپ کو کوئی نہ کوئی راستہ ضرور ملے گا۔ اوکے؟" وہ اس کے گال پہ ہاتھ رکھے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی تھی۔ ضرار نے سر ہلایا تھا۔ اس کی باتیں دل ہلکا کر دیتی تھیں۔

"جو نہیں ہے اس کے پیچھے اتنا مت بھاگیں کہ آپ وہ بھی کھو دیں جو آپ کی پاس ہے۔ ہر چیز کے ہونے کا ایک وقت مقرر ہے۔ جو آپ کا ہوتا ہے وہ آپ کے پاس واپس ضرور آتا ہے۔"

"تم ایک اچھی تھیراپسٹ ہو۔" وہ اداس آنکھوں سے مسکرایا تھا۔

"میرے کلائنٹ بھی یہی کہتے ہیں۔" وہ مسکرائی تھی اور ہاتھ واپس کھینچا تھا۔

"کچھ کھایا ہے آپ نے؟"

ضرار نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"اوکے جائیں فریش ہو کے آئیں۔ آج باہر کھانے چلتے ہیں۔" وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتی اپنی جگہ سے اٹھی تھی، اسے روز کچھ نہ کچھ ہوا ہی ہوتا تھا۔ اس بزنس کو ضرار نے اب انا کا مسئلہ بنا لیا تھا۔ اور یہ چیز ان کی زندگی کو بری طرح متاثر کر رہی تھی۔

ضرار کے پاس انڈسٹریل ڈیزائننگ کی ڈگری تھی اور اس نے ایئر پلین انٹیریرز میں اسپیشلائز کیا تھا۔ وہ ایک درمیانے درجے کی کمپنی میں پراڈکٹ ڈیزائنر تھا۔ جاب اچھی تھی لیکن ضرار ملک اس سے بالکل مطمئن نہیں تھا۔ اسے اپنی خود کی کمپنی بنانی تھی اور اس خواب کے پورا ہونے کے فی الحال کوئی آثار نظر نہیں آرہے تھے۔

☆☆☆

وہ بار کے باہر کھڑا جمال کا انتظار کر رہا تھا۔ بے فکر باتوں میں مگن لوگ اس کے پاس سے گزر کے اندر آجا رہے تھے۔ میرون کلر کی شرٹ اور بیج کلر کی پینٹ پہنے وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے کچھ سوچتے ہوئے زمین پہ جوتے سے آڑی ترچھی لکیریں کھینچ رہا تھا اس بات سے بے خبر کہ آج رات کے بعد اس کی زندگی بدلنے والی تھی۔ آج کی رات اس کی پرانی زندگی کی آخری رات تھی۔ وہ چونکا تھا جب ایک سفید مرسیڈیز اس کے سامنے آکر رکی تھی۔

"ضرار!" جمال باہر نکلا تھا اور اس سے ہاتھ ملایا تھا۔ "چلو اندر چل کے بات کرتے ہیں میرے بھائی۔" جمال اندر بار کی جانب بڑھا تھا اور ضرار رکا تھا اور پھر اس کے ساتھ اندر آگیا تھا۔ یہ ویسے بھی آج آخری دفعہ تھا وہ اسے بزنس پلان دکھائے گا اور جمال اس کی میٹنگ کروا دے گا۔

"ہم ہمیشہ ایسی ہی جگہوں پہ کیوں ملتے ہیں جمال بھائی؟" وہ ناگواری سے بار میں داخل ہوتے ہوئے بولا تھا۔ وہ اس سے کچھ مہینے پہلے اپنے ایک دوست کے ذریعے ملا تھا۔

"کیا ہے اس جگہ کو؟" جمال نے اس کی شکل دیکھی تھی۔ ضرار نے سر جھٹکا تھا۔

"کام کی بات کرتے ہیں دراصل مجھے کہیں جانا ہے۔ اس لیے دیر ہو رہی ہے۔" وہ عجلت میں لگتا تھا۔ وہ دونوں ایک لکڑی کے چوکور میز کے قریب رکے تھے اور کرسی کھینچ کے آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

"اچھا جیسے تمہاری مرضی۔" جمال نے کندھے اچکائے تھے اور کوٹ اتار کے بیٹھا تھا۔ ایک لڑکے نے دو گہرے سبز رنگ کی کانچ کی بوتلیں ان کے سامنے رکھی تھیں۔ جمال نے ایک بوتل اس کے سامنے رکھی تھی جسے ضرار نے دیکھا تک نہیں تھا۔

"اس یو ایس بی میں ساری ڈیٹیلز ہیں۔ میرے اس پراجیکٹ کے چار پارٹس ہیں۔ اس میں ایک کی ڈیٹیلز ہیں۔" وہ اسے ساری تفصیلات بتانے لگا تھا۔ جمال نے یو ایس بی اس سے لے کے جیب میں ڈالی تھی اور بوتل سے گھونٹ بھرتا بد دلی سے سننے گیا تھا۔

"آپ بس میری ایک میٹنگ ارینج کروادیں۔"

اسے سارا پلان سنا کے وہ آخر میں بولا تھا۔ "مجھے انویسٹرز اور اسپانسرز کی ضرورت ہے۔ لوگ اتنی جلدی مانتے نہیں ہیں لیکن مجھے یقین ہے ہاشم المری کو میرا یہ آئیڈیا ضرور پسند آئے گا تو......"

"تمہیں انویسٹرز کو منانے کے لیے محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے تمہاری تو اتنی خوب صورت بیوی ہے۔ فاطمہ۔" جمال نشے میں دھت سامنے دیکھتے ہوئے بڑبڑایا تھا اور ضرار کو لگا تھا اسے سننے میں غلطی ہوئی تھی۔ شاک سے اس کی چلتی زبان کو بریک لگا تھا۔ جمال سے اسے ایسی بات کی توقع نہیں تھی۔

"کیا کہا آپ نے؟" اس کے ماتھے پہ بل پڑے تھے۔

"مجھے لگتا تھا نورے خوب صورت ہے لیکن تمہاری بیوی کو دیکھنے کے بعد مجھے لگتا ہے میں غلط ہوں۔ تمہیں انویسٹرز پہ محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں کل ہی میٹنگ ارینج کرواسکتا ہوں۔ اگر تم چاہو تو۔"

وہ کرسی سے ٹیک لگائے وائکن بجاتے آدمی کو دیکھے گیا تھا۔ ایک لمحہ لگا تھا ضرار کی آنکھوں میں سرخی اترنے میں۔ اس نے سامنے رکھی بوتل اٹھائی اور جمال کے سر پہ دے ماری تھی۔ سرخ اور نیلی بتیاں جل بجھ رہی تھیں۔ کانچ کے نوکیلے ٹکڑے ادھر ادھر گرے تھے اور جمال کے سر سے خون نکلنے لگا تھا۔ چند لمحے لگے تھے اسے سمجھنے میں اور تب تک وہ اسے گریبان سے پکڑ چکا تھا، اپنے ہاتھ میں موجود بوتل اس نے اٹھا کے ضرار کے سر پہ دے ماری تھی لیکن اسے زیادہ نہیں لگی تھی گارڈز چاروں طرف سے ان تک آئے تھے۔ ضرار نے اسے کالر سے دبوچ ٹیبل پہ گرایا تھا اور اس کے منہ پہ مکے مارنے لگا تھا۔

"نام کیسے لیا تو نے اس کا۔" ضرار غرایا تھا۔ گارڈز نے آگے اسے بمشکل ہٹایا تھا اور جمال لڑکھڑاتے ہوئے سیدھا ہوا تھا اس کا ہونٹ پھٹ چکا تھا۔ اس نے ناک کو چھوا تھا خون نکل رہا تھا۔

"وحشی جانور!" اس نے ایک طرف تھوکا تھا۔

"دوبارہ نظر مت آنا ورنہ جان سے ماردوں گا۔"

"تو نے دوبارہ اپنے منہ سے میری بیوی کا نام لیا تو خدا کی قسم زندہ گاڑ دوں گا۔"

ضرار پوری قوت سے خود کو چھڑاتے ہوئے بولا تھا۔ اس کی کن پٹی کے قریب خون کی ایک لکیر سی بنی تھی اور آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ جمال کو جان سے مار دیتا۔ جمال لڑکھڑاتے ہوئے چل کے اس کے قریب آیا تھا اور اسے ٹھوڑی سے دبوچا تھا۔

"تم جیسے ناکام انسان کے ساتھ اس کی شادی ہونا ہی اس کی بدقسمتی ہے!" اور ضرار نے مزاحمت ترک کی تھی۔

"تم ایک ناکام انسان ہو ضرار۔" جمال زہر خند لہجے میں بولا تھا اور اس نے گارڈز کو اسے دفع کرنے کا اشارہ کیا تھا۔ گارڈز اسے باہر پھینک کے گئے تھے۔ وہ گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھا اس نے کنپٹی کو چھوا۔ خون اس کے ہاتھ پہ لگا تھا وہ خون لگے اپنے ہاتھ کو دیکھے گیا تھا۔ سرخ آنکھوں میں اب نمی کی باریک سی تہہ تھی۔ جمال کی آواز کانوں میں گونج رہی تھی۔ اتنے میں اس کے پاس سے نشے میں دھت لڑکوں کا ایک گروپ گزرا تھا۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ سے بھورے کانچ کی بوتل پھسل کے نیچے گری لیکن ٹوٹی نہیں تھی۔

ضرار سپاٹ چہرے کے ساتھ اٹھا اور بوتل اٹھالی۔ جمال کے توسط سے مدد ملنا اس کی آخری امید تھی اور آج وہ بھی ختم ہوگئی۔

☆☆☆

رات کے دو بج رہے تھے، ضرار ابھی تک گھر نہیں آیا تھا۔ سفید ٹی شرٹ اور بھورے رنگ کا ٹراؤزر پہنے فاطمہ لاؤنج میں دائیں سے بائیں چکر لگا رہی تھی۔ بال کانوں کے پیچھے اڑسے وہ اضطرابی انداز میں انگلیاں مروڑتی بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے موبائل اٹھایا تھا۔

pklibrary.com

"مجھے کسی کو کال کرنی چاہیے!" اس نے ضرار کے بھائی کا نمبر نکالا تھا اور اس سے پہلے وہ کال کرتی دروازے پہ دستک ہوئی تھی۔ اس نے تشکر کا سانس لیا تھا۔ دروازہ کھولا تھا اور سامنے ضرار کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور کنپٹی سے بہتا خون گردن پہ بھی لگا تھا۔

"ضرار یہ چوٹ......" وہ اسے ہٹاتا اندر آیا تھا۔

"آپ نے وعدہ کیا تھا۔ آپ پھر سے......" اس نے بات ادھوری چھوڑ کے ضرار کو دیکھا تھا۔

"تو؟" وہ لڑکھڑاتے ہوئے اس تک آیا تھا۔ فاطمہ دو قدم پیچھے ہٹی تھی آج وہ کوئی اور ہی انسان لگ رہا تھا۔

"تو کیا؟" وہ مزید آگے آیا تھا۔ فاطمہ کی ٹانگیں لاؤنج کے صوفے سے ٹکرائی تھیں۔ ضرار نے اسے بالوں سے پکڑا تھا۔

"ضرار، چھوڑیں۔" فاطمہ نے دونوں ہاتھوں سے اس کا ہاتھ پکڑ کے خود کو چھڑانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ اس کی نہیں سن رہا تھا۔

"چھوڑ دو گی؟" بال دبوچے ضرار نے اس کا چہرہ قریب کیا تھا اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ فاطمہ کے چہرے پہ ہراس پھیلا تھا۔

"آپ کیا کر رہے ہیں؟" وہ مزاحمت ترک کر کے اب کانپتی آواز میں بولی تھی۔

"تو چھوڑ دو۔" وہ چلایا تھا اور اس نے ایک جھٹکے سے فاطمہ کو چھوڑا تھا۔ وہ گری اور ٹیبل کا کونا اس کے سر پہ لگا تھا۔ ضرار ڈگمگاتے ہوئے اندر کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا اور وہ وہیں بیٹھ گئی تھی۔ دونوں ہاتھ گود میں رکھے تھے۔ اس کے سر پہ چوٹ لگی تھی۔ لیکن محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا۔

☆☆☆

کانفرنس روم میں میٹنگ تھی سب آ چکے تھے بس ہاشم المری کا انتظار تھا۔ نورے دیوار گیر کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی۔ کھڑکی کے باہر دھوپ میں چمکتی بلڈنگز دکھائی دے رہی تھیں۔ کافی فاصلے پہ حارث بیٹھا اپنے کولیگ کی کوئی بات سن رہا تھا۔ اور نورے کے سامنے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے جمال کھڑا اس کا حال پوچھ رہا تھا۔

"جمال۔" وہ حارث کو بغور دیکھتی سوچتے ہوئے بولی تھی۔ "ایک کام کرو گے؟"

"آف نورے، حکم کرو۔" اس کے سر پہ پٹی تھی جس کی وجہ اس نے سب کو ایکسیڈینٹ بتائی تھی۔ ہونٹ کے زخم پہ بھی بینڈ ایج تھی اور باقی ایک دو نیل کے نشان تھے بس!

نورے المری کو حارث پہ صبح سے بے وجہ غصہ آ رہا تھا۔

"حارث کریم کے بارے میں کچھ ڈھونڈو۔" وہ بول رہی تھی اور تب ہی دور بیٹھے حارث نے بات کرتے ہوئے لاشعوری طور پہ کولیگ سے نظر ہٹا کے اسے دیکھا تھا۔ ایک لمحے کے لیے نظریں ملی تھیں اور نورے کا دل دھڑکا تھا جیسے چوری پکڑی گئی ہو۔ اس نے نظریں چرائی تھیں۔

"کیا مطلب؟" جمال نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تھا۔

"کیا کر رہی ہو نورے؟" اس کے اندر سے آواز آئی تھی۔

"کچھ بھی جو اس کی ریپوٹیشن خراب کرے۔" وہ اسے آفس سے نکلوانا نہیں چاہتی تھی۔ بس ڈیڈ کی نظروں میں تھوڑا سا گرانا چاہتی تھی۔

"لڑکی کا معاملہ، کرپشن، کوئی بیک گراؤنڈ پرابلم کچھ بھی۔ کچھ ملتا نہیں تو کری ایٹ کرو۔" وہ جگہ جو ہاشم کے دل میں نورے کی تھی وہاں حارث براجمان تھا۔

جمال نے اسے دیکھا تھا۔ اس نے آسمانی رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا اور نیچے سفید کینوس شوز۔ بال پونی میں بندھے تھے اور آسمانی رنگ کے کوٹ کی آستین کہنیوں تک موڑے ہوئے تھیں۔ وہ حارث کو پسند نہیں کرتی تھی اس کے دل کو اطمینان ہوا تھا۔

pklibrary.com

"تنگ تو ہم بھی ہیں ان صاحب سے۔ کرتا ہوں کچھ۔" جمال سرمئی آنکھیں حارث پہ گاڑھے بولا تھا۔ اس نے نورے کو نہیں روکا تھا۔ وہ غلط کام کرنے سے نہیں روکتا تھا۔ اور آپ کے قریب انسانوں میں سب سے خطرناک لوگ وہ ہوتے ہیں جو آپ کو غلط راستے پہ چلنے سے نہیں روکتے۔

"پتا نہیں چچا کو وہ اتنا پسند کیوں ہے؟ میں تو اسے سیکریٹری بھی نہ رکھتا۔" جمال کھڑکی سے باہر نظر آتے شہر کو دیکھتا ناگواری سے بولا تھا۔ نورے کو اس کا لہجہ برا لگا تھا۔

"کیونکہ وہ ایمان دار اور محنتی ہے جمال۔ اسے اپنا کام کرنا آتا ہے۔" وہ بے اختیار بولی تھی اور جمال نے چونک کے اس کی شکل دیکھی تھی۔ وہ حارث کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنے سامنے بیٹھے کولیگ کی کسی بات پہ ہنس رہا تھا اور اس کے بائیں گال میں گڑھا بنتا تھا۔ نورے سانس روک کے اسے دیکھے گئی تھی دل عجیب خالی سا ہو گیا تھا۔

"شرم کرو نورے، تم ایک عام سے ورکر سے کیسے ......؟" دماغ نے اسے ڈپٹا تھا اور اس نے نظریں موڑ لی تھیں۔

"ایم ڈی۔" دل نے تصحیح کی تھی۔ "وہ بھی المری انٹرپرائزز کا!" اسے جینی کی بات یاد آئی تھی۔

"بس ذرا سی ریپوٹیشن خراب ہوگی وہ رہے گا تو یہیں نا۔ میں حارث سے اس کی جاب تو نہیں چھین رہی!" اس نے اپنے دل کو تسلی دی تھی۔ اس بات سے بے خبر کے نورے نے جمال کو اپنے لیے سب سے گہرا گڑھا کھودنے کا کہا تھا۔

وہ میز تک آئی اور حارث کے سامنے پانچ چھ کرسیاں چھوڑ کے بیٹھی تھی۔

☆☆☆

صبح ضرار منہ ہاتھ دھو کے آیا تھا اور ٹھٹھک کے رکا تھا۔ فاطمہ صوفے پہ بیٹھی تھی اس کے سر پہ بینڈیج بندھی تھی اور قریب ایک سوٹ کیس پڑا تھا۔

"ہر برے انتخاب کی ایک قیمت چکانی پڑتی ہے۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی تھی۔ ضرار ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ ...... چوٹ۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

"ہاتھ اٹھانے کی کسر باقی رہ گئی تھی وہ بھی آپ نے پوری کر دی۔" وہ قدم قدم چل کے اس کے قریب آئی تھی۔

"میں ایسے زندگی نہیں گزار سکتی۔ میں نہیں چاہتی، ہمارے بچے اس ٹاکسک ماحول میں بڑے ہوں۔ اس لیے ہم دونوں کے حق میں یہی بہتر ہے کہ ہم الگ ہو جائیں۔

آپ نے وعدہ توڑ دیا ضرار!" وہ سرگوشی میں بولی تھی اور آنکھوں میں پانی اکٹھا ہوا تھا۔

"لیکن میں اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹوں گی۔" اس نے انگوٹھی اتار کے ضرار ملک کے ہاتھوں میں تھمائی تھی "اللہ حافظ!"

"اگلی بار ہو سکے تو اپنے ریلیشن شپ کو سیریس لینا۔" وہ پلٹ گئی تھی اور ضرار انگوٹھی مٹھی میں دبائے وہیں کھڑا رہا تھا۔

"تم جیسے انسان کے ساتھ شادی ہونا ہی اس کی بدقسمتی ہے۔" جمال کی بے رحم آواز اس کے کانوں میں گونجی تھی اور ضرار ملک نے فاطمہ کو نہیں روکا تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ جانتا تھا وہ نہیں رکے گی۔

☆☆☆

دو دن بعد وہ تینوں آفس ٹائم ختم ہونے سے کچھ ایک گھنٹہ پہلے ہاشم المری کے آفس میں بیٹھے تھے۔ ایک نیا پراجیکٹ ڈسکس کرنا تھا۔ جمال کوئی کال سننے آفس سے باہر گیا تھا۔ نورے ٹیبل سے ٹیک لگائے کھڑی تھی اور حارث لیپ ٹاپ پروجیکٹر سے کانیکٹ کیے بیٹھا انہماک سے کچھ دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں ہاتھ سینے پہ باندھے ہیل کی نوک سے فرش کو رگڑتی نورے نے سر اٹھایا تھا۔ اس نے بہت صبر کیا تھا اب اور نہیں ہوتا تھا۔

"وہ لڑکی کون تھی؟" نورے لہجے کو سرسری

pklibrary.com

قارئین اب گھر بیٹھے پرچا حاصل کرسکتی ہیں

ہماری بہت سی قارئین جو دور دراز علاقوں میں رہتی ہیں ان کے لیے اکثر و بیشتر پرچوں کا حصول دشوار ہوتا ہے اور موجودہ حالات نے تو اسے مزید دشوار بنا دیا ہے۔ جس کی بنا پر ہماری قارئین کو پرچا حاصل کرنے میں دشواری کا سامنا ہے۔ ان حالات میں آپ کو گھر بیٹھے پرچا مل سکتا ہے۔

ہم آپ کے دروازے پر پرچا پہنچائیں گے اور آپ کو اس کے لیے صرف پرچے کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔ کوئی اضافی رقم آپ سے وصول نہیں کی جائے گی۔ پرچے کی پیکنگ اور ڈاک کے اخراجات ادارہ برداشت کرے گا۔ ہمیں درج ذیل رقم بھجوا کر آپ ہر ماہ باقاعدگی سے گھر بیٹھے پرچا حاصل کرسکتی ہیں۔

اگر آپ کو پرچا اندرون ملک نہیں مل پایا ہے تو آپ ایک پرچے کی رقم -/150 روپے بھجوا کر پرچا حاصل کرسکتی ہیں۔

رقم بھجوانے کا آسان ترین طریقہ ایزی پیسہ ہے۔

آپ کسی بھی ایزی پیسہ شاپ، ایزی پیسہ موبائل ایپ یا بینک اکاؤنٹ سے ہمارے اکاؤنٹ نمبر 0317-2266944 میں رقم بھیج کرسکتے ہیں۔

سالانہ خریدار اندرون ملک قارئین کے لیے:

فی ڈائجسٹ -/1800 روپے بھجوائیں

سالانہ خریدار بیرون ملک قارئین کے لیے

بیرون ملک پاکستانی درج ذیل طریقہ سے رقم بھجوائیں۔

ڈرافٹ بنام "عمران ڈائجسٹ، اکاؤنٹ نمبر 0010000015680030، الائیڈ بینک لمیٹڈ، عیدگاہ برانچ، کراچی، آن لائن کے لیے PK44ABPA0010000015680030"، کوشش کریں کہ ڈرافٹ یا چیک کراچی کی کسی برانچ کا ہو اگر کراچی کے علاوہ کسی اور شہر کا ہو تو -/500 روپے زیادہ روانہ کریں، کیونکہ دوسرے شہر کا چیک ہونے کی صورت میں بینک -/500 روپے کمیشن کاٹتا ہے۔

فی ڈائجسٹ ایشیا، افریقہ، یورپ -/22000 روپے، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا -/25000 روپے۔

کسی بھی معلومات اور آڈر کے لیے اس واٹس ایپ نمبر 0317-2266944 پر رابطہ کریں

ایجنٹ حضرات اس واٹس ایپ نمبر 03312266944 پر رابطہ کریں

pklibrary.com

بنائے بولی تھی۔

"کون سی لڑکی؟" وہ مصروف سا بولا تھا اور بس ایک نظر نورے کو دیکھا تھا۔

"وہی جو سپر مارکیٹ کے باہر آپ کے ساتھ کھڑی تھی۔ پیچ فراک پہنے جس میں وائٹ لائنز تھیں۔ پیچ اسکارف گردن میں ڈال رکھا تھا۔ وائٹ جاگرز پہن رکھے تھے۔" اس نے مزید یاد کرنے کی کوشش کی تھی اور بال آدھے باندھ رکھے تھے۔

حارث نے گردن موڑ کے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"آپ لوگوں کو اتنا غور سے دیکھتی ہیں۔" وہ ابرو اچکائے آنکھوں میں حیرت لیے بولا تھا۔ آفس میں ہمیشہ کی دی ڈریمر کی خوشبو پھیلی تھی۔

"مجھے چیزیں یاد رہ جاتی ہیں۔" نورے نے کندھے اچکائے تھے اور اپنا دفاع کیا تھا۔

"آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟" حارث نے نظریں واپس لیپ ٹاپ کی طرف موڑی تھیں۔

"کیونکہ اس لڑکی کی شکل آپ سے بہت ملتی تھی تو مجھے لگا شاید وہ آپ کی بہن ہے۔" وہ سینے پہ ہاتھ باندھے اسے دیکھ رہی تھی۔ یہ جواز اس نے ابھی ابھی ایجاد کیا تھا۔

"میں اس سے وہیں پہلی بار ملا تھا! مجھے تو اس کا نام بھی نہیں یاد۔" وہ عام سے لہجے میں بولا تھا۔

"پہلی بار میں اتنی فرینک نیس!" اس کے منہ سے بے اختیار پھسلا تھا۔ نورے نے زبان دانتوں تلے دبائی تھی۔

"مس نورے! آپ مجھ سے ایسے سوال کر رہی ہیں جیسے میں آپ کا......" لیپ ٹاپ پہ کام کرتا وہ رکا تھا جو لفظ اس کے منہ سے نکلنے والا تھا وہ موزوں نہیں تھا۔ نورے نے سر اٹھا کے آنکھیں سکیڑ کے اسے دیکھا تھا۔

"اس تفتیش کی وجہ؟ ویسے یہی سوال ایک عام سے ورکر نے آپ سے کیا ہوتا تو ہاشم الیری اسے نکال چکے ہوتے۔" اس نے بات بدل دی تھی۔

"سو تو ہے۔" نورے مسکرائی تھی۔

"آئی ایم سوری اگر آپ کو برا لگا تو۔"

"نہیں مجھے برا نہیں لگا۔ اور کوئی سوال؟"

حارث نے لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹا کے اسے دیکھا تھا۔

"آپ کو لگتا ہے قطر والے اس پراجیکٹ کے لیے مان جائیں گے؟" نورے نے ایک فائل اٹھائی تھی اور اسے کھول کے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔ اپنی سیلف ریسپیکٹ بحال کرنے کے لیے ٹاپک چینج کرنا ضروری تھا۔

"ضرور مانیں گے۔ ہم انہیں انکار کرنے ہی نہیں دیں گے۔" حارث نے کندھے اچکائے تھے اور اتنے میں ہاشم المری اور جمال آفس میں داخل ہوئے تھے۔

☆☆☆

آج موسم تھوڑا خراب تھا۔ آسمان پہ بادل اکٹھے ہو رہے تھے اور صبح کے دس بجے بھی شام جیسا ماحول بنا ہوا تھا۔ حارث اپنے آفس میں۔ کوٹ کرسی کی بیک پہ اور خود وہ آنکھیں بند کیے ٹیک لگا کے بیٹھا تھا جب نورے ناک کر کے اندر آئی تھی۔ سلام کرتی وہ ٹیبل تک آئی تھی۔ نورے المری عراقی نقوش والی چوبیس سال کی ایک خوب صورت لڑکی تھی۔

"قطر سے جو ڈیلیگیشن آ رہا ہے وہ پہنچنے والا ہو گا۔ آپ ریڈی ہیں باس؟" کن اکھیوں سے اسے دیکھا تھا اور ٹیبلٹ اس کی جانب بڑھایا تھا۔

"بالکل!" حارث نے ٹیبلٹ تھام کے میٹنگ کی آؤٹ لائن دیکھی تھی اور نورے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں تھکی تھکی اور ناک ذرا سی سرخ تھی۔ اسے شاید بخار تھا۔ اتنے میں حارث نے سر اٹھایا اور ٹیبلٹ اس کی جانب بڑھایا تھا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے باس؟" وہ اس کے سامنے بیٹھی بظاہر ٹیبلٹ کی اسکرین کو دیکھتی سرسری سا بولی تھی۔

"ہوں۔ بس ہلکا سا بخار ہے، موسم بدل رہا ہے

ناں اس لیے۔" لیپ ٹاپ کی اسکرین کو دیکھتا حارث بولا تھا۔ اس نے نورے کا اس سارے عرصے میں پہلی بار اسے باس بلانا واضح نوٹس کیا تھا لیکن ظاہر نہیں کیا تھا۔ نورے نے سر ہلا دیا تھا۔ باہر بارش شروع ہو چکی تھی۔ کھڑکی کے شیشے پہ بارش کے قطروں کے گرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"میں آپ سے کانفرنس روم میں ملتا ہوں۔"

حارث کام میں مصروف بولا تھا۔ بارش کے قطرے کھڑکی کے شیشے پہ لکیریں بناتے ہوئے نیچے جا رہے تھے۔

نورے سر ہلا کے اٹھ گئی تھی۔ اپنے آفس سے بیگ لے کے وہ نیچے کیفے تک آئی تھی۔ اپنے لیے کافی کا ایک کپ منگوایا تھا۔ چند لمحے انتظار کیا تھا اور پھر کافی بنانی لڑکی کو ایک اور کافی کا آرڈر دیا تھا۔ نورے کو حارث کی پسندیدہ کافی یاد تھی۔ اس نے صرف ایک بار نورے کے سامنے آرڈر کی تھی۔ اور تب سے اسے یاد تھا۔ ایک تو اس کا آئی کیو اچھا تھا۔ دوسرا حارث سے متعلق چیزیں وہ نہیں بھولا کرتی تھی۔ ٹرے اٹھائے وہ اوپر کانفرنس روم میں آئی تھی۔ اندر حارث کے ساتھ باقی لوگ بھی بیٹھے تھے۔ نورے نے کافی کا کپ اور پانی کی بوتل اس کے سامنے رکھی تھی۔ اور اپنا کپ پکڑے اس کے ساتھ کرسی کھینچ کے بیٹھی تھی۔

حارث جو غور سے سامنے بیٹھے آدمی کی بات سن رہا تھا اس نے چونک کے کافی کے کپ کو دیکھا تھا اور پھر نورے کو۔ چہرہ سنجیدہ رکھنے کی پوری کوشش کرتے ہوئے وہ دوبارہ سامنے بیٹھے آدمی کی بات سننے لگا تھا۔ اردگرد بیٹھے لوگوں نے باری باری ایک نظر ہاشم الری کی بیٹی کو دیکھا تھا وہ کب سے لوگوں کو سرو کرنے لگی تھی؟

نورے ہر چیز سے بے نیاز کافی کے گھونٹ بھرتی سامنے لگی اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں کچھ یاد آنے پہ اس نے بیگ سے گولیوں کا ایک پتا نکال کے حارث کے سامنے رکھا تھا۔ حارث نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"بخار اور درد کی میڈیسن ہے باس۔" وہ سرگوشی میں بولی تھی اور توجہ پھر سے اسکرین پہ مبذول کی تھی۔ حارث ٹیک لگا کے بیٹھا تھا اور ایک گولی نکال کے پانی کے ساتھ کھائی تھی۔

"تھینکس!" وہ مدھم آواز میں بولا تھا اور نورے نے بس سر کو خم دیا تھا۔

اس مستطیل میز کی سب سے آخری کرسی پہ جمال بیٹھا تھا۔ کہنی کرسی کے بازو پہ ٹکائے وہ سپاٹ نظروں سے نورے کو دیکھ رہا تھا۔ اسے تو جمال یاد ہی نہیں تھا۔ آج کل اس کا دھیان کمپنی پر نہیں بلکہ نورے پہ تھا۔ اور نورے کا دھیان حارث پہ تھا۔ حارث کا دھیان البتہ ان دونوں پہ نہیں بلکہ کمپنی پہ تھا۔

☆☆☆

قطر سے جو وفد آنا تھا وہ آ چکا تھا اور اب کانفرنس روم میں میٹنگ جاری تھی۔ پریزنٹیشن دینے کی باری آئی تو حارث نے نورے کو دیکھا تھا۔

"آپ لیڈ کریں نورے!"

"میں؟" نورے نے حیرت سے اسے دیکھا تھا اور پھر مستطیل میز کے گرد بیٹھے لوگوں کو دیکھا تھا۔ حارث نے سر ہلایا تھا۔

"باس! میں نے تو پریکٹس بھی نہیں کی۔" وہ آہستہ آواز میں اسے یاد دلاتے بولی تھی۔

"ہاں لیکن یہ ساری پریزنٹیشن آپ نے ہی ریڈی کی تھی ناں!" وہ دونوں مستطیل میز سے ذرا ہٹ کے کھڑے تھے۔

"لیکن باس میں......" نورے نے تھوک نگلا تھا۔

"آپ کو میں پریزنٹ کرنے کی حالت میں لگ رہا ہوں؟" حارث نے اسے ابرو اچکا کے دیکھا تھا اور نورے ایک نظر اسے دیکھ کے اسکرین کی جانب بڑھی تھی، حارث کریم میز کی دوسری جانب سب سے آخری کرسی پہ بیٹھا تھا۔ گہرا سانس لے کے وہ سامنے آئی تھی اور بولنا شروع کیا تھا۔ بیس منٹ بولتے

pklibrary.com

رہنے کے بعد وہ خاموش ہوئی تھی اور مسکرا کے ایک نظر میز کے گرد بیٹھے لوگوں پہ ڈالی تھی۔ سوالوں کے جواب دینے تھے۔ سب نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا اور وہ سب سے آخر پہ بیٹھے حارث کو دیکھ رہی تھی۔ وہ مسکرایا تھا اور سر کو خم دیا تھا۔ ”مجھے جمال سے وہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا!“ اسے افسوس ہوا تھا۔

اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔ حارث اس کی کامیابی پہ خوش تھا اور وہ اس کا امیج خراب کرنے کا سوچ رہی تھی۔ سیاہ سوٹ میں ملبوس نورے اپنی کرسی پہ آکے بیٹھی تھی اور اس کا چہرہ پھیکا پڑا تھا۔ یہ پراجیکٹ ان کی کمپنی کو مل گیا تھا۔ اور یہ نورے کے لیے ایک بڑی کامیابی تھی۔

☆☆☆

وہ زیادہ تر حارث کے آفس میں ہوتی تھی یا کانفرنس روم میں۔ اپنے آفس میں وہ کم ہی پائی جاتی تھی۔ لیکن آج وہ اپنے آفس میں بیٹھی لیپ ٹاپ پہ کام کر رہی تھی۔ اتنے میں جمال دستک دے کے اندر آیا تھا۔

”نورے! ہمیں حارث کے بارے میں کچھ نہیں ملا۔“ وہ مایوس سا کندھے اچکا کے بولا تھا۔

”اور خود سے کچھ بنانے کی کوشش کی تو تمہارے ڈیڈ اسے صحیح ثابت کرنے کے لیے۔“

”اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے جمال۔“ نورے نے تشکر کا سانس خارج کیا تھا۔ ”وہ ایک اچھا انسان ہے اور کمپنی کے لیے فائدہ مند بھی ہے۔ ہمیں اسے راستے سے ہٹانے کے بجائے اپنا راستہ بنانے پہ فوکس کرنا چاہیے۔“

”وہ کمپنی کے لیے فائدہ مند ہے نورے ہمارے لیے نہیں۔“

”ہمارا فائدہ کمپنی کے فائدے سے جڑا ہے۔ نہیں؟“ نورے کو اس کی بات پہ حیرت ہوئی تھی۔

”چچا اسے بورڈ آف ڈائریکٹرز میں شامل کرنے کا سوچ رہے ہیں۔ یہ کمپنی ہماری ہے نورے وہ اس کا مالک بن بیٹھے گا۔ تمہیں نظر نہیں آ رہا؟“ وہ اسے اندر تک جھانکتی نظروں سے دیکھتا بولا تھا۔

”یہ کمپنی ڈیڈ کی ہے اور وہ جو بھی کرتے ہیں اس کی کوئی وجہ ہوتی ہے۔“ وہ اسے گھور کر بولی تھی۔

”رائٹ!“ جمال نے سر ہلایا تھا اور دونوں ہاتھ اٹھائے تھے۔ ”تم تو اس سے نفرت کرتی تھیں نا؟“

”میں اس سے نفرت نہیں کرتی جمال۔ نفرت بہت بڑا لفظ ہے۔ میں بس......“ نورے نے مناسب لفظ ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی۔

”جیلس ہوگئی تھی۔“ جمال نے اس کا چہرہ پڑھتے ہوئے اس کی بات مکمل کی تھی۔

”ہاں میں بس جیلس ہوگئی تھی۔“ اس نے اعتراف کیا تھا۔

”آج شام کو فری ہو؟“ جمال نے بات کا رخ موڑ دیا تھا۔ اور وہ جو آج بالکل فارغ تھی سر نفی میں ہلایا تھا۔

”جمال ایک برا انسان ہے نورے۔“ اس نے دل میں خود سے کہا تھا اس کو مجھے روکنا چاہیے تھا۔ جمال نے نہ گیارہ سال پہلے مجھے روکا تھا اور نہ اس بار!“

جمال المری کی شخصیت ایک دم جیسے صفر ہوگئی تھی۔ اور وہ سر ہلا کے اٹھ گیا تھا۔ نورے کو وہ ہاشم اور حارث کے خلاف استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن حارث کی اتنی طرف داری وہ بھی نورے کی جانب سے اسے زہر لگی تھی۔

☆☆☆

وہ ہاشم المری کے آفس میں بیٹھا تھا۔ وہ راکنگ چیئر سے ٹیک لگائے اس کی باتیں سن رہے تھے۔

”نورے کی کیا رپورٹ ہے؟“ اس کے خاموش ہوتے ہی انہوں نے سوال کیا تھا۔

”وہ بہت اچھا کام کرتی ہیں سر۔ ان کا آئی کیو بہت اچھا ہے۔ وہ انویسٹرز کو بہت اچھے سے مینیج کرتی ہیں۔ انہیں لوگوں سے ڈیل کرنا آتا ہے۔ قطرے سے جو

pklibrary.com

ڈیلی گیشن آیا تھا اس سے مس نورے نے ہی ڈیل کیا تھا۔" وہ مسکرایا تھا۔ "اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد آپ کو اس کمپنی کی فکر نہیں کرنی پڑے گی۔"

"گڈ! اسے آپریشنز ڈیپارٹمنٹ میں شفٹ کر دو۔" وہ مسکرائے تھے۔

حارث نے سر ہلا دیا تھا۔ دل نے عجیب سا محسوس کیا تھا۔ بالکل ویسے جب وہ گھر چھوڑ کے آسٹریا سے یہاں دبئی آیا تھا۔

"اس کا بس فلور چینج ہو رہا ہے حارث سیارہ نہیں!" اسے خود پہ حیرت ہوئی تھی۔

☆☆☆

حارث اور نورے شارجہ آئے تھے۔ عربین اسکائیز ایوی ایشن کا ایک نیا ایئرپورٹ یہاں بنا تھا۔ اور وہ اسے دیکھنے آئے تھے۔ حارث نے نیلی جینز پہ سیاہ شرٹ اور سیاہ پی کیپ پہن رکھی تھی۔ نورے نے رائل بلو شرٹ اور اسی رنگ کی ٹراؤزر پینٹ، بال پونی میں باندھ رکھے تھے۔ آستین کہنیوں تک موڑے اس نے دائیں کلائی پہ چار پانچ باریک سلور بریسلیٹ پہن رکھے تھے۔ دونوں نے سیاہ رنگ کی پی کیپ پہن رکھی تھی جس پہ کمپنی کا لوگو بنا تھا۔

"میں بتانا بھول گیا۔ آپ کو آپریشنز ڈیپارٹمنٹ میں شفٹ کیا جائے گا۔ آپ وہاں کی ایچ او ڈی بن رہی ہیں۔" پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ بولا تھا۔ وہ دونوں رن وے پہ کھڑے تھے۔

نورے نے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

"اداس کیوں ہو رہی ہو نورے، فلور ہی تو چینج ہو رہا ہے!" اس نے اپنے مغموم ہوتے دل کو تسلی دی تھی۔

"مبارک ہو۔" حارث رن وے پہ آگے بڑھا تھا۔ "آپ کی جان چھوٹ گئی ایک عام سے ورکر سے۔" وہ مسکراہٹ دبائے بولا تھا۔

"باس!" نورے نے اسے پیچھے سے پکارا تھا۔ دی ڈریمر کی مخصوص خوشبو نے اسے گھیرا ہوا تھا۔ اس نے پلٹ کے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے۔" سیاہ شوز پہنے وہ آگے آئی تھی۔ یہ سچ اسے خود ہی بولنا تھا۔

"میں نے جمال سے کہا تھا وہ آپ کے بارے میں کچھ ڈھونڈے۔" دونوں ہاتھ پہلو پہ رکھے نورے نے اس سے نظریں ملانے سے گریز کیا تھا۔ "کچھ بھی جو آپ کی ریپوٹیشن خراب کر سکے۔" یہ جملے بولنا بہت مشکل تھا۔

"آپ کو مجھ سے کوئی مسئلہ ہے؟" اس نے ابرو اچکا کے نورے کی شکل دیکھی تھی۔

"پہلے تھا۔ اب نہیں ہے۔ میں ......" وہ رکی تھی۔ "میں بس تھوڑا ان سیکیور ہو گئی تھی۔" وہ گردن کو چھوتی بولی تھی۔

"میری کامیابی سے؟" حارث مسکرایا تھا۔ اور نورے نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"ڈیڈ کے دل میں موجود آپ کی پوزیشن سے۔"

"تو کچھ ملا آپ لوگوں کو؟"

"ابھی تک تو کچھ نہیں۔"

"گڈ۔ آئندہ ایسا کوئی کام نہیں کرنا نورے!" حارث اسے تنبیہہ کرتے ہوئے بولا تھا۔

"جمال ہے تو آپ کا کزن لیکن وہ لوگوں کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنے میں ٹائم نہیں لگاتا۔" وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولا تھا۔

نورے نے سر ہلایا ایک بوجھ اس کے اوپر سے ہٹ گیا تھا حارث نے رک کے اس کے آنے کا انتظار کیا تھا اور دونوں ساتھ ساتھ آگے بڑھے تھے۔

"آپ اب بھی مجھے ناپسند کرتی ہیں؟"

حارث نے سوال کیا تھا اور نورے نے مسکراہٹ دبا کے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

حارث نے مسکرا کے سر جھکا تھا اور گردن موڑ کے دور تک پھیلے رن وے کو دیکھا، اس کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے ایک سچ اسے بھی بولنا تھا۔ وہ دونوں اندر ایئرپورٹ کی عمارت میں آئے تھے جب سامنے سے جینی ہاتھ ہلاتی ہوئی آئی تھی۔

pklibrary.com

"یہ کون ہے؟" حارث نے سوال کیا تھا۔
"جینی!" نورے نے گہرا سانس لیا تھا۔ "سوری جاسمین جعفری یہ میری فرینڈ اور اس ایئرپورٹ کی ڈائیریکٹر۔ بدقسمتی سے۔" وہ مسکرا کے آگے بڑھی تھی۔
"میں ذرا باقی چیزیں چیک کر کے آتا ہوں۔" حارث ایک طرف چلا گیا تھا۔
"ملوا ہی دیتی یار۔" جینی سلام دعا کیے بغیر منہ بسور کے اس کے عقب میں دور جاتے حارث کو دیکھتے ہوئے بولی تھی۔
"اس نے ملنا ہوتا تو رک جاتا۔ ہوسکتا ہے اسے تم میں انٹرسٹ ہی نہ ہو۔" نورے نے حساب برابر کیا تھا اور پلکیں جھپک کے بولی تھی۔ جینی نے اسے سر سے پیر تک دیکھا تھا۔
"مانا کہ تمہیں دلچسپی نہیں ہے لیکن کسی اور کا تو بھلا کر دو۔" وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتی بولی تھی۔
"اچھا اس کا پورا نام ہی بتا دو؟"
"المری انٹرپرائزز میں کسی نے ہیلپ نہیں کی تمہاری؟" نورے نے ہاتھ سینے پہ باندھے تھے۔ "میں اپنے باس کی ڈیٹیلز ایسے ہی ہر ایک کو نہیں دے سکتی۔ سوری۔"
"فائن۔ اب تو میں یہاں ہی ہوں ویسے بھی ملاقات ہوتی رہے گی۔" جینی اثر لیے بنا بولی تھی۔
"باس۔ واؤ۔" پھر اس نے سر جھٹکا تھا اور طنزیہ نظروں سے نورے کو دیکھا تھا جیسے نورے نے بڑے وقار سے اگنور کیا تھا۔
"تمہاری بدقسمتی۔ وہ سائٹ پہ بہت کم آتا ہے۔" وہ مصنوعی افسردگی سے بولی تھی۔
"چلو ہم پارٹیز اور ڈنر پہ مل لیا کریں گے۔" جینی نے کندھے اچکائے تھے۔ "اور پہلی ملاقات تو ابھی اوپر میٹنگ روم میں ہو جائے گی۔"
وہ دونوں لفٹ کی جانب بڑھی تھیں۔
"زندگی دوبارہ ایسے موقعے بہت کم دیتی ہے۔ کوئی بھی مل جائے گا لیکن وہ یہ نہیں ہوگا۔" جینی اس کے کان کے قریب سرگوشی میں بولی تھی۔ "ویسے تمہاری اپنی مرضی ہے میں ایک بار ٹرائی ضرور کروں گی۔" وہ گلاسز پہنتے ہوئے بولی تھی اور نورے نے بس ایک گہرا سانس لیا تھا۔
"ایسے کاموں میں مرد پہل کرتے ہیں اگر انہیں واقعی دلچسپی ہو تو۔" وہ سنجیدہ سی بولی تھی۔
"ہاں لیکن تم رومال تو گراؤ نا۔ اسے سگنل تو دو۔" جینی لفٹ سے ٹیک لگائے سیٹی بجاتی بولی تھی۔
"مجھ سے یہ چیپ کام نہیں ہوتے۔" نورے نے ناک سے گویا مکھی اڑائی تھی۔
"چلو پھر میں کر لیتی ہوں یہ چیپ کام۔"
"تم اس سے ذرا دور ہی رہو۔" نورے نے اسے سر سے پیر تک گھورا تھا۔ لفٹ کا دروازہ کھلا تھا اور وہ دونوں باہر نکلی تھیں۔

☆☆☆

وہ اوڈی ڈیپارٹمنٹ کی ہیڈ بن گئی تھی اور نیچے والے فلور پہ شفٹ ہو گئی تھی۔ حارث سے اب وہ بس کبھی کبھار کسی میٹنگ پہ ملتی تھی، دل کو تسلی تھی وہ ہوتا تو نہیں تھا۔ وہ اسے مس کر رہی تھی۔ اپنے آفس آتے ہوئے اس نے محسوس کیا سیفٹی ڈیپارٹمنٹ میں آج معمول سے بڑھ کے ہل چل تھی۔
ٹیبلٹ کھول کے اس نے کمپنی سے متعلق خبروں کو دیکھا تھا۔ اور ٹیبل پہ بیٹھی نورے کا رنگ اڑا تھا۔ اسکرول کرتے ہوئے اس کی انگلی ایک جگہ پہ رکی اور سانس بھی ساتھ ہی رکا تھا۔
عربین اسکائیز ایوی ایشن کے ایک جہاز کا آج صبح چار بجے ایکسیڈینٹ ہوتے ہوتے بچا تھا۔ جہاز کے حفاظتی اقدامات کا خیال نہیں رکھا گیا تھا۔ اور سیفٹی ڈیپارٹمنٹ کی آخری رپورٹ نورے نے جاری کی تھی۔ وہ ٹیبلٹ ہاتھ میں پکڑے سن سی بیٹھی تھی جب دروازے پہ دستک ہوئی تھی۔
"کم ان!" وہ گم صم سی بولی تھی۔
ایک لڑکی نے دروازے سے منہ نکال کے اسے سلام کیا تھا۔

pklibrary.com

"مس نورے۔ آج بارہ بجے آپ کی انکوائری کمیشن کے ساتھ میٹنگ ہے۔"

نورے نے سر اثبات میں ہلایا تھا اور وہ چلی گئی تھی۔

وہ جانتی تھی مدد کے لیے اسے کس کو کال کرنی تھی۔ ہاشم المری ایک بزنس ٹرپ پہ گئے تھے۔ بیگ سے موبائل نکال کے اس نے حارث کو کال کی تھی۔ تیسری بیل پہ کال اٹھا لی گئی تھی۔

"باس!" وہ سلام دعا کیے بغیر تیزی سے بولی تھی۔

"جی نورے!" وہ سوئی سوئی آواز میں بولا تھا۔

"اوپر آفس میں ہیں؟"

"نہیں۔ گھر پہ ہوں۔" دوسری طرف وہ جمائی روکتا بولا تھا۔

"آفس آئیں ابھی۔"

"میں نے تو آج چھٹی کرنی تھی۔ میرا......"

"ایمرجنسی ہے۔ آپ جلدی آئیں پلیز۔" وہ اس کی بات کاٹ کے بولی تھی۔

"اوکے۔ میں آرہا ہوں۔" حارث نے کال کاٹی تھی۔

نورے نے موبائل بند کیا تھا۔ اپنا بیگ اور دوسری چیزیں اٹھا کے وہ اوپر حارث کے آفس میں آئی تھی۔

☆☆☆

جمال سیفٹی ڈیپارٹمنٹ کے میٹنگ روم میں کرسی پہ بیٹھا بوریت سے سامنے کھڑے سیکریٹری کی بات سن رہا تھا۔ وہ رسک جانتا تھا۔ لیکن یہ خطرہ اس نے خود مول لیا تھا۔ پہلی بار دماغ کے بجائے اس نے دل سے سوچا تھا۔ پہلی بار اس نے بے ایمانی کا کام ایمان داری سے نہیں کیا تھا۔ اس نے المری انٹرپرائزز میں اپنی پوزیشن کو خطرے میں ڈالا تھا صرف اس لیے کہ نورے مدد کے لیے اس کے پاس آئے گی اور جمال اسے بچالے گا چاہے پلین کریش ہی کیوں نہ ہو۔ یہ ایک بے وقوفانہ خواہش تھی لیکن جو نورے کی آنکھوں میں حارث کے لیے تھا وہ اپنے لیے دیکھنا چاہتا تھا۔

"یہ حادثہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے سر۔ ہماری کرپشن کے اگلے پچھلے ریکارڈ کھل سکتے ہیں۔ وہ ایم ڈی حارث پہلے ہی گھات لگائے بیٹھا ہے۔ اسے تو بس ایک کمزور دھاگا چاہیے تھا ہماری گردنوں میں پھندا ڈالنے کے لیے۔" سیکرٹری سارے خدشات بیان کر رہا تھا۔ لیکن جمال المری کو پروا نہیں تھی۔ اس نے کلائی پہ بندھی گھڑی پہ وقت دیکھا تھا وہ اب تک نہیں آئی تھی۔ پھر ٹیبل پہ پڑا موبائل آن کر کے دیکھا تھا نورے کا کوئی میسج اور کال نہیں تھی۔

"سر! ایک سینئر اینالسٹ آخر ایسی غلطی کر کیسے سکتا ہے؟ وہ اندھا ہو گیا تھا کیا؟ جانتا بھی تھا کہ ہم ایسی چیزوں پہ کمپرومائز صرف پیپرز میں کرتے ہیں اور......" سیکرٹری روہانسا ہو رہا تھا۔

"رپورٹ میں نے اپروو کی تھی۔" جمال سکون سے بولا تھا اور سیکرٹری کی چلتی زبان رکی تھی۔ حیرت سے اپنے باس کو دیکھا تھا۔

"انجینئرز سے رابطہ کرو۔ فرانزک ٹیم سے ڈیل کرو۔ ہماری کرپشن کا ریکارڈ ملے گا تو ہی وہ یہ سب ٹریک کر سکیں گے۔ تم اپنی نگرانی میں فنڈز ٹریک کرواؤ اور کلیئرنس کرواؤ۔ چچا کے آنے سے پہلے پہلے اس معاملے کو رفع دفع کرو۔" وہ کھڑا ہوا تھا۔ سیکرٹری نے سر ہلایا تھا۔

"اور یاد رہے، اس حارث سے بچا کے کرنا سب۔" وہ اسے تنبیہہ کرتے ہوئے بولا تھا۔ موبائل جیب میں ڈال کے وہ میٹنگ روم سے باہر نکل گیا تھا اور سیکریٹری کام میں لگ گیا تھا۔ باہر بالکونی میں آ کے اس نے سگریٹ جلایا اور ایک کش لیا تھا۔

موبائل نکال کے پھر سے دیکھا تھا۔ پر وہ خالی ہاتھ ہی رہا تھا۔ جمال المری کہیں نہیں تھا۔ نہ نورے کی آنکھوں میں نہ دل میں اور نہ زندگی میں!

☆☆☆

pklibrary.com

وہ حارث کے آفس میں پہلو پہ ہاتھ رکھے دائیں سے بائیں چکر کاٹتی موبائل کان سے لگائے ہاشم سے بات کر رہی تھی۔ وہ اسے سخت سست سنا رہے تھے اور وہ یس ڈیڈ اور اوکے کہے جا رہی تھی۔ اتنے میں حارث آفس میں آیا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز نورے نے نہیں سنی تھی۔

ایک لمحے میں ڈی ڈریمر کی خوشبو سارے میں پھیلی تھی۔ نورے کا دل دھڑکا وہ پلٹی وہ اپنے ٹیبل کے پاس آ کے رکا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اس کی چاپ سے پہلے اس کی خوشبو اس کے آنے کا پتا دیتی تھی۔

"جی بلایا ہے اسے۔ او کے میں بعد میں کال کرتی ہوں۔" اس نے کال بند کی تھی اور ٹیبل تک آئی تھی۔ بیج کلر کی پینٹ اور سیاہ سویٹ شرٹ پہنے وہ گھر کے حلیے میں آیا تھا۔ ماتھے پہ اور دائیں ہاتھ پہ پٹی لگی تھی۔

"یہ کیا ہوا؟" نورے کے لہجے میں فکر تھی۔

"ایک چھوٹا سا ایکسیڈینٹ ہوا تھا۔" اس نے موبائل اور گاڑی کی چابیاں ٹیبل پہ رکھی تھیں اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

"اب بتائیں کیا ہوا ہے؟"

نورے نے خاموش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے ٹیبلٹ اس کی جانب بڑھایا تھا۔

"یہ رپورٹ آپ نے دی تھی؟" وہ اسکرین پہ نظریں جمائے بولا تھا۔

"جمال مجھے پھنسا رہا ہے۔" اس نے خشک ہونٹوں پہ زبان پھیری تھی۔

"بجٹ کنٹرول کرنے کے لیے میں نے پچھلی رپورٹس کو دیکھ کے کچھ حفاظتی اقدامات کو اگنور کیا تھا۔ یہ حادثہ صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے جب......"

"وہ پہلے سے ان پہ کمپرومائز کرتے آئے تھے۔" حارث نے اس کی بات مکمل کی تھی اور ٹیبلٹ نیچے رکھا تھا۔ "اور کوئی سینیئر اینالسٹ کو بھی خاطر میں نہیں لایا۔"

"اور وہ مجھے پھنسانا چاہتے ہیں۔ تب ہی تو رپورٹ اپروو کی۔" نورے ٹیک لگا کے بولی تھی۔

حارث نے سر نفی میں ہلایا تھا "وہ لوگ اتنا بڑا رسک ایسے کبھی بھی نہیں لے سکتے۔ اور وہ آپ کو کیوں پھنسائیں گے؟ ان کا ڈیپارٹمنٹ بہت ہوشیار ہے۔"

"وہ سارا ملبہ مجھ پہ ڈالیں گے اور اپنی کرپشن چھپائیں گے۔"

"یا پھر کوئی صرف یہ چاہتا ہے کہ آپ مدد کے لیے اس کے پاس جائیں۔" حارث نے پرسوچ نظروں سے اس کی شکل دیکھی تھی۔

"جمال!" نورے نے دانت کچکچائے تھے۔

بیڑا غرق ہو تمہارا کم بخت۔

"اب میں کیا کروں؟ ڈیڈ کے سامنے میرا امیج کتنا خراب ہو گیا ہے۔ اوپر سے انکوائری کمیشن نے مجھے بلایا ہے۔" وہ کنپٹی کو دباتے ہوئے بولی تھی۔

حارث بند مٹھی ہونٹوں پہ ٹکائے چند لمحے سوچتا رہا تھا اور پھر سامنے بیٹھی نورے کو دیکھا تھا۔

"انکوائری کمیشن کے سامنے اپنی غلطی مان لیں۔"

"کیا؟" نورے جو ٹیک لگا کے بیٹھی تھی۔ چونک کے سیدھی ہوئی تھی اور سر نفی میں ہلایا تھا۔ "یہ میری غلطی نہیں ہے اور ڈیڈ کیا سوچیں گے۔"

"وہ سوچیں گے کہ نورے ایک ذمہ دار باس ہے۔" حارث نے اطمینان سے اسے دیکھا تھا۔

"جمال کا ڈیپارٹمنٹ کرپشن میں ملوث ہے۔ وہ یہ سارا معاملہ چٹکیوں میں کور اپ کر لیں گے۔" ہاتھ سے چٹکی بجا کے اسے دکھائی تھی۔

"ایک پلین کریش ہوتے ہوتے بچا ہے۔ یہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔" اس نے یاد دلایا۔

"پلین کریش ہوا تو نہیں ہے نا نورے!" حارث نے ابرو اچکا کے اسے دیکھا تھا۔

"بھروسا کریں سب آپ کی فیور میں ہوگا۔"

"آپ کو بس معافی مانگنی ہے۔ ایسے ان پہ یہ امپریشن جائے گا کہ ہم کچھ نہیں جانتے۔" حارث

pklibrary.com

نے انٹرکام پہ اپنی سیکرٹری کو بلایا تھا اور اسے دو کپ کافی لانے کو کہا تھا۔

"میں کب سے ایک لوز تھریڈ ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن میری ٹیم کے ہاتھ کچھ لگتا ہی نہیں۔ بائی دا وے ان کا کور اپ کمال کا ہے۔" وہ ستائش سے بولا تھا۔

"لیکن آج جمال نے ہمیں خود ایک لوز تھریڈ دے دیا ہے۔" وہ مسکرایا تھا اور راکنگ چیئر ہلاتا دیوار گیر کھڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ نورے ایسے ہی پریشان چہرہ لیے خاموشی سے اس کی بات سن رہی تھی۔

"جمال المری انٹرپرائیزز کے لیے ایک پیرا سائٹ کی طرح ہے نورے، اور یہ بات یاد رکھیے گا۔ کوئی یقین نہیں کرے گا لیکن وہ صرف کرپشن نہیں کر رہا، وہ اس کمپنی کو ہتھیانا چاہتا ہے۔ وہ یہاں کا بے تاج بادشاہ ہے اور یہ بات ہاشم سر نہیں جانتے۔"

نورے نے سر ہلایا تھا۔

"اور ڈونٹ وری۔ ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ یاد رکھا کریں۔ آپ ہاشم المری کی بیٹی ہیں۔"

"یہی تو سارا مسئلہ ہے۔" وہ پھیکا سا مسکرائی تھی "تھینکس!"

"یو ویلکم!" حارث اپنا لیپ ٹاپ آن کرتا بولا تھا۔

"میری وجہ سے آپ کی چھٹی خراب ہو گئی۔" نورے ٹیبلٹ کی اسکرین کو دیکھتی منہ بسور کے بولی تھی۔

"میں آپ کے لیے ایسی بہت سی چھٹیاں برباد کر سکتا ہوں۔" وہ جو دراز کھنگال رہا تھا اس کے منہ سے بے اختیار پھسلا تھا۔ اور نورے کو ایک لمحہ لگا تھا اس کی بات سمجھنے میں۔ اس نے سر اٹھا کے حارث کو دیکھا تھا۔

"میرا مطلب ہم ٹیم ہیں۔ سوری تھے۔ میں آپ کا باس تھا۔ اس لیے اتنا فیور دینا تو بنتا ہے۔" حارث نے نظریں چرا کے اسے وضاحت دی تھی اور پھر سے دراز کھنگالنے لگا تھا۔

"رائٹ۔" نورے نے مسکراہٹ دبا کر چہرہ سنجیدہ بنائے سر ہلایا تھا۔

☆☆☆

بارہ بجے کے قریب وہ سب میٹنگ روم میں موجود تھے۔ انکوائری ٹیم ابھی تک نہیں آئی تھی۔ حارث اور جمال دوسرے لوگوں کے ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ایک دوسرے کے منہ پہ وہ کولیگز کم اور دوست زیادہ تھے۔ نورے کھڑکی کے قریب کھڑی تھی۔

اتنے میں جینی کانفرنس روم میں داخل ہوئی تھی۔ سب کو سلام کر کے وہ نورے تک آئی تھی۔ اس نے سیاہ آدھی آستینوں والا جمپ سوٹ پہن رکھا تھا۔

"کیا تباہی مچائی ہے میری بہن نے۔" وہ ستائش سے اسے دیکھتی مسکرائی تھی۔ وہ اس ایئرپورٹ کی ڈائریکٹر تھی۔ اس لیے اسے بھی بلایا گیا تھا۔

"میرا دماغ خراب مت کرنا جاسمین جعفری!" نورے نے اکتاہٹ سے اسے دیکھا تھا۔

"ایم ڈی صاحب بھی آئے ہیں!" اس نے سامنے بیٹھے حارث کو دیکھا تھا۔ "ویسے بھی وہ کیسے نہ آتے۔ نورے جو مصیبت میں تھی۔" وہ مسکراہٹ دبائے بولی تھی۔

"جینی کبھی تو سیریس ہو جایا کرو۔"

"میرے اسٹاف سے پوچھو، کتنے تنگ ہیں وہ۔ یہ پریویلج صرف نورے المری میری بچپن کی دوست کو حاصل ہے بس!" وہ پلکیں جھپک کے بولی تھی۔

"خدا کی قسم میں اس کے بغیر بھی زندہ رہ سکتی ہوں۔" نورے جل کے بولی تھی۔ جینی نے کندھے اچکائے تھے۔

"انکل نہیں ہیں؟" انکوائری ٹیم آ گئی تھی اور وہ دونوں ٹیبل کی جانب بڑھی تھیں۔

"نہیں۔ ایک بزنس ٹرپ پہ گئے ہیں۔"

"کیا قسمت ہے!" جینی نے اس کا کندھا تھپکا

pklibrary.com

تھا۔

"یہ جمال کا کارنامہ ہے۔" نورے آہستہ آواز میں بولی تھی۔

"اس نے ایسا کیوں کیا وہ تو تمہیں پسند کرتا ہے۔ نہیں؟" جینی نے ابرو اچکائے تھے۔

"وہ ابھی تک اس بات کو دل سے لگائے بیٹھا ہے۔" نورے نے گردن موڑ کے اسے دیکھا تھا اور وہ سمجھ گئی تھی۔

"صحیح ہے وہ۔ تم نے اسے پروپوز جو کیا تھا۔" جینی نے مسکراہٹ دبائی تھی۔

"میں تب بس تیرہ سال کی تھی۔" نورے نے دانت پیس کے اسے دیکھا تھا۔

"وہ بھی تو بس سولہ سال کا تھا۔ سویٹ سکسٹین!" جینی گلا کھنکار کے بولی تھی۔

اور نورے نے بس ایک سپاٹ نظر اس پہ ڈالی تھی۔ دل میں اسے ڈھیٹ، منہ پھٹ اور بدلحاظ جیسے القابات سے نوازا تھا۔ وہ دونوں اب میز کے قریب پہنچ چکی تھیں۔ نورے نے حارث کے دائیں جانب ایک کرسی چھوڑ کے اگلی کرسی کھینچی تھی۔ دوسری طرف جینی نے اس کے بائیں جانب کرسی کھینچی تھی اور کن انکھیوں سے نورے کو دیکھا تھا وہ کرسی کی بیک پکڑے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

جینی دو قدم آگے آئی تھی اور دوسری کرسی پہ ہاتھ رکھے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ نورے ابھی بھی اسے گھور رہی تھی۔ گہرا سانس لے کے وہ میز کی دوسری جانب گئی تھی اور کرسی کھینچ کے بیٹھی تھی۔ حارث نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا کہ بیٹھ کیوں نہیں رہی؟ نورے کرسی کھینچ کے بیٹھی تھی۔ جینی نے اسے دیکھ کے آنکھوں آنکھوں میں اشارہ کیا تھا کہ اب خوش ہو؟

نورے نے ایک بے نیاز نظر اس پہ ڈالی تھی اور انکوائری ٹیم کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ وہ پورے اعتماد سے بول رہی تھی۔ اس نے اپنی غلطی کو قبول کیا تھا اور معافی مانگی تھی۔ حارث ساتھ بیٹھا تھا اور یہ ایک گارڈین جیسا احساس تھا۔ وہ پرسکون تھی کچھ غلط ہو بھی گیا تو وہ ہے نا۔ حارث نے بس خاموشی سے ساری کارروائی دیکھی تھی۔ ایک تو وہ ہاشم المری کی بیٹی تھی دوسرا وہ ایم ڈی کے ساتھ آئی تھی اور اس سے سب لوگ ویسے ہی خائف رہتے تھے۔ تیسرا جمال معاملے کو رفع دفع کرنا چاہتا تھا اور کوئی اس سے دشمنی مول نہیں لے سکتا تھا۔

ایک دو وارننگز کے بعد معاملہ ختم ہو گیا تھا۔ نورے مکمل طور پہ سیفٹی ڈیپارٹمنٹ سے الگ ہو گئی تھی۔ میٹنگ روم خالی ہو گیا تھا۔ بس وہ چاروں رہ گئے تھے۔ وہ اور جمال بیٹھے تھے اور فاصلے پہ اس کی گھوریوں کی پرواہ کیے بغیر جینی، حارث سے کوئی بات کر رہی تھی۔

"یہ حارث کریم کا یہاں کیا کام؟" جمال عام سے لہجے میں بولا تھا۔

"کمپنی کی ساکھ کا معاملہ ہے اور وہ ایم ڈی ہے۔ اس کا یہاں ہونا کوئی اتنی غیر معمولی بات تو نہیں ہے۔" اس نے فائل کھٹاک سے بند کر کے جمال کو دیکھا تھا۔ لہجہ بالکل عام تھا نظریں البتہ کچھ جتا رہی تھیں۔

کمپنی کا معاملہ یا تمہارا معاملہ نورے؟ جمال نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تلخی سے سوچا تھا۔

"تمہیں مدد چاہیے تھی تو مجھے بتایا ہوتا۔" وہ سلگتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے مسکرایا تھا۔

"اتنا بڑا تو مسئلہ ہی نہیں تھا جمال، کہ میں ایک ڈیپارٹمنٹ سے دوسرے ڈیپارٹمنٹ میں مدد کے لیے بھاگتی پھرتی۔" اس نے بے نیازی سے کندھے اچکائے تھے اور اپنی جگہ پہ کھڑی ہوئی تھی۔

"ہاں اسی لیے تم ایم ڈی کے بغل میں بیٹھی تھیں!" جمال نے دل ہی دل میں کہا تھا۔

"میں تمہارے آفس میں ویٹ کر رہی ہوں!" جینی اسے کہہ کے آگے بڑھ گئی تھی جاتے ہوئے حارث کی طرف ایک مسکراہٹ اچھال کے گئی

تھی۔ حارث نے نورے کو دیکھا تھا۔

"کیا باتیں ہو رہی تھیں؟" نورے نے لاپروائی سے پوچھا تھا۔

"کچھ نہیں ایک دو سیکیورٹی ایشوز تھے۔ وہی ڈسکس کر رہا تھا۔" حارث نے اس کے عقب میں باہر جاتے جمال کو دیکھا تھا۔ نورے اس سے ایسے سوال کرتی تھی۔ جیسے فریدہ کریم اس کے باپ احمد علی کریم سے کیا کرتی تھیں۔

"سیکیورٹی ایشوز؟" نورے نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ بے نیاز رہنے کی پوری کوشش کر رہی تھی لیکن زبان پھسل ہی جاتی تھی۔

"یہ انکوائری کل تک ملتوی ہو سکتی ہے؟" اس نے مسکرا کے سوالیہ نظروں سے نورے کو دیکھا تھا۔

"کیونکہ آج میرے سر میں ذرا درد ہے۔"

"کل لنچ بریک پہ میں کیفے ٹیریا میں ملوں گا۔" وہ سینے پہ ہاتھ باندھے بالکل عام سے لہجے میں بولا تھا۔

"میرا وہ مطلب نہیں تھا...... میں وہ بس۔" نورے خجل ہوئی تھی۔

"اب کیا فائدہ جو بولنا تھا تم بول چکی ہو نورے!" اس نے خود کو ڈپٹا تھا۔

"اوکے۔ آپ اب جا سکتے ہیں۔" وہ پلٹ رہی تھی جب حارث نے اسے پکارا تھا۔ دماغ نے اسے جھڑکا تھا۔ مت کرو ایسے تم جانتے ہو تم کون ہو! لیکن دل نے نہیں سنی تھی دل انجام یا حالات کی پرواہ کرتا ہی کب تھا؟

"یس باس!" وہ پلٹی تھی اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"اس ویک اینڈ پہ آپ فری ہیں؟" وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے اسے دیکھ رہا تھا۔

نورے جو ایک فیملی ڈنر پہ جانے والی تھی، اس نے بے نیازی سے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"کیوں؟"

"ڈنر پہ چلیں گی؟" حارث مسکرایا تھا۔

"میں شام کو سات بجے آپ کو COYA ریسٹورنٹ پہ ملوں گی۔" وہ مصروف سے انداز میں بول کے پلٹ گئی تھی۔ آگے بڑھتے ہوئے اس کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔ حارث چند لمحے وہیں کھڑا رہا تھا اور پھر باہر کی جانب بڑھا تھا۔ کچھ گھنٹوں کی چھٹی جو رہ گئی تھی وہ اسے گھر پہ آرام کرتے ہوئے گزارنا تھی۔

☆☆☆

دبئی شہر پہ ڈوبتے سورج نے آسمان پہ موجود بادلوں کو پہلے نارنجی رنگ میں رنگا تھا اور اب جیسے جیسے سورج نیچے جا رہا تھا ان کا رنگ نارنجی سے گلابی ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے نیچے وہ دونوں ایک بلڈنگ کے باہر کھڑے تھے بلڈنگز ایک ایک کر کے مصنوعی روشنیوں سے روشن ہو چکی تھیں۔

"تمہیں ایسے دیکھ کے اچھا لگا ضرار!" فاطمہ بولی تھی۔

"تھینکس!" ضرار سر جھٹک کے مسکرایا تھا۔

پھر جیسے کچھ یاد آیا تھا اور اس کے چہرے پہ ایک سایہ سا لہرایا تھا گردن موڑ کے فاطمہ کو دیکھا تھا۔ وہ اتنے سالوں بعد اسے دیکھ رہا تھا اور وہ اب بھی ویسی ہی تھی۔ ایک ادھوری معافی تھی جو اسے مانگنی تھی۔

"آئی ایم سوری!" وہ سر جھکائے بولا تھا۔

"ہر چیز کے لیے، ہر تکلیف کے لیے اور ہر نقصان کے لیے۔ میں نے تمہیں بہت ہرٹ کیا ہے۔"

"اٹس اوکے!" فاطمہ نے اس کی شکل دیکھی تھی ذہن کے پردے پہ ایک ساتھ بہت سی یادیں تازہ ہوئی تھیں وہ بھی جو خوب صورت تھیں اور وہ بھی جو بھیانک تھیں۔

"ویسے کیا کام کرتے ہو یہاں؟" گلابی آسمان کو دیکھتے ہوئے اس نے بات بدل دی تھی۔

"سی ای او ہوں۔" وہ عام سے لہجے میں بولا تھا جیسے اب کوئی فرق ہی نہ پڑتا ہو۔

pklibrary.com

''تمہیں ایسے خوش دیکھ کے مجھے اچھا لگا فاطمہ!'' وہ کہنا چاہتا تھا کہ اب گلٹ کم ہو گیا تھا۔

وہ مسکرائی تھی۔ وہ پرسکون تھی۔ زندگی ایک بہاؤ میں جا رہی تھی۔ اس کے پاس گھر تھا، جاب تھی، ایک مصروف زندگی تھی۔ لیکن کیا وہ خوش تھی؟

''تم خوش ہو؟'' فاطمہ نے اس سے سوال کیا تھا اور کلائی پہ بندھی سنہری گھڑی پہ وقت دیکھا تھا۔

''شاید!'' ضرار نے اپنے عقب میں موجود بلڈنگ کو دیکھا تھا۔ ''ہونا تو چاہیے۔''

اس نے ماتھے پہ گرے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔ دل کو کچھ ہوا تھا وہ جانے لگی تھی ایک بار پھر سے!

''آئی ایم سوری۔ میں تمہیں نہیں بچا سکی۔'' فاطمہ افسوس سے بولی تھی۔

''تم نے پوری کوشش کی تھی۔'' ضرار زخمی لہجے میں بولا تھا۔

فاطمہ کا موبائل تھرتھرایا تھا۔ اس نے سست روی سے موبائل کی جلتی اسکرین کو دیکھا تھا۔ ملاقات ختم ہو رہی تھی۔ اسے لگا تھا وہ موو آن کر چکی ہے لیکن وہ غلط تھی وہ آج بھی وہیں کھڑی تھی۔ چہرہ موڑ کے اس نے لب کاٹے تھے۔

☆☆☆

چھ سال بعد

یہاں سے تھوڑے فاصلے پہ المری انٹرپرائزز کے کانفرنس روم کی دیوار گیر کھڑکی سے گلابی آسمان صاف دکھائی دے رہا تھا۔ دبئی شہر دھیرے دھیرے مصنوعی روشنیوں سے روشن ہو رہا تھا۔ کام ختم ہو گیا تھا اور حارث لیپ ٹاپ پکڑے کھڑا ہوا تھا اور کرسی کی بیک سے اپنا کوٹ اٹھایا تھا۔ نورے بھی کھڑی ہوئی تھی اور اپنا بیگ اٹھایا تھا۔ دونوں ایک ساتھ کانفرنس روم سے باہر نکلے تھے چھ سال بعد ایک بار پھر سے!

''تو بورڈ آف ڈائریکٹرز میں شامل ہو میں آپ؟'' حارث نے کچھ یاد آنے پہ سوال کیا تھا۔ ڈی ڈریمر کی خوشبو اس کے اردگرد ہوا میں رچی بسی تھی اور ماضی جیسے پھر سے زندہ ہو گیا تھا وہ چھ سال بعد اب بھی وہی پرفیوم لگاتا تھا۔

سیاہ اور سفید راہداری میں وہ دونوں ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ واحد آواز نورے کی نازک ہیل کی تھی اور حارث کے جوتوں کی۔ اس نے سرنفی میں ہلایا تھا۔

''میں اب ایم ڈی ہوں۔'' وہ مسکرائی تھی ''اپنے باس کے پوزیشن سنبھالی ہوئی ہے۔''

ایک پرانی یاد تازہ ہوئی تھی۔

''یو مین ایک عام سے ورکر کی پوزیشن!'' حارث بھی مسکرایا تھا۔ اس کے بائیں گال میں ڈمپل پڑا تھا۔ اور اس ایک یاد کے ساتھ اور بھی بہت کچھ یاد آیا تھا۔ دونوں کی مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔

''آئی ایم سوری! میری وجہ سے تم بہت ہرٹ ہوئے ہو۔'' نورے کی آواز میں جیسے ٹوٹے کانچ کا ساز تھا۔

''یہ ایک جملہ میرا نقصان پورا نہیں کر سکتا نورے المری۔'' حارث مدھم آواز میں بولا تھا۔

''میں ڈر گئی تھی حارث۔ گلٹ کے ساتھ زندگی گزارنا بہت مشکل ہے۔''

''میں سمجھ سکتا ہوں۔'' حارث نے لفٹ کا بٹن دبایا تھا اور چند لمحوں بعد دھاتی دروازہ کھل گیا تھا۔

''لیکن مسئلوں سے نکلنے کا ہمیشہ کوئی نہ کوئی حل ہوتا ہے اگر ہم چاہیں تو۔'' وہ اپنے مخصوص ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا تھا اور دونوں لفٹ میں داخل ہوئے تھے۔

''تم اب بھی ناراض ہو؟'' وہ دھاتی دروازے میں اپنا اور اس کا عکس دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''نہیں اب میں آگے بڑھ چکا ہوں۔'' وہ اپنے عقب میں لوہے کی دیوار سے ٹیک لگائے بولا تھا۔

نورے نے بس ایک نظر اسے دیکھا تھا سرمئی پینٹ اور سفید شرٹ پہنے اس نے کوٹ بازو پہ ڈال رکھا تھا اور ہاتھ میں لیپ ٹاپ پکڑا ہوا تھا۔ ٹائی ڈھیلی کر رکھی تھی اور بال آج جیل سے سیٹ نہیں کیے تھے

pklibrary.com

بلکہ ذرا بکھرے ہوئے تھے۔ وہ آج بھی سحر انگیز تھا لیکن اب زہر نہیں لگتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے نام سی اداسی تھی جس کی وجہ نورے المری تھی۔

"آئی ایم سوری۔ میں تمہیں نہیں روک سکا۔" حارث سرگوشی میں بولا تھا۔

"تم نے اچھا کیا جو مجھے نہیں روکا تھا۔" نورے پھیکا سا مسکرائی تھی۔

دونوں لفٹ میں داخل ہوئے تھے۔ صرف چند لمحے بچے تھے۔ یہ ملاقات بھی ختم ہو رہی تھی۔ نورے نے ختم ہوتے سیکنڈز کو دیکھا تھا اور چہرہ موڑ کے ہاتھ سینے پہ باندھ لیے تھے۔ اسے لگتا تھا وہ حارث احمد کریم کو بھول چکی ہے لیکن وہ نہیں بھولی تھی۔ وہ چھ سال بعد سامنے آیا تھا تو وقت سمیت ہر چیز پس منظر میں چلی گئی تھی!

☆☆☆

چھ سال پہلے حارث اپنے روم میں کھڑا تھا۔ کانوں میں ایئر پوڈز لگے تھے۔ اس کے بھائی کی کال آئی تھی۔ حارث نے کال اٹھا کے ہیلو بولا تھا۔

"بھابھی مانی کہ نہیں؟" دوسری طرف سے سوال کیا گیا تھا۔

"تم جانتے ہو حسن، میں ورک پلیس پہ ایسے کام نہیں کرتا۔" وہ الماری سے کپڑے نکالتا لہجہ سنجیدہ بنائے بولا تھا۔

"تو بھابھی ورک پلیس سے باہر بھی تو آتی ہوں گی کہ نہیں؟" حسن کا موڈ خراب ہوا تھا "آفس سے باہر بول دو یار۔"

"اچھا دیکھوں گا۔" وہ بے نیازی سے بولا تھا۔

"دیکھتے ہی رہ جاؤ گے۔ ایک دن آئے گا جب بھابھی تمہیں ویڈنگ کارڈ پکڑائے جائے گی۔" وہ جل کے بولا تھا۔

"تم اسے بہن بھی بلا سکتے ہو!" حارث عام سے لہجے میں بولا تھا۔

"میری وہ بس بھابھی ہیں۔" وہ کندھے اچکا کے بولا تھا۔

"اس ویک اینڈ شام سات بجے ریسٹورنٹ پہ ملنا ہے۔" وہ سکون سے بولا تھا۔

"چھا گئے ہیرو۔ ویسے بھی میرے بھائی کو ناں کون کر سکتا ہے۔" وہ فخر سے بولا تھا۔

"روز روز ایسے لوگ تھوڑی نہ ملتے ہیں۔ بس سر نیم کا تھوڑا سا پرابلم ہے اور ضدی ہو۔ باقی ہر چیز میں تم پرفیکٹ ہو۔" لہجہ مصروف سا تھا۔ وہ شاید ساتھ گیم کھیل رہا تھا۔

"میری ماں لگ رہے ہو۔" حارث اس کے لہجے پہ ہنسا تھا اور ویڈیو کال کی تھی۔

"اچھا دیکھو کون سا سوٹ پہن کے جاؤں؟" حارث نے موبائل ڈریسنگ پہ رکھا تھا اور ایک ہینگ ہوا اٹالین سوٹ ساتھ لگایا تھا۔

"اولڈ فیشن برو!" حسن نے تنقیدی نظروں سے اس کا جائزہ لیا تھا۔

"میں ایک ایم ڈی ہوں تمہاری طرح ہپی بن کے جانے سے تو رہا۔ رنگ بتاؤ بلیک یا گرے؟" حارث نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"اب تم میرے فیشن سینس کی توہین کر رہے ہو بھائی۔" وہ پروا کیے بنا بولا تھا۔ "بلیک!"

"تمہارا فیشن سینس ہے؟" حارث نے سوٹ بیڈ پہ پھینکا تھا اور اسے دیکھا تھا۔

"مجھے بھی بلیک اچھا لگا ہے۔"

"گھر پہ سب کیسے ہیں؟" حارث موبائل پکڑے صوفے پہ بیٹھا تھا۔

"سب ایسے بول رہے ہو جیسے بڑی لمبی چوڑی فیملی ہے ہماری۔ ڈائریکٹ ڈیڈ کا ہی پوچھ لو کون سا تمہیں سن رہے ہیں۔ ویسے وہ ٹھیک ہیں بس تمہیں یاد کرتے ہیں۔"

"اچھے لفظوں میں؟" حارث کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی اور حسن نے ہنستے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"بھابھی کو پتا ہے کہ تم کون ہو؟" حسن کو کچھ یاد آیا تھا۔

pklibrary.com

''کون ہوں میں؟'' اس نے الٹا اسے دیکھا تھا۔
''احمد علی کریم کے بڑے بیٹے۔'' وہ جتاتے ہوئے بولا تھا اور حارث نے کندھے اچکائے تھے ''اس کے علاوہ باغی، ضدی اور انا پرست۔'' حسن نے انگلیوں پہ ایک ایک کر کے گنا تھا۔
''اب تمہاری ججمنٹ ہی اتنی غلط ہے تو میں کیا کہہ سکتا ہوں بھلا؟'' حارث نے بات کا رخ بدلا تھا۔
''شاپنگ ہی کر لیا کرو یار!'' حسن نے اسے دیکھا تھا۔
''ہر کسی کی قسمت حسن کریم جیسی نہیں ہوتی نا۔ میں شاپنگ کہاں سے کروں؟ میرے سر پہ کریم انڈسٹریز کے سی ای او کا ہاتھ جو نہیں ہے۔''
''الری انٹرپرائزز کے ایم ڈی ہو۔ غربت کے رونے کس منہ سے رو رہے ہو؟'' حسن نے کہا۔ ''اور کس نے کہا تھا سی ای او کو چھوڑ کے جاؤ۔''
''سی ای او کی بنتی نہیں تھی نا میرے ساتھ۔'' حارث کندھے اچکا کے مسکرایا تھا۔
''وہ تمہیں مس کرتے ہیں۔'' حسن نے اس کی شکل دیکھی تھی۔
''تو بولتے کیوں نہیں؟'' حارث نے عام سے لہجے میں سوال کیا تھا۔ حسن نے سر جھٹکا تھا اور پھر گہرا سانس لیا تھا۔
''گھر کب آ رہے ہو؟''
''جب ڈیڈ بلائیں گے۔'' وہ کندھے اچکا کے بولا تھا۔
''ضد چھوڑ دو اب!'' حسن نے اداسی سے اسے دیکھا تھا۔
''ضد نہیں کر رہا۔ ڈیڈ نے کہا تھا کہ حارث تم دو دن میرے بغیر سروائیو نہیں کر سکتے۔ تو میں نے انہیں بتایا کہ حارث کے اندر اتنی قابلیت ہے کے وہ سروائیو کر سکے۔'' وہ عام سے لہجے میں بولا تھا۔
''اور میں نے کہا تھا وہ پراجیکٹ لے لیتے ہیں لیکن ڈیڈ نے کہا تھا، حارث کو کچھ نہیں پتا۔ اب بتاؤ نقصان میں گئے ہیں نا۔'' اس نے جتاتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
''وہ پراجیکٹ بھی چلا گیا اور تم بھی گئے۔'' حسن نے جمائی لی تھی۔ ''مانتے ہیں ہم اپنی غلطی واپس آ جاؤ یار!''
''ڈیڈ مانیں تو نا۔ وہ بلائیں گے تو میں آؤں گا۔'' وہ مدھم آواز میں بولا تھا اور پھر ٹاپک چینج کیا تھا۔ ''مجھے مس کر رہے ہو؟''
''ہاں!'' سترہ سال کے حسن نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ ''سکون برداشت نہیں ہو رہا مجھ سے۔''
''تو ملنے آ جاؤ؟'' حارث مسکراہٹ دبائے سنجیدہ سا بولا تھا۔
''عاق نہیں ہونا مجھے۔'' اس نے ہاتھ باندھ کے اسے دکھائے تھے اور دونوں ہنسنے لگے۔

☆☆☆

وہ ایک کرائے کے اپارٹمنٹ میں شفٹ ہو گئی تھی۔ زندگی ٹھہرے پانی جیسی ہو گئی تھی۔ اور تب ہی اسے خبر ملی تھی۔ اس کے بھائی اور ضرار کی بہن کی شادی کی ڈیٹ فکس ہو گئی تھی۔ نارنجی رنگ کا ٹیونک ڈریس پہنے وہ سوچوں میں گم بے دلی سے اپنے لیے ناشتہ بنا رہی تھی جب اس کا موبائل بجا تھا۔ ضرار نے ملنے کا کہا تھا۔ وہ جانتی تھی وہ کیا بات کرنا چاہتا تھا۔ فاطمہ نے اسے اپنے گھر کا ایڈریس دیا تھا۔ اور آدھے گھنٹے بعد وہ دونوں لاؤنج میں بیٹھے تھے۔
''ابھی ہم ڈائیورس والا قصہ چھیڑیں گے تو ان دونوں کی شادی خراب ہو گی۔ ہم یہ ڈائیورس والا معاملہ شادی کے بعد دیکھ سکتے ہیں؟'' ضرار سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔
''جو بھی کیا ہے میں نے کیا ہے۔ اس میں میری بہن کا کوئی قصور نہیں۔''
''اوکے!'' فاطمہ نے سر ہلایا تھا۔ ضرار کی نظروں میں کچھ نہیں تھا۔ نہ شرمندگی، نہ پچھتاوا، نا افسوس کچھ بھی نہیں۔ اس نے ایک بار سوری تک نہیں

pklibrary.com

بولا تھا۔ فاطمہ کے اندر کچھ ٹوٹا تھا۔

"پاکستان کتنے دن رہیں گے؟" ضرار بولا تھا۔ زندگی اتنی بدصورت اور بے سکون ہو جائے گی۔ اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

"چار دن؟" فاطمہ نے اس کے چہرے سے نظر ہٹا کے تجویز دی تھی۔

"ایک ہفتہ۔" ضرار نے سر نفی میں ہلایا تھا۔ وہ پہلے سے کمزور لگ رہا تھا اور بے حس بھی!

"ٹھیک ہے!" فاطمہ نے سر ہلا دیا تھا اور اپنی جگہ سے اٹھ کے دروازے کی جانب بڑھا تھا جب وہ پیچھے سے بولی تھی۔

"مجھے تمہارے پیسے نہیں چاہئیں ضرار!" فاطمہ کا گلا رندھا تھا۔ ہر ہفتے ضرار اس کے بینک اکاؤنٹ میں پیسے بھیجتا تھا۔

"جب تک تم میرے نکاح میں ہو، یہ میری ذمہ داری ہے۔" وہ جو اٹھ کے دروازے تک گیا تھا پلٹ کے ہر احساس سے عاری لہجے میں بولا تھا۔

"ذمہ داری بس؟" فاطمہ نے شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"مجھے نہیں چاہئیں۔" اب کے وہ بھی اس کی طرح پتھر لہجے میں بولی تھی۔

"پھینک دیا کرو۔" وہ بے حس لہجے میں بولا تھا۔ "میں بھیجنا نہیں چھوڑوں گا۔"

وہ اس کا مزید کوئی جواب سنے بغیر باہر نکل گیا تھا۔ اور فاطمہ شاک میں وہیں بیٹھی رہی تھی۔ (یہ ضرار اتنا بدتمیز اور منہ پھٹ کب سے ہو گیا تھا؟) اس نے صدمے سے سوچا تھا اور آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ بہے تھے۔ یہ زندگی کا سب سے برا فیز تھا۔ وہ اٹھ گئی تھی ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا تھا اور اسے کام پہ جانا تھا۔ وہ اب مائنڈز ویل کلینک پہ فیس ٹو فیس تھراپی دیتی تھی۔ زندگی کے اس فیز میں جب اسے خود ایک تھراپسٹ کی ضرورت تھی!

☆☆☆

وہ COYA ریسٹورنٹ میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ رات کے وقت ریسٹورنٹ میں زرد بتیاں جل رہی تھیں۔ اوپر چھت میں ریکس بنے تھے جن میں سبز خوب صورت بیلیں لٹک رہی تھیں۔ ریسٹورنٹ میں اکا دکا لوگ بیٹھے تھے۔ موسیقی کی مدھم آواز آ رہی تھی۔ وہاں زیادہ تر سجاوٹ پھولوں اور پودوں سے کی گئی تھی اس کے علاوہ جگہ جگہ ڈل کلرز کے آرٹ پیسز رکھے تھے۔ حارث نے بوریت سے کلائی پہ بندھی گھڑی پہ وقت دیکھا تھا۔ اس نے سیاہ اٹالین سوٹ پہن رکھا تھا اور سفید ڈریس شرٹ کا اوپر والا بٹن کھلا تھا۔ اتنے میں وہ سامنے سے آئی تھی۔ سیاہ پوری آستینوں والی فراک پہنے بالوں کو کرل کیا ہوا تھا اور کمر پہ کھلے چھوڑے تھے۔

"گڈ ایوننگ!" حارث کھڑا ہوا تھا۔

"گڈ ایوننگ۔" وہ اس کے سامنے کرسی کھینچ کے بیٹھی تھی۔ چند لمحے ادھر ادھر کی باتیں کر کے نورے نے کچھ یاد آنے پہ اسے دیکھا تھا۔

"اپنی فیملی کے بارے میں کچھ بتائیں؟" وہ کھانا کھاتے ہوئے بولی تھی اور حارث کو اچانک کھانسی آئی تھی۔ نورے نے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

"آپ ٹھیک ہیں؟"

حارث نے سر ہلایا تھا اور گلاس اٹھا کے پانی کا گھونٹ بھرا تھا۔

"میری فیملی میں میرے ڈیڈ ہیں، مام ہیں اور ایک بھائی ہے حسن اور وہ لوگ آسٹریا میں ہوتے ہیں۔ مام کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔"

"آپ اپنی فیملی کے ساتھ کیوں نہیں رہتے؟" نورے نے اسے دیکھا تھا۔

"میری ڈیڈ کے ساتھ ایک لڑائی ہو گئی تھی۔ اسی کا نتیجہ ہے۔" حارث نے کانٹے سے اسٹیک کا ٹکڑا منہ میں رکھا اور اسے دیکھا تھا۔

"آپ اپنے پیرنٹس کے ساتھ لڑائی کو اتنا سیریس لیتے ہیں؟" نورے نے اسے دیکھا تھا۔

"وہ مسئلہ ہی ایسا تھا۔ کسی دن آپ کو بتاؤں گا۔"

pklibrary.com

"ہوں۔ آپ کے ڈیڈ کا نام کیا ہے؟" نورے نے سوال کیا تھا۔

"احمد علی کریم۔" حارث سرسری سے لہجے میں بولا تھا اور ایک نظر اس کی شکل دیکھی تھی۔ دماغ نے کہا تھا، اسے بتا دو، اور دل نے کہا تھا، نہیں حارث پہلی ملاقات میں نہیں اور نورے کے معاملے میں وہ دل کی سنتا تھا۔

نورے نے سر ہلایا تھا۔

"آپ اپنی فیملی کے بارے میں بتائیں؟" حارث نے ٹاپک چینج کیا تھا۔

"بس میں اور ڈیڈ۔" وہ مسکرائی تھی۔ کھانا کھا کے وہ دونوں ریسٹورنٹ سے باہر آئے تھے۔ ذرا فاصلے پہ دونوں کی گاڑیاں پارک تھیں۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چل رہے تھے جب حارث نے جیب سے ایک خوب صورت پلاٹینم کا پینڈنٹ نکالا تھا اور اس کی طرف بڑھایا تھا۔

"یہ آپ کے لیے ہے نورے!"

نورے رکی اور پینڈنٹ اس کے ہاتھ سے لے کے مسکرائی تھی۔

"آپ کے ہاں تحفے پیک کر کے دینے کا رواج نہیں ہے۔" وہ ہنسی تھی اور پینڈنٹ کے لٹکتے خوب صورت پانی جیسے رنگ کے نیلے ہیرے کو چھوا تھا۔

"حارث کریم رولز کو فالو نہیں کرتا۔" وہ نرمی سے بولا تھا۔ "اور اسی لیے وہ نورے سے ملا ہے۔"

"تھینکس!" نورے نے پینڈنٹ مٹھی میں دبایا تھا۔

"کس لیے؟" جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ آگے بڑھتا بولا تھا۔

"رولز کو نہ فالو کرنے کے لیے۔" نورے کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

☆☆☆

جمال اپنے آفس میں بیٹھا تھا۔ سیکریٹری سامنے کھڑا کچھ بول رہا تھا۔ اور وہ اپنی اگلی میٹنگ کا شیڈول دیکھ رہا تھا۔ اس نے اسکرین پہ سوائپ کیا تھا اور ایک اگلی میٹنگ کا شیڈول سامنے آیا تھا۔ کسی نے حارث کا پورا نام لکھا تھا "حارث احمد کریم"

"احمد کریم۔" جمال نے بے آواز دہرایا تھا۔

"احمد علی کریم۔" آئی پیڈ کی اسکرین کو دیکھتے ہوئے وہ ایک بار پھر بڑبڑایا تھا۔

"سر ایم ڈی ہمارے ڈیپارٹمنٹ کے فنانسز میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی لے رہا ہے۔ کہیں کوئی مسئلہ نہ بن جائے۔" سیکریٹری اپنی بات مکمل کر کے آخر میں بولا تھا۔ جمال نے سرمئی آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا تھا۔

"اس کی نوبت نہیں آئے گی۔" وہ رکا تھا اور ایک نظر اسکرین کو دوبارہ دیکھا تھا۔ "مجھے حارث کریم کی فیملی ڈیٹیلز چاہئیں تصویروں کے ساتھ۔"

ہاتھ کمر پہ باندھے سیکریٹری نے سر ہلایا تھا۔

"میں اسے دیکھ لوں گا۔ کوئی بھی اتنا پرفیکٹ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہمیشہ کوئی نہ کوئی کیچ ہوتا ہے۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بولا تھا اور سیکریٹری کو جانے کا اشارہ کیا تھا۔

"قسمت تمہارے ساتھ نہیں ہے نورے المری۔" وہ مسکرایا تھا۔

لنچ بریک ہو چکی تھی اور یہاں سے دور نورے جینی کے ساتھ ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھی تھی۔

"تو کیسا رہا ڈنر؟" جینی نے اسے دیکھا تھا۔

شرٹ کے اوپری دو بٹن ہمیشہ کی طرح کھلے تھے۔ گردن سے چپکے پینڈنٹ میں جڑا نیلم آنکھوں کو ہیرا کر رہا تھا۔

"بس ٹھیک!" نورے نے اسے پینڈنٹ دکھایا تھا۔

"پروپوز نہیں کیا اس نے؟" جینی مصنوعی اداسی سے بولی تھی۔ نورے نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

(دوسری اور آخری قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

pklibrary.com

تم سے ایک بات کہنی تھی
اجازت ہو تو کہہ دوں میں
یہ بھیگا بھیگا سا موسم
یہ تتلی، پھول اور شبنم
چمکتے چاند کی باتیں
یہ بوندیں اور برساتیں
یہ کالی رات کا آنچل
ہوا میں ناچتے بادل
دھڑکتے موسموں کا دل
مہکتی خوشبوؤں کا دل
یہ سب جتنے نظارے ہیں
کہو کس کے اشارے ہیں
سبھی باتیں سنیں تم نے
پھر آنکھیں پھیر لیں تم نے
میں تب جا کر کہیں سمجھا
کہ تم نے کچھ نہیں سمجھا
میں قصہ مختصر کر کے
ذرا نیچی نظر کر کے
یہ کہتا ہوں ابھی تم سے
محبت ہو گئی تم سے

زبیر علی تابش

ہم چراغِ یقیں جلاتے رہے
وقت کو راستہ دکھاتے رہے

زندگی کتنی مختلف تھی مگر
ہم ترے ساتھ مسکراتے رہے

ہم تری راہ سے پھرے ہی نہیں
آستانے ہمیں بلاتے رہے

جو ترے عشق کی امانت تھے
دل سے اب وہ گلے جلاتے رہے

زندگی اتنی دلفریب نہ تھی
تم مگر مجھ کو یاد آتے رہے

جانے کس دُھن میں عمر بھر قابلؔ
محفل آرزو سجاتے رہے

قابل اجمیری

pklibrary.com

شگفتہ جاہ

یادگار سے خوبصورت خواب

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حضرت عباد بن تمیم رضی اللہ عنہ اپنے چچا حضرت عبداللہ بن یزید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ اگر کوئی آدمی نماز میں کچھ محسوس کرے (اسے شک پڑے کہ ہوا خارج ہوئی ہے تو کیا کرے؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"نہیں (وضو کرنے نہ جائے) حتیٰ کہ بو محسوس کرے یا آواز سنے۔"

فوائد و مسائل:

1۔ ہوا خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے خواہ آواز آئے یا نہ آئے۔

2۔ محض شک سے وضو نہیں ٹوٹتا جب تک وضو ٹوٹنے کا یقین نہ ہو جائے۔

3۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہوا خارج ہونے کے علاوہ کسی اور چیز سے وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ پیشاب پاخانہ وغیرہ سے وضو ٹوٹنا صحیح دلائل سے ثابت ہے۔ یہاں صرف یہ مسئلہ بتایا گیا ہے کہ وضو ٹوٹنے کا یقین یا ظن غالب ہونا چاہیے۔ محض وہم اور شک کی بنیاد پر وضو کے لیے نہیں جانا چاہیے۔

لوگوں سے میل جول رکھنا

بنی اسرائیل میں ایک بہت بڑا دانا آدمی تھا جس نے حکمت اور دانائی کی باتوں پر تین سو ساٹھ کتابیں لکھی تھیں۔ آخر کار اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ میرا اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں بہت بڑا درجہ ہے، اس زمانے کے پیغمبر پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی۔

"کہ اس سے کہہ دو۔ کہ تو نے روئے زمین پر اپنی شہرت کروا دی ہے۔ میں تیری کسی بات کو بھی قبول نہیں کرتا۔"

تو اس کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہوا اور اس خیال سے توبہ کی اور ایک الگ کونے میں جا بیٹھا۔ اور کہا "اب خدائے تعالیٰ مجھ سے خوش ہو گیا۔"

پھر وحی آئی کہ "میں اس سے خوش نہیں ہوں۔"

تو وہ خلوت خانے سے باہر آیا اور بازاروں میں جانا اور لوگوں سے میل جول کرنا شروع کیا اور ان کے ساتھ نشست و برخواست اور کھانا پینا شروع کر دیا۔" اس وقت خدائے تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی "اب میں تجھ سے خوش ہوں اور تو نے مجھے پالیا۔"

مہکتی باتیں

☆ جیسے آنکھ کی بینائی ختم ہو جائے تو انسان رات اور دن میں تمیز نہیں کر سکتا اسی طرح اگر دل اندھا ہو جائے تو حق اور باطل میں فرق نہیں کر سکتا۔

(مولانا جلال الدین رومی)

☆ کبھی کبھی دو لوگوں کے درمیان کوئی تیسرا نہیں بھی ہوتا لیکن پھر بھی ان کا تعلق ختم ہو جاتا ہے کیوں کہ دونوں میں سے کوئی ایک ضرور منافقت کر رہا ہوتا ہے۔ جبکہ اخلاص کے رشتے پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔

☆ صاحب دعا، صاحب محبت ہوتا ہے۔ دعا اسی کی مقبول ہے جسے مخلوق خدا سے محبت ہو۔ محبت نہ ہو تو دعا محض تکلف ہے۔ ذات باری سے اپنی بات منوانے کے لیے ہمیں اس کے بندوں سے پیار کرنا

ہوگا۔

☆ الفاظ ہمیشہ بے ذائقہ ہوتے ہیں۔ انہیں ہمارے لہجے ہی تلخ یا میٹھا بناتے ہیں۔ نرم مزاجی اللہ کے انعامات میں سے ایک ہے۔

☆ محبتیں اور عزتیں اعزاز ہوتی ہیں خیرات نہیں۔ یہ نصیب سے ملتی ہیں، اوقات سے نہیں اور نصیب کا گہرا تعلق دعا کے ساتھ ہے۔ دعا فقط ایک لفظ نہیں بلکہ جذبات کا سمندر ہے جو اپنے پیاروں کے لیے دل کی گہرائیوں سے نکلتا ہے۔

حضرت علیؓ کی حکمرانی

قبیلہ ثقیف کے ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے مجھے عکبر اقصبہ کا حاکم بنایا اور عراق کے اس دیہات میں مسلمان نہیں رہا کرتے تھے۔ مجھ سے حضرت علیؓ نے فرمایا۔

"ظہر کے وقت میرے پاس آنا۔"

میں آپ کی خدمت میں گیا۔ مجھے وہاں کوئی روکنے والا دربان نہ ملا۔ حضرت علیؓ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پاس ایک پیالہ اور پانی کا ایک کوزہ رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے ایک چھوٹا تھیلا منگوایا۔ میں نے اپنے دل میں کہا۔

"یہ مجھے امانت دار سمجھتے ہیں۔ اس لیے مجھے اس تھیلے میں سے کوئی قیمتی پتھر نکال کر دیں گے۔"

مجھے پتا نہیں تھا کہ اس تھیلے میں کیا ہے۔ اس تھیلے پر مہر لگی ہوئی تھی۔ انہوں نے اس مہر کو توڑا اور تھیلی کو کھولا تو اس میں ستو تھے۔ چنانچہ اس میں سے ستو نکال کر پیالے میں ڈالے اور اس میں پانی ڈالا اور خود بھی پیے اور مجھے بھی پلائے۔ میں اتنی سادگی دیکھ کر رہ نہ سکا اور میں نے کہا۔

"اے امیرالمومنین! آپ عراق میں رہ کر یہ کھا رہے ہیں حالانکہ عراق میں تو اس سے بہت زیادہ کھانے کی چیزیں ہیں۔ عراق میں رہ کر صرف ستو کھانا بڑی حیرانی کی بات ہے۔"

انہوں نے کہا۔ "ہاں اللہ کی قسم! میں بخل کی وجہ سے اس پر مہر نہیں لگاتا ہوں بلکہ میں اپنی ضرورت کے مطابق ستو خریدتا ہوں (اور مدینہ سے منگواتا ہوں) ایسے ہی کھلے رہنے دوں تو مجھے ڈر ہے کہ (ادھر ادھر گر نہ جائیں اور اڑ نہ جائیں اور یوں) یہ ختم نہ ہو جائیں تو مجھے عراق کے ستو کھانا پڑیں گے۔ اس وجہ سے ان ستوؤں کو اتنا سنبھال کر رکھتا ہوں اور میں اپنے پیٹ میں پاک چیز ہی ڈالنا چاہتا ہوں۔"

حضرت اعمش رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ حضرت علیؓ لوگوں کو دوپہر کا کھانا خوب کھلایا کرتے تھے اور خود صرف وہی چیز کھایا کرتے تھے جو ان کے پاس مدینہ منورہ سے آیا کرتی تھی۔

میزبانی کی فضیلت

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی مہمان خود آجائے تو کچھ تکلف نہ کر اور اگر تو بلائے تو کچھ اٹھا نہ رکھ یعنی جو تکلف تجھ سے ہو سکے کر اور ضیافت کی بڑی فضیلت ہے۔

اگر کوئی غریب مہمان آ پہنچے تو اس کے لیے قرض لے کر تکلف کرنا درست ہے۔ لیکن دوستوں کے لیے جو ایک دوسرے کی ملاقات کو جاتے ہیں تکلف نہ کرنا چاہیے کہ تکلف کرتے کرتے محبت ہی جاتی رہے گی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مہمان کو ڈھونڈنے ایک دو میل جاتے۔ جب تک مہمان نہ ملتا کھانا نہ کھاتے ان کے صدق و خلوص کی برکت سے آج تک ان کے مشہد میں رسم ضیافت باقی ہے حتیٰ کہ کوئی رات مہمان سے خالی نہیں جاتی اور کبھی سو دو سو مہمان ہو جاتے ہیں۔ بہت سے گاؤں اس مقصد کے لیے وقف ہیں۔

☆☆

pklibrary.com

اس ماہ کی مسکراہٹیں

وجہ

بیوی نے شوہر سے کہا "آخر تم نے اپنے دوستوں سے یہ کیوں کہا کہ تم نے مجھ سے صرف اسی لیے شادی کی ہے کہ میں بہترین کھانا بناتی ہوں جب کہ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں ایک آلو تک نہیں ابال سکتی۔"

"تمہاری شکل وصورت اور عادت واطوار سے وہ واقف ہی ہیں، اب تم سے شادی کا کوئی نہ کوئی جواز تو پیش کرنا ہی تھا۔" شوہر نے بے بسی سے جواب دیا۔

حل

ایک خان صاحب نے سرکاری زمین پر غیر قانونی دیوار بنائی تو پڑوسی نے کہا "کچھ ایسا بندوبست کرو کہ دیوار پرانی لگے ورنہ آپ کے خلاف کارروائی ہوسکتی ہے۔"

خان صاحب نے دیوار پر لکھ دیا۔ "ہم قائد اعظم کو پشاور آنے پر خوش آمدید کہتے ہیں۔"

مجبوری

پولیس نے پارک میں ایک مرد وعورت کو بیٹھے دیکھا تو پوچھا۔

"یہاں کیوں بیٹھے ہو؟"

"جناب! ہم دونوں شادی شدہ ہیں" اس آدمی نے جواب دیا۔

پولیس والے نے کہا۔ "تو گھر میں جا کر بیٹھو۔"

اس آدمی نے بے چارگی سے جواب دیا "اس کا شوہر اور میری بیوی ناراض ہوتے ہیں جناب۔"

تدبیر

ایک صاحب انتہائی کنجوس تھے ایک مرتبہ ان کے دانت میں درد ہوا تو وہ دانتوں کے ڈاکٹر کے پاس پہنچے، ڈاکٹر نے معائنے کے بعد کہا۔ "یہ دانت تو نکالنا پڑے گا۔"

"کیا فیس ہوگی؟" کنجوس آدمی نے پوچھ۔

"ایک ہزار روپے۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

"یہ لیجیے سو روپے اسے ذرا سا ڈھیلا کر دیں۔ نکال میں خود لوں گا۔" کنجوس آدمی نے ڈاکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سرزنش

نند بھابھی سے کہتی ہے کہ "بھابی میں نے آپ سے کہا تھا کہ ریان کو میری نقلیں اتارنے سے منع کریں، کیا آپ نے اسے منع کیا؟"

"ہاں بھئی میں نے اسے تنبیہ کی ہے کہ جانوروں جیسی حرکات نہ کرو۔" بھابی نے اطمینان سے جواب دیا۔

اشتیاق

ایک حجام نے ایک روز نوٹ کیا کہ کچھ دنوں سے ایک شخص روزانہ صبح کو دکان میں جھانکتا ہے اور چلا جاتا ہے۔

تجسس کے مارے اس نے ملازم لڑکے سے کہا کہ اب کے جب وہ شخص جھانکے تو ذرا اس کے پیچھے جا کر معلوم کرے۔ اگلے دن وہ شخص آیا اور جھانک کر چلا گیا۔ ملازم لڑکا اس کے پیچھے گیا اور ذرا ہی دیر میں واپس آ گیا۔ حجام نے اشتیاق سے پوچھا۔

"معلوم کیا یہ شخص کہاں سے آتا اور کہاں جاتا ہے؟" لڑکے نے کہا۔ "یہ تو میں معلوم نہیں کر سکا کہ یہ شخص کہاں سے آتا ہے البتہ یہ بات معلوم ہوگئی ہے کہ یہاں سے یہ سیدھا آپ کے گھر جاتا ہے۔"

طریقہ

جج (ملزم سے) تم پر الزام ہے کہ تم نے دس سال تک اپنی بیوی کو ڈرا دھمکا کر اپنے کنٹرول میں رکھا۔

ملزم: لیکن جج صاحب......

جج: صفائی نہیں! مجھے صرف طریقہ بتاؤ۔

☆☆

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ

واصفہ سہیل

سائرہ ملک .... امریکہ

سامنے اس کے بدل جاتے ہیں
لفظ سارے ہیں منافق میرے

سحر احمد .... کراچی

کرم جبر حالات کا ہے یہ ورنہ
بڑے باوفا تھے دغا دینے والے

مہر کرم .... لاڑکانہ

یہ واجبات عشق کیا ہم ہی پہ قرض تھے
وہ بھی اتارتا یہ مصیبت اسے بھی تھی

الماس .... کراچی

یوں ہی اداس ہے دل، بے قرار تھوڑی ہے
مجھے کسی کا کوئی انتظار تھوڑی ہے
نہ جانے کون یہاں اپنا بنا کر چھوڑ جائے
یہاں کسی کا کوئی اعتبار تھوڑی ہے

صوفیہ خان .... گلستان جوہر

چاہا ہے میں نے جس کو بڑی شدتوں کے ساتھ
اس طرح سے اس نے مجھ سے محبت بھی نہ کی
اک خواب تھا کہ اپنی شبوں پر رہا محیط
کیا خواب تھا؟ کسی سے وضاحت بھی نہ کی

چمن خان .... گلشن رومی

بہت مسکرائے، بہت روئے ہیں
ہم اپنے میں یوں ہی نہیں کھوئے ہیں

روبینہ حنیف .... کراچی

ہم اہل محبت کی وحشت کا وہ درباں ہے
ہم اہل محبت کو آزار جوانی ہے
اک بات مگر ہم بھی پوچھیں جو اجازت!
کیوں تم نے یہ غم دے کے پردیس کی تنہائی ہے

نسرین فیصل .... کراچی

غم الفت جو نہ ملتا، غم ہستی ملتا
کسی صورت تو زمانے میں گزارا ہوتا

ادیبہ فضل .... بی

جب خزاں آئے تو پتے نہ ثمر بچتا ہے
خالی جھولی لیے ویران شجر بچتا ہے

جگنو .... لاہور

میں یہی سوچ کے آیا ہوں تیری چوکھٹ پر
دربدر ہونے کے بعد اک یہی در محبت ہے

سلمیٰ احمد .... فیصل آباد

زندگی کی گھپ اندھیری رات میں
یاد کی ایک پھلجھڑی اچھی لگی
شہر دل اور اتنے لوگوں کا ہجوم
وہ الگ سب سے کھڑی اچھی لگی

صبا .... فیصل آباد

دیکھے جاتے نہ تھے آنسو میرے جس سے محسن
آج ہنستے ہوئے دیکھا اسے اغیار کے بیچ

شمائلہ .... پنڈی

یہ مزا تھا دل لگی کا کہ برابر آگ لگتی
نہ تمہیں قرار ہوتا نہ ہمیں قرار ہوتا
تیرے وعدے پر ستم گر ابھی اور صبر کرتے
اگر اپنی زندگی کا ہمیں اعتبار ہوتا

سبین آفتاب .... لورالائی

منکشف ہوتی ہے ہر روز کوئی بات نئی
روز کھلتا ہے تیرا پیار بھی سازش کی طرح

نسیم فاطمہ .... لاہور

اپنی مٹھی میں چھپا کر کسی جگنو کی طرح
ہم تیرے نام کو چپکے سے پڑھا کرتے ہیں

بنت شبیر .... سیال کوٹ

کتنا مشکل ہوتا ہے اس شخص کو منانا
جو ناراض بھی نہ ہو اور بات بھی نہ کرے

pklibrary.com

دستک، دستک دستک

شاہین رشید

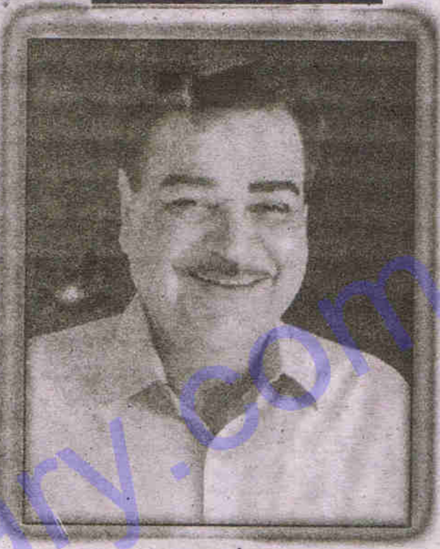

شہریار زیدی

شہریار زیدی میرے پسندیدہ فنکار ہیں اگرچہ ان کا کردار ڈراموں میں باپ کا ہی ہوتا ہے مگر ان کی ڈائیلاگ کی ادائیگی بہت متاثر کن ہے۔ کوئی بناوٹ نہیں کوئی چیخ چنگاڑ نہیں جس طرح عام زندگی میں لوگ گفتگو کرتے ہیں اسی طرح یہ بھی کرتے ہیں۔ یعنی اداکاری کو حقیقت کا رنگ دیتے ہیں۔

ان کا انٹرویو کرنے کی بہت خواہش تھی اور ہے بھی۔ لیکن ان سے بات ہی نہیں ہو پا رہی۔ اس لیے ان کے بارے میں جو ہمیں معلوم تھا ان کی فنی زندگی کے بارے میں ہم جو جان سکے وہ آپ کے گوش گزار ہے۔

منفرد آواز کی مالک مقبول گلوکارہ نیرہ نور ان کی بیگم تھیں۔

انہوں نے اپنی فنی زندگی کا آغاز ایک اسٹیج پلے ''آندھیوں میں چراغ جلتے ہیں'' سے کیا۔ چونکہ کردار اچھا اور پاورفل تھا تو تعریفوں کے ساتھ ساتھ مزید کام کی آفرز بھی تھیں۔ اداکاری کے ساتھ ساتھ تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رہا اور پنجاب یونی ورسٹی سے گریجویشن کے بعد قومی ایرلائن پی آئی اے میں بہ طور ٹریفک آفیسر کے جاب کی اور یہ بات ہے 1971ء کی۔ 1965ء سے 1973ء تک باقاعدگی کے ساتھ متعدد ڈراموں میں کام کیا اور اس کے بعد اس فیلڈ کو خیر باد کہہ دیا تاکہ اپنی جاب پر فوکس کر سکیں۔ جب جاب سے دل بھر گیا تو اپنا بزنس شروع کرنے کا سوچا۔ 1988ء میں پی آئی اے سے استعفیٰ دیا اور اپنا بزنس شروع کیا۔

مگر بزنس چلا نہیں سو بند کر دیا۔ گلوکاری اور اداکاری سے شوق پورا کرتے رہے۔ بقول شہریار زیدی کہ بزنس میرا مزاج نہیں تھا لہٰذا مجھے آئیڈیا ہے کہ میں نے جب بھی بزنس کیا نقصان ہی اٹھاؤں گا۔ پھر ہومیو پیتھک ڈاکٹر بننے کا خیال آیا اور 1996ء میں ہومیو پیتھک کا امتحان پاس کر کے دو سال کلینک میں کام بھی کیا۔ مگر یہاں بھی زیادہ دل نہیں لگا تو دوبارہ اداکاری کی طرف آ گئے۔

ایک سوال کے جواب میں شہریار زیدی صاحب نے کہا کہ اداکاری ہو یا پھر گلوکاری اس کی صلاحیت انسان میں خداداد ہوتی ہیں۔ نہ میں نے میوزک کسی سے سیکھا اور نہ ہی اداکاری...... انسان اپنے پسندیدہ کام کے لیے سارے کھوج خود ہی تلاش کر لیتا ہے۔ گلوکاری کا اتنا شوق تھا کہ اس کے سارے رموز مجھے معلوم تھے اور ان کو سن سن کر میں نے سیکھا...... پھر ہمارے گھر میں میوزک کے سب بہت شوقین تھے تو بچپن سے ہی گھر میں موسیقی کا ماحول دیکھا۔ میں نے بہت موسیقی سنی ہے یہی وجہ ہے کہ مجھے 1932ء کے گانے بھی آج تک یاد ہیں، جبکہ میری پیدائش 1949ء کی ہے۔ ہمارے گھر میں میوزک سے سب کو بہت شغف تھا۔

pklibrary.com

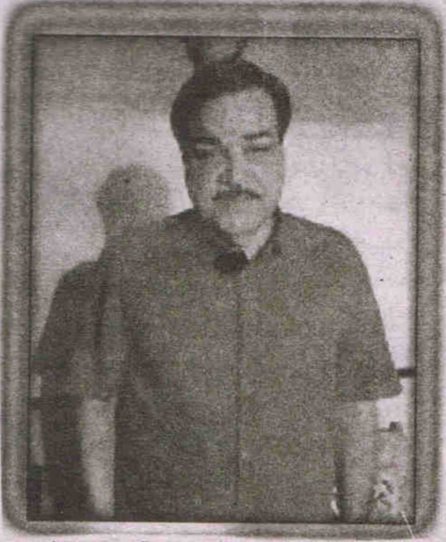

"اداکاری کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"اداکاری تو اپنے اوپر کوئی کردار طاری کرنے کا نام ہے اور وہی میں بھی کرتا ہوں۔ میں نے کبھی نیگیٹو رول نہیں کیا اور نہ ہی میں کر سکتا ہوں کیونکہ مجھے زیادہ محنت کی عادت نہیں ہے اور نیگیٹو رول میں میرے خیال میں زیادہ محنت ہوتی ہے۔ ویسے میں ہر کردار کا مشاہدہ ضرور کرتا ہوں کہ یہ کتنا جان دار ہے۔ اسی حساب سے پھر میں کردار لیتا بھی ہوں۔"

"یعنی آپ کی کامیابی آپ کی محنت کا صلہ نہیں ہے۔"

اس سوال کے جواب میں شہریار زیدی نے کہا کامیابی اور ناکامی نصیب سے ملتی ہے۔ اور جتنی کامیابی اور ناکامی آپ کے نصیب میں لکھی ہوگی اتنی ہی ملے گی۔ نصیب پر یقین ہونے کے باوجود میں بہت دیانت داری سے کام کرتا ہوں اس لیے کہ مجھے نہیں معلوم ہوتا کہ میرے نصیب میں کیا لکھا ہے۔ رب کا بڑا شکر ہے کہ اتنی زیادہ محنت نہ کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت نوازا ہوا ہے تو اگر میں زیادہ محنت کرتا تو مجھے زیادہ اچھا صلہ ملا ہے۔"

شہریار زیدی صاحب نے کہا کہ میری ایک بات تو پوری انڈسٹری میں مشہور ہے کہ میں کوئی ایسا کردار نہیں لیتا جس میں مار کھانی ہو یا مار دینا ہو۔ مطلب تھپڑ کھانا اور تھپڑ مارنا مجھے پسند نہیں ہے۔ خواہ کتنا ہی اچھا کردار کیوں نہ ہو۔

آپ کو بتاؤں کہ اس انڈسٹری میں، میں نے اپنے کچھ اصول بنائے ہیں جس پر میں سختی سے قائم ہوں۔ مثلاً عموماً پروڈکشن ہاؤس والے صبح سے لے کر رات گئے تک کام کرواتے ہیں۔ جبکہ میں نے اپنے لیے کہہ دیا ہے کہ میں دس گھنٹے سے زیادہ کام نہیں کروں گا۔ اپنے اس اصول پر بہت زمانہ قائم رہا۔ مگر بیگم نیرہ نور کے جانے کے بعد اب کسی کام میں دل نہیں لگتا تو اب اس قید سے اپنے آپ کو تقریباً آزاد کر دیا ہے میں نے، اب دیر تک بھی کام کر لیتا ہوں۔

ڈراموں کے معیار اور ایک ہی ٹاپک پر ہونے کی وجہ بتاتے ہوئے شہریار زیدی نے کہا کہ اب ڈرامہ کمرشلائزڈ ہو گیا ہے اب وہی بنتا ہے جو بکتا ہے۔ کوئی ایک ٹاپک ہٹ ہو جائے تو سب کی کوشش ہوتی ہے کہ اس پر ڈرامے بنائیں۔ معذرت کے ساتھ کہ اب نہ اخلاقیات پر زور دیا جاتا ہے اور نہ ہی کسی اور مینرز کا خیال رکھا جاتا ہے نہ تربیت پر زور دیا جاتا ہے۔ بس جو چل رہا ہے وہ چل رہا ہے۔ اور کوئی اس میں تبدیلی لانے کی کوشش بھی نہیں کر رہا۔ کوئی ایک پورے سمندر میں کودنا بھی نہیں چاہتا کیونکہ میرے خیال میں وہ اپنے فیوچر کو داؤ پر لگانا بھی نہیں چاہتا۔ اب زمانہ بہت بدل گیا ہے۔

سوشل میڈیا کے بارے میں کیے گئے ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا۔ ہمارے زمانے میں میڈیا کا نام و نشان نہیں تھا اور نہ ہی کوئی فالوورز تھے۔ اب شہرت حاصل کرنے کا معیار بدل گیا ہے پہلے تو فنکار کو پتا ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ کامیاب ہے یا ناکام ...... اور اب ...... اب تو سوشل میڈیا نے سارے کام آسان کر دیئے ہیں۔ ہم تو فالوورز کی دوڑ میں کبھی شامل ہی نہیں ہوئے اور نہ ہی ہونا چاہیے۔ جو نصیب میں ہوتا ہے وہ ہی ملتا ہے۔

☆☆

pklibrary.com

بقیہ خط آپ کے

لبنیٰ آصف نے بھی اپنی کہانی میں درست کہا کہ سوچ کو بدلنا بہت ضروری ہے۔ اصل مجھے تو مریم عزیز کا ناول بہت ہی جاذب لگ رہا ہے کہانی آگے جا کر خوب دلچسپ ہونے والی ہے اور صفحات بھی زیادہ تھے تو مزہ آ رہا ہے۔ اب خلاصہ دے دیجئے گا ورنہ زیادہ کرداروں کی وجہ سے میں بھول نہ جاؤں کیوں کہ اس قسط میں بہت سے کردار آئے ہیں۔

نگہت کے ناول کی قسط بہت خوب رہی کہ آزین کی ماں کی سچائی بھی معلوم ہو گئی۔ نگہت کس قدر عمدہ ترین پلاٹ بنا کر لکھتی ہیں وہیں تعلیم اور سیاست پر بھی خوب گرفت ہوتی ہے اور شوخی کرنے پر آئیں تو باوقار انداز میں ہنسا دیتی ہیں۔ ناول میرا پسندیدہ ترین ہے۔ اگرچہ زیادہ کردار ہیں۔

ج: پیاری فرخندہ! آپ بہاری میں خط ضرور لکھیں۔ ہمیں بھی بہاری زبان بہت پسند ہے۔ ٹائیٹل کے لیے آپ کی فرمائش نوٹ کر لی ہے۔

ایچ ایس ایچ تحصیل سمبڑیال سے لکھتی ہیں

ماڈل بس ٹھیک ہی تھی۔ آہ شازیہ جمال طارق وفات پا گئیں یقین نہیں آ رہا۔ ایک بہت ہی اچھی مصنفہ تھیں اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، اللہ راحت جبین کو اور ان کے گھر والوں کو صبر دے اور مرحوم کی مغفرت فرمائے آمین، حمد اور نعت بے حد مسرور کر گئی اس کے بعد دوڑ لگائی فیورٹ سلسلے کی طرف اور اپنا خط غیر موجود پایا۔

وقت قلیل قصہ طویل
شکوے ہزار مگر جانے دیجیے

پھر ماء الملوک پڑھا۔ مجھے لگتا ہے یہ چراغ سائیں زیب کے بھائی ہیں شیخو بابا تو شہزادہ ہی ہے اور آزین پر بہت غصہ ہے۔ حد ہے اتنا بدگمان زہل سے اسے زہل پر بدگمانی ہو رہی ہے تو اسے چاہیے کہ زہل سے بیٹھ کر بات کرے۔ کہیں یہ اسے کھو نہ دے، مکمل ناول بھی دونوں اچھے تھے اور ناولٹ......

آپی پلیز کہہ دیں کہ سمیرا جی کی واپسی اس ناولٹ کے ساتھ ہوئی ہے پلیز پلیز پلیز سمیرا جی بہت بہت آپ کو یاد کرتے ہیں۔ افسانے بھی سارے ٹھیک تھے۔ سروے بھی خوب رہا بس ہمارے بغیر محفل ادھوری رہی سروے کی بھی اور خطوں کی بھی (ہاہاہا)، نظم اور غزل دونوں ہی خوب صورت تھیں مریم عزیز کے ناول پر تبصرہ ادھار رہا، دستک میں فرح نادر تھیں انٹرویو بھی بس ٹھیک تھا آپی فرح کا انٹرویو بہت بار لیا جا چکا ہے پرچہ کے لیے کام کرنے والوں کا انٹرویو لیں نا اپنی ساری ٹیم کا ہمیں بھی پتا چلے اور پلیز انٹرویو تفصیلی ہونا چاہیے۔

کچھ ہلکی پھلکی تحریریں بھی ہونی چاہئیں مزاحیہ افشین نعیم کو تو کہیں سے لے آئیں انہیں بولیں یار دلدار سیریز مکمل کریں غیر حاضری کا جرمانہ بھی لیں اور یہ نازیہ رزاق اور فرزانہ کھرل ان سے بھی، ویسے نہ میرا بڑا دل کرتا ہے کہ رائٹرز سے ملاقات ہو آپ اپنے ادارے میں ہمیں دعوت دیں اور ساری رائیٹرز سے ملاقات کا شرف دے دیں (معصوم سی خواہش ہے) ہائے کاش میری کوئی رائٹر دوست ہو میں بھی ان کی لسٹ میں آؤں...... ہزار خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے۔

یاد آیا نازنین فردوس نے مارچ کو سڑیل کیوں کہا؟ یہ تو بڑا خوش مزاج، مزاج آشنا ہوتا ہے۔ ہم بھی مارچ کے پیدائشی ہیں۔

ج: پیاری بہن دعا کریں کہ ایسا موقع آئے اور ہم اپنے ادارے کی طرف سے مصنفین کو دعوت دیں۔ آپ فکر نہ کریں، آپ ہماری لسٹ میں ضرور شامل ہوں گی۔ آپ کی دعاؤں سے ہی تو یہ مبارک موقع آئے گا۔

مریم عزیز کے ناول پر فٹافٹ تبصرہ کریں۔ مریم آپ کے تبصرے کا انتظار کر رہی ہیں۔ یہ ان کا پہلا طویل ناول ہے۔

انیقہ مرید شہر کالا سے لکھتی ہیں

میں آپ کو کبھی خط نہ لکھتی جو اگر جویریہ حیدر ملغانی کا خط نہ پڑھ لیتی۔ جویریہ صرف میرے شہر کالا کو دیکھنا نہیں ہے بلکہ مجھ سے ملنے بھی آنا ہے۔ میں نے آپ کا شہر ''سوکڑ'' نہیں دیکھا البتہ تونسہ شریف میں سیکنڈ ایئر کے ایگزام دیے ہیں، ہم سرائیکی لوگ ہیں، کیا آپ بھی سرائیکی اسپیکنگ ہیں؟'' میری خط نہ لکھنے کی دو وجوہات

pklibrary.com

ہیں۔ سب سے بڑی وجہ آپ نے نومبر کے شمارے میں رسالے منگوانے کا جواب نہیں دیا۔ اس سے پہلے آپ نے غالباً فرخندہ سلیم اور دیگر قاری بہنوں کو ان کے گوہر مقصود بھیجے تھے مگر میرے ساتھ شریکوں والا سلوک کیوں؟ نومبر کا رسالہ منگوانے پر پتا چلا کہ اس ماہ اور آئندہ رسالہ نہیں ملے گا۔ میں سمجھ گئی کہ ایسا کس لیے کہا جارہا ہے مگر اس کے برعکس۔

نہ میں گرا نہ میری امیدوں کے مینار گرے
مگر کچھ لوگ مجھے گرانے میں کئی بار گرے

وہ اس لیے کہ اگر کسی کا چکر ڈی جی خان کا لگے تو میری آپی رسالہ بھیج دیتی ہیں۔ وقت بے وقت پڑھ میں ہر ماہ لیتی ہوں اب ٹوٹا پھوٹا تبصرہ حاضر۔ صد شکر کہ ماہ الملوک نے کچھ اسپیڈ پکڑی اگلے ماہ زمل کی خبر گیری کریں گے۔ دھوپ دریچہ لاجواب ناول ہالہ کا کردار بہت اسٹرونگ ہے بقیہ شمارہ بھی زیر مطالعہ ہے۔ فرح بخاری سے میری ریکویسٹ ہے کہ "عشق برہنہ پا" جیسی سادہ سی کوئی تحریر لکھیں۔ مجھے دیہی کلچر پر لکھی کہانیاں بہت پسند ہیں۔ فرزانہ کھرل کتنا انتظار کروائیں گی ہمیں اور ہاں زینب نور کا نام بہت اچھا اضافہ ہے ادب کی دنیا میں۔ آپی میں شعاع کے ساتھ ساتھ سلسلے میں شرکت کر سکتی ہوں؟

ج: پیاری انیقہ! آپ نے دو رسالوں کی فرمائش کی تھی۔ ایک پرچا ہم نے بھجوا دیا ہے۔ دوسرا پرچا ہمیں نہ مل سکا تلاش جاری ہے جیسے ہی ملا۔ بھجوا دیں گے۔
شعاع کے ساتھ ساتھ سلسلے میں شرکت کریں۔ ہمیں خوشی ہوگی۔ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔

تسنیم کوثر...... کراچی سے شریک محفل ہیں

بھئی مریم عزیز کی کیا بات ہے ان کا پیارا سا ناول "دھوپ دریچہ" پیارا لگ رہا ہے یقیناً آگے جا کر دھوم مچا دے گا۔ اور ماہ الملوک بے حد بہترین لاجواب کہانی بھی ہے اور بہت ہی زیادہ مشکل ترین بھی لگتی ہے۔ نگہت سیما زبردست ناول لکھنے پر آپ کو بہت ساری دعائیں اور مبارک باد۔ اور عائشہ نصیر احمد کا ناول "سلسلے دل کے" بھی اچھا لگا۔ "پرنس چارمنگ" بھی بہترین ناولز کی فہرست میں رہا سچی بات تو ہے کہ لڑکیوں کو ثابت قدم رہنا چاہیے۔ فلک تنویر نے اپنے خوب صورت ناول میں بہت عمدہ میسج دیا ہے ویسے اچھی کہانیوں سے بھی اچھی اچھی باتیں سیکھی جا سکتی ہیں اور سمیرا احمید کا ناولٹ "کچھ بھی نہ کہا" اچھا لگا اس کے علاوہ افسانوں میں قرۃ العین خرم ہاشمی کی آدھی قربت تو بہت بہت ہی مزے دار لگی قرۃ العین بھئی آپ نے تو سو فیصد سچ لکھا۔ ہمیں افسانہ پسند آیا ہے اور دوسروں کی ٹوہ میں کو امبر نے اچھا لکھا ہے ایسے ہی تو لوگ ہوتے ہیں، دوسروں کی ٹوہ لینے والے۔ اور دعا ایوب کی برکت نے سچی میں دل دکھا دیا اللہ ہدایت دے ایسی بہوؤں کو۔ اور تم جنوری جیسی ہو کو بھی کیا فیل کرنا، پاسنگ مارکس دے کر پاس ہی کر دیتے ہیں نازنین فردوس خوش ہو جائیں۔ البتہ لبنیٰ آصف کی کہانی "سوچ بدل لو" بہترین لگی۔ اور جناب سروے کا تو جواب ہی نہیں تمام بہنوں نے خوب لکھا خاص کر رضوانہ وقاص کے جوابات اچھے لگے دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کی پریشانیاں دور کرے اور بہت خوشیاں دے۔
رضوانہ ہم نے آپ کو بہن مانا ہے تو آپ ہماری دعاؤں میں رہتی ہیں۔

ج: پیاری تسنیم! آپ اس محفل کی رونق ہی نہیں۔ اس کا حصہ بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت اور خوش و خرم رکھے اور آپ اسی طرح ہمیں خط لکھتی رہیں۔

میمونہ بخاری منڈی یزمان سے لکھتی ہیں

"مریم عزیز" کا ناول بہت اچھا لگا کول کول سا۔ ان کا "دستور وفا" مجھے بہت پسند آیا۔ اس "ناول" کا اختتام بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔ "ماہ الملوک" میں بہت سوں کا راز افشاں ہوا، لگتا ہے۔ "نگہت سیما" بالکل موسم کے حساب سے لکھتی ہیں۔ مرتضیٰ دوسروں کے ساتھ برا کرتا ہے تو اس کو ضرور "سزا" ملے۔ میرے لحاظ سے اس کی سزا یہ ہے کہ رنڈوا" ہی رہ جائے۔ سلسلہ وار ناول زیادہ ہونے چاہئیں۔
"افسانوں" میں "آدھی قربت" اچھا لگا۔ "مکمل ناول" میں "پرنس چارمنگ" "فلک تنویر" نے حقیقت لکھا بہت اچھا لگا۔ "سلسلہ دل کے" عائشہ نصیر احمد" نے مزاح ڈال کر کہانی کا مزا دوبالا کر دیا۔

ج۔ پیاری میمونہ! شعاع کی محفل میں خوش

pklibrary.com

آمدید۔خوشی ہوئی کہ آپ نے خط لکھا، بہت شکریہ۔

زرینہ خانم لغاری مظفر گڑھ سے لکھتی ہیں

سادہ سی لک میں دانتوں کی نمائش کرتی ہوئی ماڈل دل کو بہت بھائی۔ سال نو کی مبارک یاد وصول کی صفحے پلٹے دل دھک سے رہ گیا۔ شازیہ جمال داغ مفارقت دے گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ کہا جاسکتا ہے بے بس انسان، پیاری باتیں پڑھ کر آگے بڑھے اس دفعہ کا ناتا ثبت تھا اچھے سسرال بھی ہوتے ہیں اب ساری دنیا تو بری نہیں ہوگئی۔

دستک میں فرح نادر سے ملاقات کی اب میں ڈرامے بالکل نہیں دیکھتی اس لیے ان فنکاروں سے واقفیت نہیں رہی لیکن پھر بھی پڑھ لیتی ہوں۔ سروے بہترین تھا کیوں نہ ہوتا، ہم جو شامل تھے۔ دھوپ دریچہ لگ رہا ہے۔ بہترین کہانی ہوگی۔ تم جنوری جیسی ہو۔ کبھی کسی ہمدرد کا بہترین مشورہ زندگی سنوار دیتا ہے ویسے جب ابوڈانٹ رہے ہوتے ہوتو مزہ خوب آتا تھا۔

کچھ بھی نہ کہا خوب صورت کہانی تھی، اندرون شہر ایسی حویلیاں ہوا کرتی تھیں اب ختم ہوتی جا رہی ہیں۔ مراد جیسے فرماں بردار نیک بچے کم ہی ہوتے ہیں گل فشاں نے بہت اچھا فیصلہ کیا۔

ماہ الملوک زبردست جا رہا ہے لیکن زمل کے ساتھ برا نہیں ہونا چاہیے۔ ابرار شاہ کو اللہ پوچھے گا کیسے موجی کا گھر کیسے برباد کیا۔ برکت یہ کہانی واقعی گھر گھر کی ہے۔

سلسلے دل کے بہت مزے کی کہانی تھی شکر ہے ہیرو ہیروئن مل گئے۔ آدھی قربت مردوں کے لیے ایک سبق تھی۔ مرد چاہتا ہے کہ بیوی صاف ستھری بنی رہے تو عورت کا بھی تو دل چاہتا ہے صاف ستھرا خاوند ہو شکر ہے عالیہ نے آئینہ دکھا دیا۔ پرنس چارمنگ کہانی تو بہت اچھی تھی لیکن پھر وہی لڑکیوں کی بے وقوفی کی داستان تھی۔ باتوں کی خوشبو ہمیشہ کی طرح لاجواب تھی۔ مسکراہٹوں میں مسکراہٹ حل بہترین تھی۔

ج۔ پیاری زرینہ! جامع اور خوب صورت تبصرے کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔ آپ کے اشعار شامل ہوجائیں گے۔

ایمن علی منصور لکھتی ہیں

میرا شعاع سے رشتہ ابھی بہت نوآموز ہے، مجھے بچپن سے مصنفہ بننے کا بہت ہی شوق تھا، اگر سچ کہوں تو یہ رسالے بڑے ہی معلوماتی ہیں، بہت ہی سبق آموز ہیں اور سیکھنے والی خواتین کے لیے اس میں ایک جہاں موجود ہے البتہ جو فقط تفریح کے لیے اسے پڑھتی ہیں تو ان کی تفریح کے لیے بہت مفید ہے، ہر کہانی، ہر افسانہ ایک پوری سوچ ہے، ایک تجربہ ہے اگر سچ کہوں تو میں ہر تحریر اور ہر ہر سطر پر بڑی گہرائی سے پڑھتی ہوں اور جو سطریں اپنا تجربہ بتاتی ہیں، انہیں بار بار پڑھتی ہوں (اور میری جیسی لڑکی جو ہر وقت روئے کائنات اور اس کے فلسفہ کو سوچتی ہے) اور اپنی سوچوں میں مزید پختہ ہوتی جاتی ہوں، میری عمر محض تیئس سال ہے لیکن میں ہمیشہ سے ہی زندگی کے مراحل سے نبرد آزما ہوں زندگی کو سوچتی رہی......وجدان......خودی......اور اسی طرح کے کئی فلسفے میرا موضوع رہے اور آج میں ایک پختہ سوچ کی مالک ہوں اور جہاں تک رائٹر بننے کی خواہش کا سوال ہے تو میں اپنی کمزوری سے واقف ہوں پڑھتے پڑھتے مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ (ارے یار! میں خود بھی اس سوچ کی مالک ہوں اور یہ تجربہ مجھے بھی تو ہوا ہے) لیکن لکھنے بیٹھوں تو الفاظ ندارد......شاید یہی فرق ہے کہ ایک لکھاری بڑی سے بڑی الجھن کو خوب صورت الفاظ میں سلجھا دیتا ہے اسی ہنر کو سیکھنے کے لیے میں نے شعاع کا مطالعہ شروع کیا اور واقعی کچھ ہی مہینوں میں مجھ میں لکھنے کا کچھ کچھ سلیقہ آ ہی گیا۔

ج۔ام ایمن! آپ کو شعاع کی محفل میں خوش آمدید کہتے ہیں۔ آپ کی کہانیاں مل گئی ہیں۔ پڑھی نہیں گئیں۔ اچھی ہوئیں تو ضرور شائع ہوں گی۔

آسماء بنت محمد فیاض خان کراچی سے رونق افروز ہیں لکھا ہے

یہ پہلا خط نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی میں ایک عدد خط تحریر کر چکی ہوں بنت فیاض کے نام سے تھی۔ اپنے گاؤں بازار ضلع صوابی (کے پی کے) کی خوب صورتی کے دل کش نظارے تحریر کیے ہوئے تھے۔ میں دین اسلام کے موضوع (عنوان) پر بہت کچھ لکھ سکتی ہوں میں نے قرآن پاک بمعہ ترجمہ پڑھا ہوا ہے۔

حقوق اللہ، حقوق العباد، حقوق والدین، پڑوسیوں کے حقوق، نماز، روزہ، حج، عمرہ، مساوات، عدل وانصاف خلفائے راشدین، اساتذہ کرام وغیرہ وغیرہ۔

pklibrary.com

اب تبصرے کی طرف آتے ہیں۔

نگہت سیما کی تحریر ماہ الملوک جو کہ ہمارا بے حد فیورٹ اور دل پسند ناول ہے۔ ماہ الملوک میں جو مٹھاس موجود ہے۔ کسی اور کہانی میں نہیں خاص طور پر ماضی اور حال کو آپس میں ملانا اور جوڑنا ان کے بائیں ہاتھ کا کمال ہے۔

عینا عمر خان کو ہم اپنی فیملی ممبر بننے پر خوش آمدید، ہر کلمہ راشہ، پخیر را غلے۔ عینا عمر خان کی بات نہ کی جائے تو بڑی زیادتی ہوگی ہمیں نئے آنے والوں کو فل سپورٹ دینا ہوگا۔ جب ان کی پہلی کہانی چھپی تو یقین کیجیے گا گھر کی تمام فیملی بڑی خوش ہوئی کہ جس طرح گھر میں کسی فرد کی لاٹری یا پرائز بونڈ نکل گئے ہوں۔ اور سب سے پیاری محفل ہے ساری قارئین بہنوں کے خطوط اور آپ کے محبت بھرے جوابات دل میں گھر کرتے ہیں۔

ج۔ پیاری اسماء! آپ کو شعاع کی محفل میں خوش آمدید کہتے ہیں۔ آپ کی کہانی پڑھی آپ میں صلاحیت ہے لکھ سکتی ہیں لیکن ہمارے ہاں اس طرح کی تحریریں شائع نہیں ہوتیں۔ آپ نے اسے ایک واقعہ لکھا ہے۔ آپ افسانہ کی طرز پر لکھیں۔

عدینہ لغاری چمبڑ سے لکھتی ہیں

پہلی شعاع حرف حرف موتی کی طرح حوصلہ اور امیدوں سے بھری ہوئی، حمد اور نعت بھی پیاری تھیں۔ پیاری باتیں ہمیشہ کی طرح دل میں اتر گئیں۔ پھر ناتا پڑھا۔ رضوانہ کی امی کا بہت اچھا لگا۔ آہ شازیہ جمال اس دنیا سے چلی گئی یقین نہیں آتا۔ میری سروے میں شامل ہونے کی خوشی اس صدمے میں گئی اللہ میری پیاری رائٹر کو جنت میں مقام عطا فرمائے اور گھر والوں کو صبر دے۔

سب بہنوں نے بہت عمدہ لکھا خاص کر فرخندہ جی کو داد دوں گی آپ نے سارے سال کے شمارے حفظ کر لیے۔

سلمٰی مسرت سے اتفاق کرتی ہوں مصروفیت اتنی ہوتی ہے کہ خط لکھنا بھی دشوار ہو جاتا ہے سلسلہ دل کے زبردست ناول تھا واہ کیا الفاظ تھے بے ساختہ ہنستے رہے۔ دعا ایوب بھی اچھا جا رہی ہے۔ فلک تنویر نے بھی شاندار ناول پیش کیا۔ لبنیٰ آصف کے ہاتھ میں جادو ہے میں پہلے بھی ان سے متاثر ہوں۔ باتوں سے خوشبو سے میں نے بہت کچھ سیکھا اور اپنے

بچوں کو بھی پڑھاتی ہوں۔ آخر میں پلیز پورا خط شامل کرنا۔

ج: پیاری عریشہ شعاع میں شرکت اور بھرپور تبصرے کے لیے تہ دل سے ممنون ہیں۔ بہت شکریہ۔

صائمہ گل نے مردان سے لکھا ہے

سب سے پہلے تو سب کو نیا سال مبارک پہلی شعاع کا لفظ لفظ دل میں اترتا ہوا۔

شازیہ جمال اور راحت جبیں کے شریک حیات اسلم سندھو کا بہت افسوس ہوا۔ شازیہ جمال کو کم پڑھا مگر جتنا پڑھا لاجواب تھا۔ گزشتہ سال ان کا انٹرویو پڑھا تھا۔ گزارش ہے دوبارہ سے شائع کر دیں۔ رضوانہ وقاص کی والدہ فرزانہ طارق کا نانا جوڑا اچھا لگا۔ پرانے وقتوں کے سادہ سے لوگ سادہ طرز زندگی محبت و امن کی فضا۔

سروے میں سب بہنوں نے بہت خوب شرکت کی۔ فرخندہ جی نے کافی تفصیل سے لکھا۔ رضوانہ وقاص نے اپنے معصوم سے انداز میں لکھا۔

دھوپ دریچہ لگتا ہے زیمل اور ضامن کی جوڑی بنے گی۔ جنوری جیسی سوسو رہا۔

سمیرا حمید اپنے مخصوص طرز تحریر کے ساتھ آئیں اور کیا خوب آئیں۔ کہانی کا اینڈ زبردست رہا۔

برکت، بڑے بزرگ جس گھر میں ہوں وہاں قدرتی طور پر ہر چیز میں ہر شے پر برکت ہوتی ہے۔ جب میں کاموں میں مصروف ہوتی ہوں تو بے بے کو ٹی وی پر کورولوس عثمان ڈرامہ لگا دیتی ہوں (یہ بے بے کا پسندیدہ ڈرامہ ہے) بڑے شوق سے دیکھتی ہیں اور با آواز بلند زبردست کمنٹ پاس کرتی ہیں۔ کبھی اس پر الگ سے لکھوں گی ہاہاہا۔"

"سلسلے دل کے" ہائے ایسے چلبلے من موجی شوقین مزاج ابا جی کہاں ملتے ہیں؟ گھر کی رونق تو ایسے "اباؤں" سے ہوتی ہے۔

"آدھی قربت" کھودا پہاڑ نکلا چوہا ہاہا دیر تک ہنستے رہے۔

پرنس چارمنگ پرانے موضوع کے ساتھ نئے کردار خیر مصنفہ کی گرفت مضبوط رہی۔ تحریر پر۔

پیاری صائمہ! آپ نے شعاع کی محفل میں شرکت کی۔ بہت شکریہ یہ تبصرہ جامع اور مدلل ہے۔

☆☆

pklibrary.com

امت الصبور

تاریخ کے جھروکوں سے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام

حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ افریقہ کے والی اور وہاں کے اسلامی لشکر کے سپہ سالار تھے۔ وہ بحر ظلمات (بحر اوقیانوس) کے ساحل پر تن تنہا کھڑے ہوئے اور نماز کی ادائیگی کے بعد کلمہ توحید کی سربلندی کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنی تلوار آسمان کی طرف بلند کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"خدا کی قسم! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس پانی کے پیچھے بھی کوئی خالی زمین ہے تو میں کلمہ توحید کا جھنڈا اٹھائے ہوئے اپنے اس گھوڑے سے سمندر کو پار کر جاتا۔"

یہی وہ عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ ہیں، جن کو امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زمام خلافت سنبھالنے کے بعد دس ہزار مجاہدین اسلام کی معیت میں افریقہ روانہ کیا، جس کو انہوں نے فتح کر لیا۔ پھر افریقہ کے ایک شہر قیروان کی آباد کاری کا نقشہ انہوں نے مرتب کیا، جہاں گھنے درختوں کی کثرت تھی اور وہاں پر درندوں، جنگلی حیوانات اور موذی جانوروں سے کوئی جگہ خالی نہ تھی۔ چنانچہ وہاں کھڑے ہو کر حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے اپنے پروردگار سے دعا کی اور بلند آواز سے گویا ہوئے۔

"ہم (مجاہدین اسلام) یہاں اترنے والے ہیں، اس لیے تم (جتنے بھی درندے یا موذی جانور ہوں) سب کے سب یہاں سے نکل جاؤ۔"

راوی کا بیان ہے کہ "چنانچہ وہاں کوئی درندہ یا موذی جانور نہ بچا اور سب کے سب اپنے سوراخوں اور بلوں سے نکلنے لگے، یہاں تک کہ جن درندوں کے بچے چل نہیں سکتے تھے، وہ اپنے بچوں کو اٹھائے ہوئے جا رہے تھے۔" (سنہرے حروف ص 255-256)

آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے آنے والی اشیاء

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب زمین پر اترے تو ان کے ساتھ جنت کی ہوا تھی، اس ہوا کا تعلق جنت کے درختوں اور وادیوں کے ساتھ جڑا ہوا تھا، وہ وہاں کی خوشبو کو دنیا میں لائی تھی، پس یہ خوشبو جنت کی ہوا کی وجہ سے ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ حجر اسود بھی نازل ہوا اور وہ اس وقت برف سے بھی زیادہ سفید تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا جو کہ جنت کے درخت ریحان کا تھا، اس کی لمبائی دس زراع یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قد کے برابر تھی۔

اسی طرح درختوں سے نکلنے والا گوند۔ اس کے بعد لوہے کی سل، ہتھوڑا اور لوہے کا چمٹا نازل ہوا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام پہاڑ پر اترے تو لوہے کی ایک بڑی شاخ دیکھی، جو پہاڑ پر اگی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر فرمایا کہ یہ "ہتھوڑا" اسی (کی جنس) سے ہے۔ پس وہ ہتھوڑے کے ساتھ اس کو توڑنا شروع ہوئے اور وہ شاخ پرانی اور کمزور ہو چکی تھی، پھر اس پر آگ روشن کی، یہاں تک کہ وہ پگھل گئی، اس کے بعد انہوں نے اس سے چھری بنائی، جو کہ بنائی جانے والی چیزوں میں سے پہلی چیز تھی، اس کے ساتھ وہ بہت سے کام کیا کرتے تھے، پھر ایک تنور بنایا، یہ وہی تنور ہے، جو حضرت نوح علیہ السلام کو وراثت میں پہنچا تھا اور ہند میں پانی کے عذاب کے وقت یہی تنور ابلا تھا اور......

اور حضرت آدم علیہ السلام جب زمین پر اترے تو اس وقت ان کا سر آسمان کو چھوتا تھا۔ اسی وجہ سے ان کے سر کے اگلے حصے (پیشانی) کے بال گر گئے،

pklibrary.com

پھر ان کی اولاد بھی ننگی پیشانی کے ساتھ پیدا ہوئی اور حضرت آدم علیہ السلام کے طویل قد کی وجہ سے جنگل کے جانوران سے بدکتے تھے۔ پس وہ اسی وقت سے انسان سے وحشت کھاتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام اس پہاڑ پر کھڑے ہو کر ملائکہ کی آوازیں سنتے تھے، جنت کی ہوا سے لطف اندوز ہوتے تھے۔

پھر ان کا قد چھوٹا کر دیا گیا، ان کی وفات تک پھر ان کا قد یہ ہی رہا۔

اور حضرت آدم علیہ السلام جیسا حسن ان کی اولاد میں سوائے حضرت یوسف علیہ السلام کے کسی کے اندر جمع نہیں ہوا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام زمین کی طرف اترے تو اس وقت حق تعالیٰ نے تیس قسم کے پھل انہیں توشہ کے طور پر دیے تھے۔ ان میں دس چھلکے والے، گٹھلی والے اور دس ایسے ہیں کہ نہ جن کا چھلکا ہے نہ گٹھلی۔ دس چھلکے والے پھل 1۔اخروٹ، 2، بادام، 3، پستہ، 4، بندق درخت کا پھل، 5، خشخاش، 6، درخت بلوط کا پھل، 7، شاہ بلوط کا پھل، 8، سیاہ چمک دار بغیر گٹھلی والی کھجور، 9، انار، 10۔کیلا۔

دس گٹھلی والے پھل۔

1، آڑو، 2، خوبانی، 3، آلو بخارا، 4، کھجور، 5، غبیرا، 6، بیر، 7، شفتالو، 8، عناب، 9، گولر، 10، درخت شاہ لوج کا پھل۔ بغیر چھلکے اور گٹھلی والے دس پھل، 1، سیب، 2۔ پپیتا، 3، ناشپاتی، 4، انگور، 5، شہتوت، 6، انجیر، 7، لیموں، 8، درخت خرنوب کا پھل، 9، ککڑی، 10، خربوزہ۔

جنت کی گندم کا وزن: کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت سے جب آئے تو ان کے ساتھ گندم کی ایک تھیلی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ یہ تھیلی جبرئیل علیہ السلام لائے تھے۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کو بھوک لگی اور انہوں نے اپنے رب سے کھانا مانگا تو جبرئیل علیہ السلام نے اس تھیلی سے سات دانے نکال کر حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھ پر رکھے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے کہا یہ وہی ہے، جو آپ کے جنت سے نکلنے کا سبب بنا اور ایک دانے کا وزن اس وقت ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم کے برابر تھا۔

ایک ہی ساعت میں کھیتی کا اگنا، حضرت آدم علیہ السلام کہنے لگے کہ میں ان کا کیا کروں۔

جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔ ”ان کو زمین میں پھیلا دو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا، پس رب تعالیٰ نے ایک گھڑی میں اس کو اگا دیا اور یہ طریقہ یعنی زمین میں بیج ڈالنے کا ان کی اولاد میں بھی جاری رہا۔

پھر جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔ ”فصل کاٹو۔“ انہوں نے اسے کاٹا۔

پھر کہا۔ ”اس کو جمع کرو اور اپنے ہاتھ سے رگڑو۔“ انہوں نے ایسا بھی کیا۔

پھر کہا۔ ”پھونک مار کر اس کے بھوسے اڑا دو۔“

حضرت آدم علیہ السلام نے پھونک مار کر اس کا بھوسا اڑا دیا اور صرف دانے باقی رہ گئے، پھر وہ دونوں دو پتھروں کے پاس آئے اور ایک کو دوسرے پر رکھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان دانوں کو پیسا۔ پھر حکم کے مطابق اس آٹے کو گوندھا، جبرئیل علیہ السلام ایک پتھر اور ایک لوہا (توا) لائے، آدم علیہ السلام نے ان کو رگڑا، ان سے آگ نکلی، پھر حکم کے مطابق آگ پر روٹی بنائی اور یہ سب سے پہلی روٹی تھی، جو آگ پر تیار ہوئی۔

اس کے برخلاف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ جس درخت سے حضرت آدم اور حوا علیہم السلام کو منع کیا تھا، وہ گندم کا درخت تھا، جب دونوں نے اسے کھایا اور انہیں بے لباس ہونے کا احساس ہوا تو وہ جلدی جلدی اپنے اوپر جنت کے درختوں کے پتے ڈالنا شروع ہوئے اور وہ پتے انجیر کے درخت کے تھے، جو ایک دوسرے کے ساتھ چپک جاتے تھے، پس حضرت آدم علیہ السلام پشت کی طرف مڑ کر جنت میں بھاگنے لگے اور ایک درخت

pklibrary.com

میں پناہ لی، رب تعالیٰ نے ندا دی۔
”کیا تم مجھ سے بھاگتے ہو؟“
انہوں نے کہا۔ ”نہیں اے میرے رب، بلکہ میں آپ سے حیا کرتا ہوں۔“
حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ”کیا وہ چیزیں جو میں نے تم کو عطا کی تھیں اور تمہارے لیے مباح کی تھیں، وہ ان سے کشادہ اور زیادہ نہیں تھیں، جن سے میں نے منع کیا تھا۔“
حضرت آدم علیہ السلام نے کہا۔ ”کیوں نہیں، اے میرے رب، لیکن آپ کی عزت کی قسم، مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ کوئی آپ کا نام لے کر جھوٹ بولے گا۔“
قرآن کریم میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔
(ترجمہ، ابلیس نے ان دونوں کو قسم کھا کر یقین دلایا کہ میں تمہارا ہمدرد اور خیر خواہ ہوں۔) (سورۃ اعراف آیت نمبر 12)
حق تعالیٰ نے فرمایا۔ میری عزت کی قسم، میں تمہیں ضرور بالضرور زمین کی طرف اتاروں گا اور تم نہیں پاؤ گے اپنی زندگی، مگر تلخ و مشقت، پھر انہیں زمین کی طرف اتار دیا گیا، پہلے وہ جنت میں خوب وسعت وفراخی کے ساتھ کھاتے تھے۔ اب انہیں ایسی جگہ کی طرف اتار دیا گیا، جہاں کھانے پینے میں فراخی نہیں تھی۔ پھر حق تعالیٰ نے انہیں لوہے کی صنعت سکھائی اور کھیتی کا حکم دیا انہوں نے زمین کو تیار کیا، کھیت بویا، پھر اسے سیراب کیا، یہاں تک کہ اس کی فصل کٹنے کے وقت کو پہنچ گئی، پھر بالترتیب اسے گاہا، چھانا، پیسا، گوندھا، پھر روٹی بنائی اور کھائی اور یہ سب کچھ حق تعالیٰ کے سکھانے کی وجہ سے ہوا۔
حضرت سعید سے بھی مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی طرف ایک سرخ بیل اتارا گیا، وہ ان کے سامنے ظاہر ہوا، اس وقت اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہے تھے، باری تعالیٰ کے قول، ”فلا یخرجنکما من الجنۃ فتشقیٰ“ (سورۃ طہٰ آیت نمبر 117) میں اسی مشقت کی طرف اشارہ ہے، جو کہ آدم علیہ السلام دنیا میں اٹھاتے تھے۔
علامہ طبری فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ وسعید کی مرویات سے ثابت شدہ یہ قول کہ جس میں مشقت کا ذکر ہے، یہ اقرب الی الصحۃ اور اشبہ بالقرآن ہے، اس لیے کہ حق تعالیٰ نے ان دونوں کو ان کے دشمن ابلیس کی اطاعت کرنے سے منع فرمایا کہ یہ تمہیں مشقت میں ڈال دے گا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ (ترجمہ) ”اے آدم یہ تمہارا اور تمہاری زوجہ کا دشمن ہے، پس کہیں یہ تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے کہ پھر تم مشقت میں پڑ جاؤ گے۔ بلاشبہ تمہارے لیے (یہاں) یہ ہے کہ نہ تمہیں بھوک لگتی ہے اور نہ بے لباس ہو، نہ تمہیں پیاس لگتی ہے اور نہ تم دھوپ میں تپتے ہو۔“ (سورۃ طہٰ آیت نمبر 117 تا 199)
اس سے معلوم ہوا کہ اگر ابلیس کی اطاعت کی تو مشقت اٹھانی پڑے گی اور مشقت کا مطلب ان تکالیف کا پہنچنا ہے، جو بھوک و برہنہ پن کو زائل کرنے کے لیے انسان کو اٹھانا پڑتی ہیں، مثلاً زمین میں ہل چلانا، بیج ڈالنا، پانی سے سیراب کرنا اور اس کی مسلسل نگرانی کرنا جیسا کہ اولاد آدم ان ہی اسباب شاقہ کو اختیار کرتی ہے۔
اگر جبرئیل علیہ السلام ایسا غلہ لائے ہوں کہ جس کو صرف بیج کے طور پر زمین میں ڈالا گیا ہو اور آناً فاناً کھیتی پک کر تیار ہو گئی ہو جیسا کہ گزشتہ روایات میں گزرا اور کچھ مشقت نہ اٹھائی گئی ہو تو حق تعالیٰ کا مشقت دینے والا وعدہ پورا نہ ہوتا، حالانکہ وہ ضرور پورا ہوگا، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہا کی روایت سے ثابت ہے۔
ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ چند چیزیں سندان، مقیصہ، چمٹا، ہتھوڑا، حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی نازل ہوئی تھیں اور آدم علیہ السلام کو اولاً ایک پہاڑی کی چوٹی پر اتارا گیا، اس کے بعد پہاڑ کی چوٹی سے اس کے دامن کی طرف اتارا اور زمین کے اوپر موجود تمام مخلوق جنات، بہائم، جانور، درندے، پرندے وغیرہ کا مالک بنایا۔

☆☆

(بہ شکریہ روزنامہ امت)

pklibrary.com

موسم کے پکوان

واصفہ سہیل

لذیذ پائے

ضروری اشیاء:

پائے	دو عدد
پیاز	چار عدد
دہی	ایک پاؤ
تیز پات	تین عدد
بادیان کے پھول	چار عدد
چھوٹی الائچی	دس عدد
ثابت سیاہ مرچیں	بارہ عدد
لونگ	بارہ عدد
دار چینی	چار عدد
تیل	آدھا کپ
لہسن، ادرک	چار کھانے کے چمچے
لال مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچہ

ترکیب:۔

پائے اچھی طرح دھو کر اس میں نمک دو چمچے ادرک لہسن اور دو عدد پیاز ڈال کر پکنے رکھ دیں تقریباً رات بھر یا چھ گھنٹے پکالیں جب پائے گل جائیں تو کسی بڑے پتیلے میں تیل گرم کر کے دو عدد پیاز تل لیں اس میں دو چمچے لہسن ادرک دہی، تیز پات، بادیان کے پھول، چھوٹی الائچی، ثابت سیاہ مرچیں، لونگ، دار چینی، لال مرچ اور ہلدی ڈال کر مسالا بھون لیں اس کے بعد اس میں پائے ڈال کر پکائیں اتنا پکائیں کہ پائے اچھی طرح بھن جائیں۔ پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں حسب پسند شوربا رکھ کر چولہا بند کر دیں سرونگ ڈش میں نکال کر گرم گرم نان کے ساتھ سرو کریں ساتھ ہری مرچ ہرا دھنیا اور باریک کٹی ادرک اور لیموں بھی پیش کریں۔

کوکونٹ کریم چکن

ضروری اشیاء:۔

مرغی	ایک کلو
زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
ثابت دھنیا	ایک چائے کا چمچہ
ثابت لال مرچیں	چھ عدد
نمک	حسب ذائقہ
لہسن	ایک کھانے کا چمچہ
ادرک	ایک چائے کا چمچہ
تیل	حسب پسند
مکھن	ایک کھانے کا چمچہ
ہری مرچیں	تین عدد
لیموں	ایک عدد
چینی	دو چائے کے چمچے
کوکونٹ کریم	دو کپ

ترکیب:۔

پتیلی میں مرغی کا گوشت، نمک، ہری مرچیں، لہسن، ادرک، کوکونٹ کریم اور ایک کپ پانی ڈال کر مکس کریں ڈھک کر درمیانی آنچ پر اتنا پکائیں کہ پانی خشک ہو جائے لیکن کریم باقی رہ جائے۔ توے پر ثابت لال مرچیں، ثابت دھنیا اور زیرہ کو بھون کر پیس لیں۔ دوسری پتیلی میں تیل گرم کر کے اس میں یہ مسالہ فرائی کر کے گوشت اور کریم میں ڈال کر اچھی طرح مکس کریں ہلکی آنچ پر دس منٹ تک پکائیں۔ چینی، مکھن اور لیموں کا رس شامل کر کے ایک منٹ پکا کر چولہے سے اتار لیں۔ سرونگ ڈش میں نکال کر گرم گرم سرو کریں۔

☆☆

pklibrary.com

ادارہ

حسین خوبصورت بنیے

موسم سرما میں جلد کی خصوصی دیکھ بھال

سردیوں کے موسم میں آپ کی جلد کو خاص طور پر توجہ کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ آپ اپنی جلد کی قدرتی شگفتگی وملائمت برقرار رکھ سکیں۔ موئسچرائزنگ تو موسم سرما میں جلد کے لیے ناگزیر ہے ہی مگر رات سونے سے قبل جلد کی صفائی بہت ضروری ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ موسم سرما میں ہفتے میں کم از کم ایک مرتبہ صفائی کرنے کے بعد ابلتے ہوئے پانی میں نیم اور تلسی کے چند پتے، چند قطرے زیتون کا تیل اور لیموں کا رس ڈال کر اس پانی سے اٹھنے والی بھاپ سے پانچ سے دس منٹ تک بھاپ لینے کے بعد اسکربنگ کریم سے گول دائروں کی صورت میں مساج کریں تاکہ نرم ہوکر پھول جانے والے جلد کے بے جان خلیات اور بلیک ہیڈز باآسانی جلد پر سے صاف کیے جاسکیں۔

اس کے بعد اچھا موئسچرائزنگ لوشن یا کریم چہرے پہ لگائیں اور سوجائیں۔

موسم سرما سال کا وہ سیزن ہے جس میں ہماری جلد دیگر موسموں کی نسبت، سب سے زیادہ متاثر ہوتی ہے۔

دیگر موسموں کی نسبت موسم سرما میں آپ کو اپنی جلد کا زیادہ خیال رکھنے کی ضرورت ہے۔

موسم سرما میں آپ کا میک اپ

سردیوں میں میک اپ کرتے ہوئے سب سے اہم وبنیادی بات کا خیال آپ کو یہ رکھنا ہے کہ آپ اس قسم کا فاؤنڈیشن استعمال کریں جو آپ کی جلد کی رنگت سے مطابقت رکھنے کے ساتھ ساتھ آپ کی جلد کی ساخت سے بھی ہم آہنگی رکھتا ہو۔ تاہم سردیوں میں فاؤنڈیشن کی کیک یا پاؤڈر اقسام کا استعمال آپ کے لیے موزوں ثابت نہیں ہوگا۔ ان کے استعمال کے بعد آپ کی جلد ایسی محسوس ہوگی جیسے کہ آپ نے اپنے چہرے پہ کوئی ماسک لگایا ہوا ہے۔ لہٰذا موسم سرما میں میک اپ کے لیے ایسے فاؤنڈیشن کا انتخاب کریں جو موئسچرائزنگ کریمی بیس پر مشتمل ہوتا کہ اسے چہرے پر لگانے کے بعد بلینڈنگ کا عمل بھی آسان رہے اور موئسچرائزر کے جلد میں جذب ہونے کے بعد آپ کے چہرے کی جلد یک رنگی احساس کی حامل دکھائی دے اور میک اپ بھی ہمواریت کا حامل نظر آئے۔

کلاسک لک

چاہے آپ کی جلد کی رنگت گہری سانولی ہو، گندمی ہو، گلابی مائل یا زردی مائل سفید ہی کیوں نہ ہو گھر سے باہر نکلتے وقت آپ کے چہرے کی جلد پہ لگایا گیا فاؤنڈیشن (جو آپ کی جلد کی ساخت ورنگت سے ہم آہنگی رکھتا ہوا ہو) آپ کے چہرے کو اک خوب صورت یک رنگی تاثر عطا کرے گا۔ گرمیوں کی نسبت موسم سرما میں اس مرتبہ آپ فاؤنڈیشن کی نسبتاً گہری ٹونز جو شفتالو (Peach) اور براؤن شیڈز پر مشتمل ہوں انہیں آزمانے کی کوشش کریں۔ جبکہ آنکھوں کے لیے ہلکے ارغوانی سے لے کر نیلے، گہرے سبز، پستئی اور عنابی اور سرخ شیڈز اینڈ ٹیکس کے شوخ رنگ بھی آپ کے انتخاب کے لیے آئیڈیل ہیں۔ سنہرے رنگ کے ہائی لائٹنگ شیڈز بھی آپ کے سنگھار کو اک نرمی بھری کشش بخشیں گے۔ سیاہ رنگ کے آئی لائنر اور مسکارے کا استعمال آپ کی آنکھوں کی آرائش کو خوب صورت اسموکی لک عطا کرے گا۔

☆☆

pklibrary.com